جنت ماں کے قدمو... (...یث)

ماں نمبر

خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی

ماں...... رحمتوں کی کہکشاں

ایک مشکبو تذکرہ

آئینہ

آئینہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

خاندانی تربیت کے اثرات

ان لاتشرک باللہ وبالوالدین احساناً...... اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔

والدین سے تعلق:...... شرک سے بچنے کے لئے متصل بعد تاکید آتی ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور یہ بھی تاکید آتی ہے، ان سے اف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، ان سے نرم اور اچھی بات کہو اور جب ماں باپ کی اطاعت رب العالمین کی اطاعت سے ٹکرا رہی ہو تو وہاں بھی درمیانی طریقہ اختیار کرنے کی تاکید کی:...... ترجمہ: اور اگر وہ تم سے کوشش کریں کہ تم شرک کرو تو ان کی اطاعت نہ کرو، لیکن ان کے ساتھ رہو دنیا میں اچھے طریقے سے۔" گھر کے ماحول میں جو کہ قوم کے ماحول کی بنیادی اور مختصر ترین وحدت ہوتی ہے، سب سے قبل بچے کا دماغی اور جذباتی تعلق خدا اور ماں باپ سے جوڑنا چاہئے۔ خدا سے اصلاً اور بنیادی اور ماں باپ اس کے بعد۔

ماں باپ کی تربیت میں ان دو بنیادوں کو پختہ کرنے کی طرف توجہ دینی چاہئے، بچے کے چھوٹے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو بتانا چاہئے کہ سب کو پیدا کرنے والا خدا ہے۔ انسان کو اور دنیا کو بنانے والا خدا ہے، رزق دینے والا اور زندگی دینے والا خدا ہے۔ خدا سے محبت کرنا چاہئے، کیونکہ اسی نے سب کچھ دیا ہے اور اسی سے ڈرنا چاہئے، کیونکہ غلطی پر وہ پکڑ سکتا ہے، پھر اس کے ساتھ ساتھ والدین اور بڑوں کی عزت اور ان کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے۔

تربیت دینے والوں کی زندگی:...... ماں باپ اور گھریلو زندگی میں تربیت و رہنمائی کا مقام رکھنے والے بڑوں کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ خود ان کی عملی زندگی ان باتوں کے برعکس نہ ہو، جن کی تلقین کرنا چاہتے ہیں، ورنہ بچہ باوجود محدود ذہنی صلاحیت کے اس تضاد کو محسوس کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی تربیت کی نیک تمنائیں پوری نہیں ہو سکیں گی۔

معلومات عامہ:...... بچہ کچھ بڑا ہو جائے اور اس کے ذہن کی محدودیت کم ہونے لگے تو اس کی زندگی کو دیگر اچھا بنانے والی باتوں کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہئے اور اس ضمن میں ان کی محبوبیت اور عزت کا تذکرہ کرنا چاہئے اور برے لوگوں کی مبغوضیت اور رسوائی بتانا چاہئے چونکہ انسان کی فطرت میں پسندیدہ کی نقل و ناپسندیدہ سے گریز کا جذبہ ہوتا ہے، اس لئے یہ واقعات ان کی تربیت و تشکیل میں معاون ہوتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورِ نبوی ﷺ

ترتیب: مولانا محمود عباسی

لوٹ آؤ

...... آمیں تجھ کو بتادوں تقدیر امم کیا ہے؟ شمشیر وسناں اول، طاؤس و رباب آخر

میری بہنو! کیوں طاؤس و رباب کی محفلوں کی زینت بن گئیں؟ یہ کلمہ گو کیوں مغرب کی نقالی میں لباسوں کو مختصر سے مختصر کرتی چلی جارہی ہیں۔ ان کے دل کیوں نہیں پھٹتے، یہ اندھی کیوں نہیں ہوتیں؟ آج میں اپنا یہ درد اپنا فرض سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔ اے میری محترم ماؤں!

خدارا! کچھ دیر کے لئے سوچ و فکر کرو کہ اس امت مسلمہ کو تم صرف، ٹی وی، ڈش، موبائل جیسی خرافات سے پراگندہ نسل ہی دیتی رہو گی، کیا آپ جیسی ایک کلمہ گو مسلمان ماں کی مقدس کوکھ سے صرف یہود و نصاریٰ کے حامی ہی نکلتے رہیں گے، کیا تم خالدؓ و ضرارؓ، ابن قاسمؒ، طارقؒ و ایوبیؒ اور ٹیپوؒ جیسے نامور سپوت دین اسلام کے دامن میں نہیں ڈال سکتیں؟ اگر تم اسی حال میں خوش ہو تو، واللہ ایک مسلمان بیٹا اپنی ماؤں کے لئے اپنے رب کے ہاں دست بدعا ہے کہ اللہ تمہیں بے اولاد کرے، تمہاری چھاتیوں کا دودھ ان کمینے جسموں کو نصیب نہ کرے۔ جن راستوں کا تم نے انتخاب کیا ہے، یہ تو بازاروں کی بھیڑ میں جا چھوڑتے ہیں، رات کو چلنے کے لئے جن گلیوں کو تم نے چنا ہے، وہاں تو دن کے اجالے میں بھی شراب کی بو اور ہوس کی چنگاریاں صاف دکھائی دیتی ہیں۔

خدارا...... ان بند گلیوں سے لوٹ آؤ، کہاں جارہی ہو؟ یہ چمکتی دمکتی روشنیاں، یہ نائٹ کلبوں کی جلتی بجھتی بتیاں، یہ مینا بازار، یہ فحاشی اور بے حیائی کے اڈے تم سے تمہارا سب کچھ چھین لیں گے، تمہارے کان صرف انڈین گانوں کے لئے ہی وقف کیوں ہو گئے ہیں۔ تمہیں بوسنیا کی ان 85 ہزار بہنوں کی چیخیں کیوں نہیں سنائی دیتیں، تمہارے کانوں میں لاکھوں عراقی ماؤں کی وہ فریادیں کیوں نہیں پڑتیں۔

خدارا! توبہ کرلو، توبہ کرلو اور لوٹ آؤ اس دین اسلام کے دامن میں، جو تیرے قدموں کے نیچے جنت کو سجاتا ہے، اپنے رب کے کلام کو سینے سے لگا کے خدارا، اب چوم بھی لو، ان قدموں کو جن میں تمہاری روحانی ماؤں حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ، حضرت مریمؑ جیسی پاکیزہ کرداروں کی صفائیاں بچی ہوئی ہیں۔ جن میں کمزور سی سمیہؓ کے سامنے کفر کا سردار ابوجہل شکست کھا گیا، جن میں یہود کے سروں کو کچلنے والی اسلام کی بیٹی صفیہؓ کا کردار چمک رہا ہے۔

اب بھی وقت ہے، منالو اپنے رب کو کہ وہ بڑا رحیم ہے، صرف آنکھوں سے ندامت کے پانی کا ایک قطرہ اپنی پلکوں پر سجالو، ان شاء اللہ تمہارا یہ ایک آنسو ہی جہنم کے شعلوں کو بجھانے کے لئے کافی ہے۔

آوازِ حیا

سالوں سے وطن عزیز ایک سے بڑھ کر ایک مسئلے میں الجھا ہوا ہے۔ مگر سب سے بڑا مسئلہ جو آج ہمیں درپیش ہے وہ توانائی کا بحران نہیں، گو کہ یہ بھی ایک سنگین مسئلہ ہے، خیانت کا معاملہ ہے۔ نااہل لوگ عہدوں، منصبوں اور امور خارجہ جیسے نازک اور اہم امور پر فائز ہیں۔ ان کو عہدے دیتے وقت نہ ان کی قابلیت دیکھی جاتی ہے نہ ملک وملت اور امت سے ان کی محبت ووفاداری۔ زندگی کے ہر شعبے کے اندر یہ خیانت آچکی ہے۔ کوئی دفتر دیکھ لیجئے، کوئی ادارہ یا کوئی کمیشن، سوائے خیانت کے وہاں کچھ نہیں۔

ہر شخص کو صرف اپنی فکر ہے، اپنے پیٹ کی فکر، اپنی ذات کی فکر کہ بس کسی طرح میرا عہدہ، میری نوکری، میری پوزیشن اور میرا منصب بچ جائے، چاہے اس کی خاطر مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔ مسلمانوں کا خون بہانا پڑے، انہیں آپس میں لڑانا پڑے، ہر طرح کا جھوٹ بولنا پڑا، دھوکا دینا پڑے یا پھر اپنا ایمان ہی بیچنا پڑے۔

لائق وفائق نوجوان منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور نااہل اور کم عقل افراد اونچے اونچے منصبوں پر سلیکٹ ہوجاتے ہیں پھر نتیجہ کیا نکلتا ہے، ہر ادارے کی تنزلی، ابتری اور ٹوٹ پھوٹ۔ جو شخص اپنی ذات سے وفادار نہیں، اپنے عہدے سے، اپنے منصب سے وفادار نہیں وہ ملک وملت وامت سے کیسے وفادار ہوسکتا ہے۔ اس کے دل میں یہ وفاداری کا یہ درد کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔

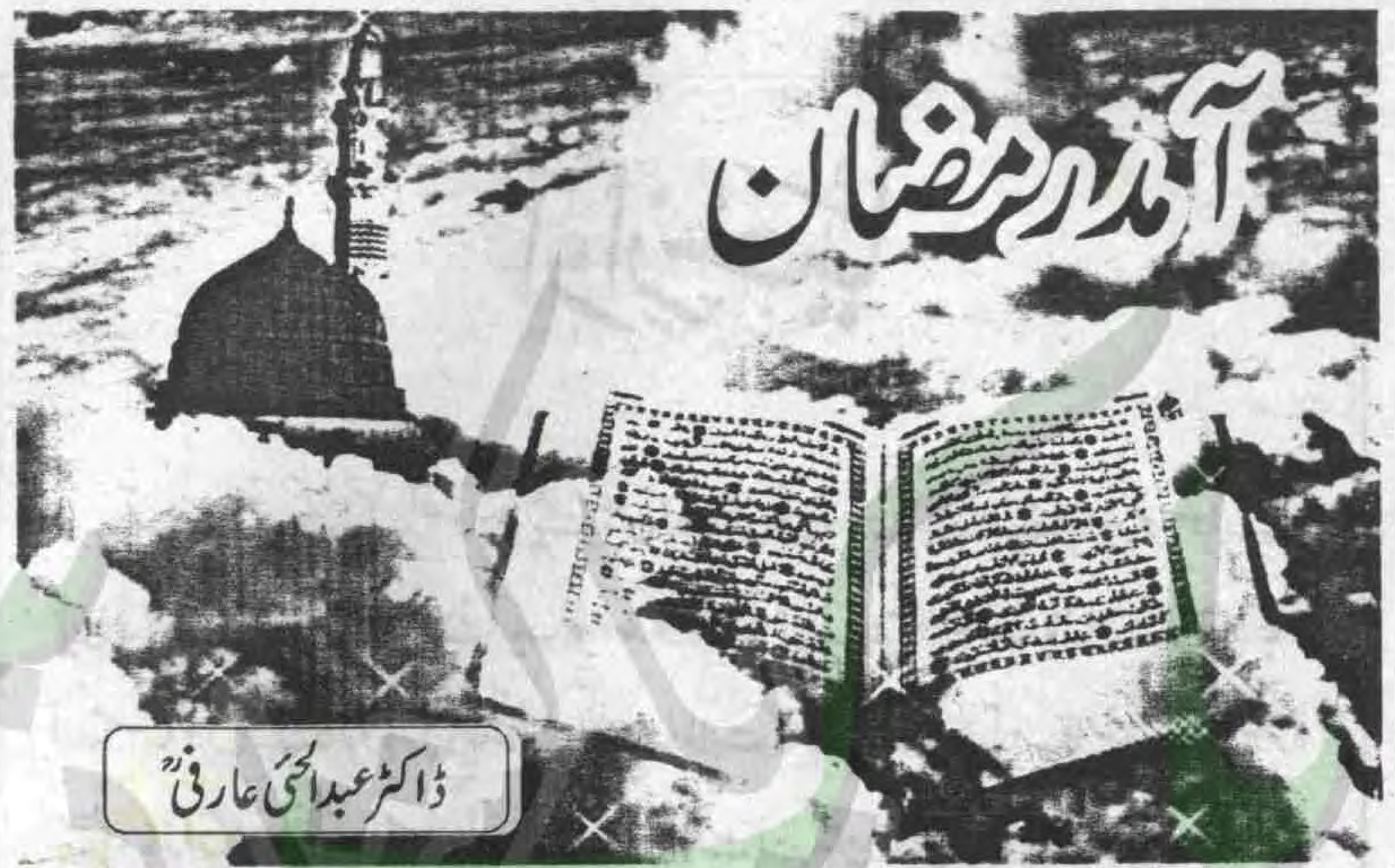
آوازِ حیا

آیئے ماضی کی ایک تصویر دیکھتے ہیں اور اس کی روشنی میں اپنے کردار کو سنوارتے ہیں۔ ایک مرتبہ قیصر روم نے ایک قاصد کو کہلوایا کہ مدینہ منورہ کے بازار کے اندر جاؤ اور مسلمانوں کے کاروباری حالات اور معاملات کا جائزہ لے کر آؤ۔ قاصد مدینہ منورہ پہنچا، بازار کا رخ کیا، مسلمانوں کے معاملات اور لین دین کے حالات اور طریقے دیکھے اور واپس پہنچ کر رپورٹ دی کہ مسلمانوں کے اندر دیانت بھی ہے اور سیاست بھی۔ قیصر روم یہ سن کر اپنی کرسی پر کھڑا ہوگیا اور بولا: ”جس معاشرے کی تصویر تم مجھے ان دو لفظوں میں بتا رہے ہو، اس معاشرے کی زندگی پھر کسی حد کے اندر نہیں رک سکتی۔ یہ معاشرہ ساری دنیا پر غالب ہوجائے گا۔“

قیصر روم سے پوچھا گیا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے ان میں ایسی کون سی چیز دیکھ کر یہ کہا۔ قیصر نے جواب دیا: ”جس معاشرے میں امانت اور دیانت ہوتی ہے وہ معاشرہ مغلوب نہیں ہوا کرتا بلکہ غالب ہوا کرتا ہے۔“

تو آیئے، پھر آج ہی ہم سب اپنے اندر اور اپنے بچوں کے اندر اپنی ہر ذمہ داری کو امانت ودیانت سے پوری کرنے کی بھرپور محنت اور کوشش کریں۔ کیا ہم ملک وملت اور امت کی فلاح کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے؟ یہ سوچئے اور ضرور سوچئے.........

آپ کی مدیرہ ......راحت ارشد



ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ

روزے کی فضیلت:...... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مہینے کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور ان کی راتوں میں بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہونے (تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو دوسرے زمانے کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے افطار کرایا تو اس کے لئے مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔" آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا۔ تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا پانی کے ایک گھونٹ پر کسی روزے دار کا روزہ افطار کرا دے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا:

"اور جو کوئی کسی روزے دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اور

جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام یا خادم کے کام میں تخفیف و کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا۔"

(شعب الایمان البیہقی، معارف الحدیث)

روزے میں احتساب:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھیں گے، ان کے سارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے، ان کے بھی سارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ نوافل پڑھیں گے، ان کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

روزے کی برکت:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ رکھا کرو، تندرست رہا کرو گے۔

(طبرانی)

اور روزے سے جس طرح ظاہری و باطنی مضرت زائل ہوتی ہے، اسی طرح اس سے ظاہری و باطنی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

روزے کی اہمیت:...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا عشرہ اخیرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے، یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے اور گھر کے لوگوں یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین کو بھی جگا دیتے تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں۔

(صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

روزہ چھوڑنے کا نقصان:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری جیسے عذر کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا وہ اگر اس کی بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی، وہ پوری ادا نہیں ہوسکتی۔

(مسند احمد، معارف الحدیث)

رویت ہلال

رویت ہلال کی تحقیق اور شاہد کی شہادت:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ جب تک رویت ہلال کا ثبوت نہ ہوجائے یا کوئی عینی گواہ نہ مل جائے، آپ روزے شروع نہ کرتے جیسا کہ آپ نے ابن عمرؓ کی شہادت قبول کر کے روزہ رکھا۔

(زاد المعاد)

اور آپ بادل کے دن کا روزہ نہیں رکھتے تھے، نہ آپ نے اس کا حکم دیا بلکہ فرمایا: جب بادل ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں۔

(زاد المعاد)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔

(صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)

سحری:...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو۔ اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے کیونکہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

(مسند احمد، معارف الحدیث)

افطار:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ

محبوب ہے جو روزے کے افطار میں جلدی کرے۔ یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے۔

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے اور اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔

(مسند احمد، ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، معارف الحدیث)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔

(جامع ترمذی، معارف الحدیث)

"ذھب الظماء وابتلت العروق و ثبت الاجران شاء اللہ" (پیاس دور ہوئی، رگیں تر ہوئیں، ان شاء اللہ ثواب طے ہوگیا۔)

(سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

حضرت معاذ بن زہیر تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے۔ "اللھم لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت" (اے اللہ میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔)

(سنن ابی داؤد، معارف الحدیث)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزے دار کی ایک بھی دعا افطار کے وقت مسترد نہیں ہوگی۔

(ابن ماجہ، معارف الحدیث)

لیلة القدر

فضل اللہ کا لیلة القدر ہے — قدر میں بے بہا لیلة القدر ہے
اس میں قرآن اللہ نے نازل کیا — مستحق ثناء لیلة القدر ہے
دینی تہذیب کا حصہ ہے اک اہم — چشمہ اک فیض کا لیلة القدر ہے
آخری عشرہ میں ماہ رمضان کے — ہوتی جلوہ نما لیلة القدر ہے
حسب قرآن دس سو مہینوں سے بھی — فائدوں میں سوا لیلة القدر ہے
اس میں اتری ہدایت بشر کے لئے — بخت انسان کا لیلة القدر ہے
اس میں اپنا وطن ہم کو رب نے دیا — کس قدر دل کشا لیلة القدر ہے
اس میں دستور نازل ہوا عالمی — دہر کی رہنما لیلة القدر ہے
اس میں جتنی بھی ہو تم عبادت کرو — کرتی برکت عطاء لیلة القدر ہے
رحمتیں ساتھ لاتی ہے سبھی — ایک نور خدا لیلة القدر ہے

(انتخاب:...... عاصمہ گل عصمی)



پردہ کے شرعی احکام

مولانا عاشق الٰہیؒ

ترجمہ:..... "اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق مت پھرو اور نمازوں کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔"

اوپر لکھی ہوئی آیت سورۂ احزاب کے چوتھے رکوع کی چھٹی آیت ہے، اس میں عورتوں کو گھروں میں رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جو دستور تھا کہ عورتیں بے پردہ باہر پھرا کرتی تھیں اور ان کے حسن و جمال کا نظارہ میلوں اور بازاروں میں سب کرتے تھے، اس جاہلانہ روش اور بداخلاقی اور بے حیائی کو پاکیزہ مذہب کب برداشت کرسکتا تھا، اسلام نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانۂ جاہلیت کی مشرک اور کافر عورتوں کی طرح باہر نہ پھریں۔ چونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے انسان کے طبعی تقاضوں کا پورا خیال رکھا ہے، اس لئے شرعی ضرورت (مثلاً حج) یا طبعی ضرورت (مثلاً ماں باپ سے ملنے جانے یا علاج معالجہ) کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے، مگر اس شرط سے کہ غیر مرد نہ دیکھیں، مردوں کے درمیان سے نہ گزریں، بے حجابی نہ ہو، حسن و جمال کا مظاہرہ نہ ہو، سر سے پاؤں تک برقعہ سے یا کسی بڑی چادر سے سارا بدن چھپا ہوا ہو۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت چھپے رہنے کی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس زمانے کی بہت سی وہ عورتیں جو اپنے کو مسلمان سمجھتی ہیں اور اسلام کا دم بھرتی ہیں لیکن یورپ کی دیکھا دیکھی بے محابا بازاروں، نمائشوں اور میلوں میں پھرتی ہیں، یہ بڑی نادانی اور جہالت اور اسلام سے بے زاری ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بہت سے مرد اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے والی عورتیں پردہ کو اسلام کا کام ہی نہیں سمجھتیں۔ بہت سے ترقی پسند مضمون نگار اور نئی اُپج والے لوگ پردہ کو اسلام سے خارج کرنے کے چکر میں رہتے ہیں اور اس بارے میں مضامین لکھتے ہیں۔

بندہ نے ان سطور میں پردہ کے مسئلے تفصیل سے لکھے ہیں اور حدیث کی روایات اس سلسلے میں جمع کی ہیں، اللہ رب العزت عمل کی توفیق بخشیں۔

مسئلہ:..... عورت کو سارا بدن سر سے پیر تک چھپائے رکھنے کا حکم ہے، نامحرم کے سامنے کھولنا درست نہیں، البتہ

بوڑھی عورت کو صرف منہ، ہتھیلی اور ٹخنے سے نیچے پیر کھولنا نامحرم کے سامنے درست ہے، اس کے علاوہ باقی بدن کا کھولنا کسی طرح بوڑھی کے لئے بھی درست نہیں۔

مسئلہ:..... نامحرم کے سامنے ایک بال بھی نہ کھولنا چاہئے، ماتھے سے اکثر دوپٹہ سرک جاتا ہے اور اسی طرح نامحرم کے سامنے آجاتی ہیں، یہ جائز نہیں، نامحرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی اس عورت کا نکاح درست ہو۔

مسئلہ:..... پیٹ اور پیٹھ اپنے محرم کے سامنے بھی کھولنا درست نہیں، بہت سی جگہ جہاں ساڑھی باندھنے کا رواج ہے عورتوں کا پیٹ یا پیٹھ کھل جاتی ہے، یہ سخت گناہ ہے۔ محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو، جیسے سگا چچا، سگا بھائی، سگا ماموں، باپ، دادا، بیٹا اور پوتا۔

مسئلہ:..... ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک کسی عورت کے سامنے کھولنا بھی عورت کیلئے درست نہیں۔

مسئلہ:..... جتنے بدن کا دیکھنا جائز نہیں، اتنے حصہ پر ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں، غسل کرتے وقت کسی بھی عورت سے ناف سے گھٹنے کے نیچے تک کا بدن ملوانا یا کسی عورت کو دکھانا اگرچہ ماں، بہن ہی ہوں، عورت کے لئے درست نہیں ہے۔

عورتیں بھی مردوں کو نہ دیکھیں:..... ایک مرتبہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویاں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ (بیٹھی ہوئی) تھیں۔ اسی موقع پر ایک صحابی آگئے، جن کا نام عبداللہ تھا اور آنکھوں سے نابینا تھے، جب وہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بڑھے چلے آئے تو ان دونوں بیویوں نے ان کو نابینا دیکھ کر پردہ نہ کیا، حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کرو، حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو وہ نہیں دیکھ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟

غور کرنا چاہئے کہ جب کہ کسی خراب نیت کا اندیشہ بھی نہ تھا، کیونکہ ایک طرف حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں، جن کو قرآن شریف میں مسلمانوں کی مائیں فرمایا گیا ہے اور دوسری طرف ایک نیک صحابی تھے، وہ بھی نابینا اس پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کرایا تو آج کل جب خراب خیالات والے زیادہ ہیں تو پردہ کی پابندی کس قدر ضروری ہوگی، آج کل بہت سی عورتیں خود تو پردے میں بیٹھ جاتی ہیں مگر مردوں کو تاکتی رہتی ہیں، دیکھو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی سختی کے ساتھ نابینا کو دیکھنے سے بھی منع فرمایا، بیاہ برات کے موقع پر دولہا کو سلامی کے نام سے اندر بلا کر سب عورتیں دیکھتی ہیں اور وہ اس روز بناؤ سنگار سے بھی ہوتا ہے، یہ گناہ کی اور بڑی بے شرمی کی بات ہے۔

ایسی جگہ عورت کھڑی نہ ہو، جہاں اسے کوئی دیکھ سکے:..... حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا کی لعنت ہو اس پر جو دیکھے اور اس پر بھی جس کی طرف (اس کے اختیار یا بد احتیاطی سے) دیکھا جائے۔"

آج کل بہت سی عورتیں پردہ کی بے احتیاطی کرتی ہیں، دروازوں کے پردے یا کواڑ بند کرنے کا خاص خیال نہیں رکھتیں یا کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر باہر کو دیکھتی ہیں یا پارکوں میں جا کر برقعہ اتار کر یا منہ کھول کر گھومتی پھرتی ہیں یا بازاروں میں جا کر چیزیں خریدتے ہوئے منہ کھول دیتی ہیں اور دکان دار ان کو دیکھ لیتے ہیں، اس حدیث کی رو سے ایسی عورتیں لعنت میں شامل ہوتی ہیں۔

بے پردگی کے ساتھ بہت سی مسلمان بننے والی عورتیں باہر پھرنے اور تماشوں اور میلوں اور سنیماؤں میں اپنی خوبصورتی کو دکھانے اور غیر مسلموں کی نقل اتارنے کو فخر سمجھتی ہیں اور بے حجاب ہو کر پھرنے کو ترقی کا ذریعہ سمجھتی ہیں اور سخت گنہگار ہوتی ہیں، سنیما اول تو خود ہی

زبردست گناہ کی چیز اور حرام ہے پھر اوپر سے بے پردگی ڈبل گناہ ہو جاتا ہے۔

مسلمان عورتوں نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی عورتوں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں کے طرز کو برا سمجھ کر چھوڑنا شروع کر دیا ہے اور اس کے بجائے مشرک اور کافر عورتوں کے فیشن، لباس اور زیب وزینت کو اختیار کرتی چلی جا رہی ہیں، آج کل ایک لباس ایسا واہیات چلا ہے جو مسلمان عورت کے خیال میں اس کا پہننا آ بھی نہ سکتا تھا، مگر عیسائیوں کی دیکھا دیکھی مسلمان گھرانوں میں بھی گھستا جا رہا ہے وہ لباس ہے "فراک" کہ وہ بدن پر خوب کس جاتا ہے اور بغل کے قریب سے لے کر ساری بانہیں...... اور ساری یا آدھی پنڈلیاں کھلی رہتی ہیں اور اس ایک کپڑے کے علاوہ بدن پر اور سر پر کچھ بھی نہیں ہوتا، مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے گھرانوں میں بڑی تیزی سے یہ فراک جگہ لے رہا ہے، پہلے چھوٹی بچیوں کو پہناتے ہیں پھر وہ بڑی ہو کر جب کہ شوہر کے یہاں پہنچ جاتی ہیں، اسے چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتیں اور چونکہ شوہر کے انتخاب کے لئے دین دار اور خدا ترس آدمی تلاش نہیں کیا جاتا بلکہ عیسائی طرز کا آدمی ڈھونڈا جاتا ہے، اس لئے وہ بھی اسی لباس کو پسند کرتا ہے اور دونوں میاں بیوی خوب پارکوں میں تفریح کرتے پھرتے ہیں (العیاذ باللہ) آہ! وہ مسلمان عورت جس کو یہ تعلیم تھی کہ نابینا کے آنے پر بھی پردے میں ہو جائے، آج کل اس کے کھلے سر اور چہرے اور پنڈلیوں اور بانہوں کے حسن کا نظارہ بازاروں اور میلوں اور پارکوں میں ہزاروں نگاہیں کرتی ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

عورتیں تو کم سمجھ ہوتی ہی ہیں، مردوں نے بھی یورپ کے طور طریق دیکھ کر اپنی عقلوں پر پردہ ڈال لیا اور اپنی بہو اور بیٹیوں کو بے پردگی کی دہکتی آگ میں جھونکنے پر راضی ہو گئے۔ حضرت اکبر الہ آبادیؒ نے خوب فرمایا۔

بے پردہ کل جو نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

پردہ کی اسلام میں اتنی اہمیت ہے کہ کافر عورتوں سے بھی ایک حد تک پردہ رکھا گیا ہے، بڑے بڑے عالموں نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کافر عورتیں جیسے دھوبن، بھنگن، چماری وغیرہ ان سے بھی مسلمان عورت کا اتنا ہی پردہ ہے جتنا نامحرم مرد سے ہے، ہاں ان عورتوں کے سامنے صرف منہ اور گٹے تک پیر کھول سکتی ہیں اور کسی جگہ کا ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں، اس قسم کی عورتوں کے سامنے سر، بانہیں اور پنڈلی مت کھولو، علاج کے لئے یا بچہ کی پیدائش کے لئے ہندو دائی یا کرسچن (عیسائی) میم کو بلانے کی ضرورت ہو تو صرف ضرورت کی جگہ دکھانا جائز ہے، باقی سر، پنڈلی، ران کھولنا درست نہیں۔

مسئلہ:..... یہ جو دستور ہے کہ بچہ کی پیدائش کے وقت عورت کو بالکل ننگا کر دیتے ہیں اور سب عورتیں سارا بدن دیکھتی ہیں، یا ضرورت کی جگہ کے علاوہ سر اور پیٹ اور پیٹھ اور ران کو کافر عورت دیکھتی ہے، یہ حرام ہے اور بڑا سخت گناہ ہے، اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کوئی چادر باندھ دی جائے اور صرف ضرورت کی جگہ دائی یا نرس کے سامنے وقت ضرورت کھول دی جائے۔

پیر سے بھی پردہ ہے:..... حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پردہ کے پیچھے سے ایک پرچہ دینے کے لئے ایک عورت نے ہاتھ بڑھایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا (اور اس سے پرچہ نہ لیا) اور فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں چل رہا کہ یہ ہاتھ عورت کا ہے یا مرد کا ہے؟ اس نے کہا یہ عورت کا ہاتھ ہے، فرمایا: تجھے اپنے ہاتھ کے ناخنوں (کی سفیدی) کو (مہندی سے) بدل دینا چاہئے تھا۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحابی عورتیں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردہ کرتی تھیں، دیکھو اس عورت نے پردہ کے پیچھے سے پرچہ دینا چاہا، آج کل کے جاہل پیر، مریدنیوں کے سامنے آجاتے ہیں اور عورتوں کو جھرمٹ میں بیٹھے یا لیٹے باتیں کرتے رہتے ہیں، ایسے پیر خود بھی دوزخ کے راستے پر پڑے ہیں اور مریدوں اور مریدنیوں کو بھی دوزخ میں دھکیلتے ہیں، عورتیں سمجھتی ہیں کہ یہ تو پیر ہیں بزرگ ہیں نیک ہیں ان سے کیا پردہ؟ بھلا بتاؤ تو سہی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نیک اور پرہیز گار کون ہوگا؟ جب صحابی عورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے بھی پردہ کرایا تو یہ دنیادار بددین پیر کس شمار میں ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہ ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

تنبیہ:......جس طرح پیر سے پردہ ہے، استاد سے بھی پردہ ہے، بہت سی بالغ لڑکیاں یا وہ لڑکیاں جو جوان ہونے کے قریب ہوتی ہیں حافظوں یا ماسٹروں کے سامنے آکر پڑھتی ہیں، یہ سخت گناہ ہے، لعنت والی حدیث میں استاد اور شاگرد سب شامل ہوتے ہیں۔

تنبیہ:......جس پیر یا استاد کو بوڑھا سمجھتی ہو اس سے بھی پردہ کرو۔

فائدہ:......اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عورت کو مرد کی طرح بغیر مہندی لگائے اپنا ہاتھ صاف اور سفید رکھنا درست نہیں ہے۔

مسئلہ:......ایک سرخی ایسی چلی ہے جسے ناخن پر رکھ کر عورتیں اس طرح جما دیتی ہیں کہ سرخ رنگ نہیں بلکہ اس سرخی کی ایک تہہ جم جاتی ہے، جس کا جمانا درست نہیں ہے کیونکہ اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا اور وضو اور غسل درست نہیں ہوتے، اسے ''نیل پالش'' کہتے ہیں۔

عورت کو گھر کے اندر رہنا چاہئے:......حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت چھپے رہنے کی چیز ہے پس جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث مبارک میں عورت کو پوشیدہ رہنے اور پوشیدہ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ جو فرمایا کہ شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کو بہکانے اور غیر مردوں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

جیٹھ دیور سے خاص طور پر پردے کی تاکید:......

ایک مرتبہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ان) عورتوں کے پاس نہ جایا کرو (جو تمہاری محرم نہیں ہیں) ایک آدمی نے سوال کیا کہ جیٹھ، دیور اور سسرال کے رشتے سے جو عزیز قریب ہوں ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تو موت ہیں۔ (مشکوٰۃ)

یعنی جس طرح موت سے گھبراتے ہو اسی طرح عورت کو اپنی سسرال کے مردوں سے بچنا چاہئے اور سامنے آنے سے سخت پرہیز کرنا چاہئے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے اور وہ یہ کہ ان کو عزیز قریب سمجھ کر عورتیں پاس بٹھا لیتی ہیں اور بعض ہنسی دل لگی کی باتیں بھی ہو جاتی ہیں، پھر اس سے خراب نتیجے نکل آتے ہیں، بہت سی عورتیں نندوئی سے اور جیٹھ، دیور سے پردہ نہیں کرتی ہیں، یہ ناجائز اور سخت گناہ ہے، بہت سی عورتیں اپنے دیور کو چھوٹا سا پالیتی ہیں یا کوئی لڑکا لے کر بیٹا بنا کر پرورش کر لیتی ہیں یا بچپن سے بعض لڑکوں کے سامنے آتی ہیں اور جب وہ بالغ ہو جاتے ہیں تب بھی پردہ نہیں کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ وہ تو ہمارے سامنے کا بچہ ہے۔ یہ دلیل غلط اور لغو ہے۔ شریعت کے حکم کے سامنے اٹکل لڑانا اور اپنی سمجھ سے شریعت کے حکم کو ٹھکرانا بہت بڑا گناہ ہے جب

بچہ تھا تو اور وقت تھا اب تو سب کچھ جان گیا ہے اور پردہ کی چیزوں کو جان گیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دل صاف و پاک ہونا چاہئے، رسمی پردہ کی ضرورت نہیں، یہ کہنا بھی شریعت پر اعتراض کرنا ہے جب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے بھی پردہ کرایا تو اب کون ایسا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دل کا صاف و پاک ہوگا، ایک تو عمل نہ کرنا دوسرے گناہ کو جائز کرنے کی کوشش میں عقلی گھوڑے دوڑانا بہت بڑا جرم اور سخت گناہ ہو جاتا ہے جس طرح جیٹھ دیور اور نندوئی سے پردہ کرنے میں بے احتیاطی کی جاتی ہے اسی طرح سوتیلے بھائیوں یعنی خالہ زاد اور ماموں زاد اور چچازاد بھائیوں سے بھی پردہ نہیں کیا جاتا ہے حالانکہ ان کے سامنے آنا بھی درست نہیں یہ سب نامحرم ہیں۔

مسئلہ:......کسی نامحرم کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا یا لیٹنا درست نہیں، اگرچہ دونوں الگ الگ اور کچھ فاصلہ پر ہوں، حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو وہاں ان کا تیسرا شیطان ضرور ہوگا۔

مسئلہ:......بعض عورتیں منہیار (سونار) کے ہاتھ سے چوڑیاں پہنتی ہیں، یہ سخت گناہ ہے۔

مسئلہ:......بعض قوموں میں رواج ہے کہ نئی دلہن کی منہ دکھائی ہوتی ہے اور کنبہ کے سارے مرد آکر منہ دیکھتے ہیں، یہ ہرگز جائز نہیں اور بڑا گناہ ہے۔

ضروری تنبیہ:......اگر کوئی مجبوری ہو تو ضرورت کے موافق جسم کھولنا جائز اور درست ہے مگر ضرورت سے زیادہ نہیں، مثلاً کسی کی ران میں پھوڑا ہے تو صرف پھوڑے کی جگہ حکیم یا لیڈی ڈاکٹر کے سامنے کھولی جا سکتی ہے اس سے زیادہ نہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ پرانا پاجامہ پہن کر یا چادر تہبند باندھ کر پھوڑے کی جگہ بیچ میں سے کاٹ کر کھول دی جائے تاکہ اس جگہ کے علاوہ ادھر ادھر نظر نہ پڑے۔

عورت کی عظمت

☆......جنت میں لوگ اللہ پاک کا دیدار کرنے جائیں گے لیکن جو عورت دنیا میں پردے کی حالت میں رہی ہوگی ان کا دیدار اللہ پاک خود کرنے جائیں گے۔

☆......جو پاک دامن عورت نماز روزے کی پابند ہو اور اپنے شوہر کی خدمت گزار ہو، اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

☆......ایک عورت جو آٹا گوندتے وقت بسم اللہ کا ذکر کرے تو اس کی روزی میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔

☆......جو عورت اپنے گھر میں جھاڑو دیتے وقت اللہ کا ذکر کرے تو خانہ کعبہ میں جھاڑو دینے کا ثواب ملتا ہے۔

☆......اگر عورت بچہ پیدا ہونے کے بعد 40 دن کے اندر انتقال کر جائے تو اللہ پاک اسے شہادت کا درجہ دیتا ہے۔

☆......باریک کپڑے پہننے والی عورت کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ اسے جنت کی خوشبو تک سونگھنے کو نہ ملے گی۔

☆......جو عورت شوہر کی نافرمانی کرے، اس پر جنت حرم کر دی جائے گی۔

☆......نیک بننے کے لئے کوشش جاری رکھو، جیسا کہ حسین بننے کے لئے کرتے ہو۔

☆......زندگی کے آدھے غم انسان دوسروں سے غلط توقعات وابستہ کر کے خریدتا ہے۔

(انتخاب:......محمد ریاض علی تبسم، لودھراں)

☆......☆......☆

مسلمان عورت اور احادیث نبویؐ

مولانا عبدالقیوم ندویؒ



عورتوں کے بارے میں قرآن مجید میں جو احکام آئے ہیں، ان کا ایک ضروری حصہ جو خاتون اسلام کے لئے دستور حیات کا کام دے سکتا ہے اور جس کی آج اس زمانے میں، جب کہ مغربی تمدن کا سیلاب اپنے پورے زور سے اسلامی مشرق کی طرف بہہ رہا ہے اور ڈر یہ ہے کہ ہندوستان کی مسلمان عورتیں بھی اس میں نہ بہہ جائیں، اشد ترین ضرورت ہے۔ گذشتہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے، اس باب میں مسلمان عورتوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جو نصائح اور ضوابط آئے ہیں، ہم ان کو مختصراً بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرت میں عورتوں کی مستقل حیثیت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر خاص طور سے زور دیا اور فرمایا کہ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے۔ آپ نے عورتوں کو بہت سے ایسے حقوق دیئے جن سے وہ اس وقت محروم تھیں، آپؐ نے عورتوں کو تحصیل علم کی رغبت دلائی اور اسے اپنی مرضی سے نکاح کرنے اور خاوند سے ناچاقی ہونے کی حالت میں اس سے طلاق لینے کا حق دیا اور اس طرح معاشرت میں عورت کو سر بلندی بخشی۔

عورت گھر کی نگران و منتظم:...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق باز پرس کی جائے گی، امیر اپنی امارت کا نگران ہے اور خاوند اپنے گھر والوں کا نگران، اور بیوی اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگران، پس ہر ایک تم میں سے اپنی اپنی رعیت کا نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔

آپ نے دیکھا، اس حدیث میں عورت کو خادمہ نہیں کہا گیا، بلکہ اس کو راعیۃ کا معزز خطاب دیا گیا ہے جس کو ہم اپنی ٹھیٹ زبان میں گھر کی ملکہ کہہ سکتے ہیں، اسلامی شریعت نے خاوند کے ذمے کسب معاش کا فرض عائد کیا ہے اور بیوی کو گھر کا نگراں بنایا ہے۔

عورت کا سب سے بڑا منصب اپنے گھر بار کو چلانا، خاوند اور بچوں کا خیال رکھنا ہے، صالح عورت اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے اور اس کے طفیل سارا گھر برکت سے بھر جاتا ہے اور پورے کنبے کی زندگی سدھر جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

☆......دنیا کی سب سے بڑی نعمت نیک و صالح بیوی ہے۔

☆......دنیا کی نعمتوں میں سے نیک و صالح بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

☆......ہمدرد اور غم خوار بیوی خاوند کے لئے اس کے دین کے کاموں میں بڑی مدد ہے۔

☆......عورت کا جہاد شوہر کے ساتھ اچھا رہنا ہے۔

باہمی حسن سلوک کی تاکید:...... گھر میں میاں بیوی کو دن رات ساتھ رہنا پڑتا ہے اور ساتھ رہنے سے دونوں کو ایک دوسرے کی غلطیاں عام طور پر معلوم ہوتی رہتی ہیں لیکن خانگی راحت و آرام کے لئے ضروری ہے کہ بیوی میاں کی لغزشوں سے درگزر کرے اور میاں بیوی کی غلطیوں پر زیادہ گرفت نہ کرے۔

طبرانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔ آپؐ نے عورتوں کی لغزشوں کی ٹوہ میں رہنے سے منع فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے:

عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو کہ یہ تمہارے حوالے ہیں۔ (نسائی)

آپؐ نے ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

خبردار، عورتیں شیشے ہیں، ان کی حفاظت کرو۔

عورتوں کو کم تر سمجھنا ٹھیک نہیں، وہ ہماری زندگی میں برابر کی شریک ہیں اور ہماری ہی جنس میں سے ہیں۔

طبرانی میں ایک حدیث ہے:

بے شک عورتیں مردوں ہی کی ہم جنس ہیں۔

عورت مرد کی خدمت کرتی ہے، مرد کو بھی عورت کی کسی خدمت سے گریز نہیں کرنا چاہئے، آپؐ نے فرمایا:

آدمی اگر اپنی بیوی کو پانی بھی پلائے تو اس کا اسے اجر ملتا ہے۔ خاوند کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے، اسی طرح بیوی کا بھی فرض ہے کہ وہ خاوند کو ناراض نہ ہونے دے۔ (مسند امام احمد)

دیلمی میں مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جس عورت نے اپنے شوہر کو ناراض کیا، وہ اللہ کی لعنت کی مستوجب ہوئی اور ابن ماجہ کی روایت ہے:

جس عورت کا خاوند اس سے رضامندی کی حالت میں انتقال کرے وہ جنت میں داخل ہوگی۔

وہ گھر جس میں میاں بیوی ایک دوسرے سے خوش رہیں، مرد کے لئے جنت ہے۔

مسلم میں حضرت ابوہرہؓ روایت کرتے ہیں کہ مومن مرد کو اپنی بیوی سے بغض نہ رکھنا چاہئے، کیونکہ اگر وہ اس کی ایک عادت کو ناپسند کرتا ہے تو لازماً وہ اس کی کسی دوسری عادت کو پسند کرے گا۔

مسند امام احمد اور ابوداود میں ہے کہ حکیم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم پر ہماری بیویوں کے کیا حقوق ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جب تم کھانا کھاؤ تم ان کو بھی کھلاؤ اور جب کپڑا پہنو تو ان کو بھی پہناؤ اور ان کے منہ پر نہ مارو اور یہ کہ ان سے بول چال چھوڑو تو گھر کے اندر ہی رہ کر چھوڑو۔

ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورتوں کے حق میں بھلائی کرنے کی وصیت کو قبول کرو، اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔

بخاری میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جس میں مردوں کو عورتوں کے ساتھ مدارات کرنے کا حکم دیا گیا ہے، آپؐ فرماتے ہیں:

عورت پسلی کی طرح ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر تم اس کے ساتھ گزارہ کرو گے تو تم باوجود اس کی کجی کے اس سے گزارہ کر سکو گے۔

ایک طرف بیوی کو تاکید کی گئی کہ وہ خاوند سے اچھا

سلوک کرے، دوسری طرف خاوند کو بتایا گیا ہے کہ اچھا آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اور اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

آپؐ کا ارشاد ہے:

تم میں سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ محبت کا سلوک کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یوں تو سب مومن ہیں، لیکن ایمان کا کامل وہ شخص ہے، جس کے اخلاق اچھے ہوں، سب میں اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہوں۔ (ترمذی)

روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں عورتوں کی فرستادہ آپ کے پاس آئی ہوں، سرحد اسلامی کی حفاظت کی بدولت مرد ہم پر فوقیت لے گئے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ واپس جا اور عورتوں کو خبر کردے کہ تمہارا اپنے شوہروں کے لئے بناؤ سنگھار کرنا، حق شوہری ادا کرنا، شوہر کی رضامندی کی جویاں رہنا اور شوہر کی مرضی کا اتباع کرنا، یہ سب مردوں کے ان اعمال کے برابر ہیں۔ (بیہقی)

ایک اور حدیث ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں کہ تمہاری بیویوں میں سے سب سے اچھی وہ ہے جو اپنی آبرو کے معاملے میں پارسا ہو اور اپنے خاوند سے محبت کرتی ہو۔

طبرانی کی ایک روایت ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے، میں جب اس کے پاس جاتا ہوں تو وہ کہتی ہے، مرحبا میرے آقا اور میرے اہل وعیال کے آقا اور جب وہ مجھے رنجیدہ دیکھتی ہے تو کہتی ہے، آخر دنیا کا کیوں رنج کرتے ہو، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے آخرت کا کام کرنے والوں میں سے ایک کام کرنے والی تمہاری یہ بیوی ہے۔ اس کو جہاد کرنے والوں کا اس حسن کار پر نصف ثواب ملے گا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں اپنی بیوی کا کام کاج کرنے سے ایسا ثواب ملتا ہے جیسے تم نے خدا کی راہ میں صدقہ دیا۔ (مسند امام احمد)

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب عورتوں سے اچھی وہ عورت ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف نظر کرے تو وہ اس کو مسرور کردے اور جب وہ اس کو کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور اپنے مال اور اپنی جان کے معاملے میں اس کو ناخوش کرکے اس کی مخالفت مول نہ لے۔

حضرت ابوالدرداء مشہور صحابی فرماتے ہیں کہ ابوالقاسم حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں مجھے جتنی وسعت دی ہے، اس کے مطابق اپنے اہل وعیال پر صرف کروں۔

ایک اور حدیث ہے، جس میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس عورت کا شوہر باہر ہو اور وہ اپنی حالت کو ٹھیک رکھے اور بناؤ سنگار ترک کردے اور اپنے پاؤں کو قید رکھے اور سامان زینت کو معطل کردے، نماز کی پابند رہے، وہ قیامت کے روز ایک پاک باز دوشیزہ کی صورت میں اٹھائی جائے گی۔

میاں بیوی کے تعلقات میں جو رخنہ ڈالے، اس کے لئے حدیث میں بری وعید آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جو کسی عورت کے تعلقات اس کے شوہر سے خراب کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

عورتوں سے محبت وانس رکھنے کی فضیلت:.....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں:

دنیا کی چیزوں میں میرے لئے سب سے محبوب چیز عورت اور خوش بو ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

دیلمی مسند فردوس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قول مروی ہے، آپؐ فرماتے ہیں:

انسان کا جیسے جیسے ایمان زیادہ ہوتا ہے، ویسے ویسے عورتوں سے اس کی محبت بڑھتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو برابر تلقین فرمایا کرتے تھے کہ وہ عورتوں سے سختی نہ برتیں اور ان سے پیار ومحبت سے پیش آئیں۔ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے کوئی شکایت ہوتی تو وہ سیدھی آپؐ کے پاس پہنچتی اور آپؐ سے دادرسی چاہتی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام سے پہلے ہم عورتوں کی زیادہ پرواہ نہیں کیا کرتے تھے اور ان کی بھی مجال نہ ہوتی تھی کہ وہ ہمارے روبرو بات کرسکیں، لیکن اسلام کے بعد ان کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ اپنے حقوق جتانے لگ گئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ جب تک آپؐ زندہ رہے، ہم عورتوں سے بات کرنے میں احتیاط کرتے تھے کہ مبادا ہمارے حق میں کوئی حکم نازل نہ ہوجائے، جب آپؐ نے وفات پائی تب ہم نے کھل کر بات کرنی شروع کی۔ (بخاری)

ابن ماجہ میں ایک روایت ہے کہ آپؐ نے بیویوں پر دست درازی کرنے کی عام مخالفت فرمادی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے شکایت کی کہ عورتیں بہت شوخ ہوگئی ہیں، ان کو مطیع کرنے کے لئے مارنے کی اجازت ہونی چاہئے، آپؐ نے اجازت دے دی، لوگ بھرے بیٹھے تو تھے ہی، کوئی ستر کے قریب اسی دن ہی عورتیں پٹ گئیں، دوسرے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر فریادی عورتوں کا ہجوم ہوگیا۔ آپؐ نے لوگوں کو جمع کرکے فرمایا:

آج آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی ستر عورتیں پہنچی تھیں اور ہر عورت اپنے شوہر کی شکایت کررہی تھی، جن لوگوں نے اپنی بیویوں پر یہ زیادتی کی ہے، وہ تم میں ہرگز اچھے لوگ نہیں ہیں۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سرتاپا رافت ورحمت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امہات المومنین سے مہر والفت کا جو سلوک تھا، اس کا ذکر احادیث میں بڑی تفصیل سے آتا ہے، آپؐ کے اسوۂ حسنہ ہی کا اثر تھا کہ وہ عرب جو عورتوں کو ذلیل اور کم تر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بہت بری طرح پیش آتے تھے، ان کی عزت کرنے لگے اور ان کے حقوق کے نگہبان ہوگئے۔

بغیر شدید ضرورت کے گھر سے نکلنے کی ممانعت:

......اسلام میں عورت کا صحیح مقام اس کا گھر ہے۔ وہ ''ربۃ البیت'' ہے، گھر کی نگرانی، بال بچوں کی تربیت اور شوہر کی خدمت اس کی زندگی کا اہم فریضہ ہے۔ اسی لئے شریعت نے اس پر گھر سے باہر کی زندگی کی ذمہ داریوں کا بار نہیں ڈالا۔ چنانچہ اس پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (ابوداؤد)

اس پر جہاد بھی فرض نہیں، اس کے لئے جنازے میں شریک ہونا لازمی نہیں قرار دیا گیا، بلکہ حتی الوسع اس سے روکا گیا ہے، اس کے لئے مسجدوں کی حاضری اور نماز باجماعت بھی ضروری نہیں اور نیز وہ کسب معاش پر مجبور نہیں کی گئی اور اس کے نان ونفقے کا ذمہ دار اس کا شوہر بنایا گیا ہے۔ وہ ضرورت کے بغیر سفر نہیں کرسکتی اور اگر اسے ضروری سفر درپیش بھی ہو تو محرم کے بغیر سفر کرنے کی مجاز نہیں، الغرض گھر سے باہر نکلنے پر جتنی بھی ممکن پابندیاں ہوسکتی تھیں، وہ شریعت نے مسلمان عورت پر لگائی ہیں، کیونکہ اسلام کے پیش نظر عورت کو شمع محفل اور بازاروں اور پارکوں کی زینت بنانا مقصود نہیں، وہ اسے گھر کی رونق، خاوند کے لئے راحتِ

جاں، بال بچوں کی مربیہ اور معاشرے کا مقدس فرد بنانا چاہتا ہے۔

خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جب کوئی عورت شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر فرشتہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور جن وانس کے سوا ہر چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے اس پر پھٹکار بھیجتی ہے، جب تک کہ وہ واپس لوٹ نہ آئے۔ (کشف الغمہ)

شرع میں مستحسن یہی ہے کہ مسلمان عورت گھر سے حتی الوسع باہر نہ نکلے، یہاں تک کہ اگر چہ اسے مسجد میں نماز کے لئے جانے کی اجازت ہے، لیکن پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورت کا اپنی کوٹھری میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھے اور اس کا اپنی جگہ پر نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی کوٹھری میں نماز پڑھے۔ (ابوداؤد)

اسی سلسلے میں امام احمد اور طبرانی نے ام حمید ساعدیہ کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں، آپؐ نے فرمایا۔ مجھے اس کا علم ہوگیا، مگر تیرا اپنے مکان میں نماز پڑھنا بہتر ہے اس سے کہ تو اپنے صحن میں نماز پڑھے اور تیرا اپنے مکان کے صحن میں نماز پڑھنا بہتر ہے تیرے اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے سے اور تیرا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے اس سے کہ تو جامع مسجد میں نماز پڑھے۔

عورتیں گھر میں نماز باجماعت پڑھ سکتی ہیں اور وہ اس طرح کہ عورت ہی ان کی امامت کرائے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ام ورقہ بنت نوفل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی کہ وہ عورتوں کی امامت کریں، نیز دار قطنی اور بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عورتوں کی امامت کی اور صف کے بیچ میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائی۔

عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی یہ جو سخت تاکید کی گئی ہے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ عورت کو مسجدوں میں نماز پڑھنے کی بالکل اجازت ہی نہیں، دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر کے ارشادات گرامی کا مطلب یہ ہے کہ بالعموم عورتیں گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کریں تو بہتر ہے، کیونکہ اگر انہیں بھی مردوں کی طرح مسجدوں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی جاتی تو صورت یہ ہوتی کہ عورتیں پانچوں کی پانچوں نمازیں مسجد میں پڑھنے کی کوشش کرتیں اور اس سے گھریلو زندگی پر جو اثر پڑتا وہ آپ جان ہی سکتے ہیں، اسلام نے جیسے کہ ہم بار بار بیان کر چکے ہیں، معاشرتی زندگی کی دو بڑی تقسیمیں کی ہیں، ایک گھر سے باہر کی زندگی اور دوسرے گھر کے اندر کی زندگی، گھر کے اندر کی زندگی کی ذمہ دار عورت بنائی گئی ہے اور بیرون خانہ زندگی کا بار مرد پر ڈالا گیا ہے، لیکن جس طرح مرد ایک حد تک اندرون خانہ کی زندگی میں شریک ہوتا اور بیوی کے کاموں میں مدد دیتا ہے اسی طرح عورت بھی بیرون خانہ کی زندگی کی ضروریات کے لئے گھر سے باہر جاسکتی ہے، لیکن یہ عادتاً اور دستوراً نہیں، بلکہ خاص خاص حالات میں اور خاص خاص صورتوں میں اور اس ضمن میں عورت باہر نکلے تو پوری حشمت اور وقار کے ساتھ اور مناسب پردے میں۔

الغرض اسلام نے ایک بالغ عورت کو یوں تو اپنے ذاتی معاملات میں بہت حد تک آزادی دی ہے لیکن وہ اس کی مجاز نہیں کہ جس طرح مرد جہاں چاہے بے محابا جاسکتا ہے اور گھر سے باہر نکلنے پر اس کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں، اسی طرح عورت جب بھی اس کا جی چاہے گھر سے نکل کھڑی ہو اور تو اور، عورت کو اس کی بھی

اجازت نہیں دی گئی کہ وہ بغیر محرم کے سفر کر سکے۔

اسی مضمون کی ابوداؤد کی ایک روایت ہے جس میں آپؐ فرماتے ہیں:

ایک عورت کے لئے جو اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور یوم آخر کو مانتی ہے جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن یا تین دن سے زیادہ کا سفر کرے، بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ اس کا باپ یا اس کا بھائی، یا اس کا خاوند، یا اس کا بیٹا یا کوئی محرم مرد ہو۔

آپؐ نے فرمایا کہ ایک عورت کے لئے ایک دن اور رات کا سفر بھی بغیر محرم کو ساتھ لئے جائز نہیں ہے۔

آخری حدیث میں ہے کہ مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ محرم کو ساتھ لئے بغیر ایک رات کا بھی سفر کرے۔

ضرورت کیلئے گھر سے نکلنے کی اجازت:...... مکے میں عورتوں کے پردے کا مطلق رواج نہ تھا، ہجرت کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ مدینے آئے تو شروع شروع میں مسلمان عورتیں بغیر حجاب کے باہر نکلا کرتی تھیں، لیکن مدینے کی چونکہ ملی جلی آبادی تھی اور اس میں مہاجرین اور انصار کے علاوہ منافقین اور یہودی بھی بستے تھے، اس لئے ضرورت اس امر کی پیش آئی کہ مسلمان عورتیں جب باہر نکلیں تو غیر مسلم عورتوں سے الگ پہچانی جاسکیں تا کہ وہ شرارت پسند عناصر کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رہ سکیں، اس مطالبے میں حضرت عمرؓ سب سے پیش پیش تھے اور انہوں نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضہ بھی کیا کہ مسلمان عورتوں کا بے نقاب نکلنا منع کر دیا جائے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رات کے وقت باہر نکلیں تو حضرت عمر نے ان کو پہچان لیا اور پکار کر کہنے لگے کہ سودہ، ہم نے تمہیں پہچان لیا، بعد میں جب پردے کے احکام نازل ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے عورتوں کے باہر نکلنے پر اور بھی سختی شروع کر دی، ایک مرتبہ پھر حضرت سودہ باہر نکلیں تو حضرت عمر نے ان کو ٹوکا، اس پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو۔

بے شک عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا، جیسے کہ اوپر بیان ہوا، بہتر اور افضل ہے، لیکن کبھی کبھار اگر وہ نماز پڑھنے مسجد میں جانا چاہیں تو انہیں روکنا نہیں چاہئے، اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خدا کی پابندیوں کو خدا کی مسجدوں میں جانے سے نہ روکو، اگر تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔ (ابوداؤد)

اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کے گھر ان کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش مبارک تو یہ تھی کہ عورتیں اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کریں تو اچھا ہے، لیکن آپؐ نے مسلمانوں کو اس سے بھی منع کر دیا کہ اگر عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھنے جانا چاہیں تو انہیں روکا نہ جائے، آپ کے اس استحسان اور عدم ممانعت کی ایک مثال حضرت عمرؓ کا اپنا واقعہ ہے جو امام مالکؒ نے موطا میں نقل کیا ہے۔

حضرت عمر کی بیوی عاتکہ بنت زید تھیں، حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ وہ نماز کے لئے مسجد میں نہ جائیں، مگر ان کو جانے پر اصرار تھا، وہ آپ سے جانے کی اجازت چاہتیں، آپ انہیں منع تو کر نہ سکتے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی وہ کیسے کرتے، لیکن زبان سے جانے کی اجازت بھی وہ نہ دیتے۔ اس لئے مجبوراً خاموش رہتے۔ حضرت عاتکہ بھی اپنی بات کی پکی تھیں۔ کہا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم میں مسجد برابر جاتی رہوں گی، جب تک آپ صاف الفاظ میں منع نہ کریں گے۔

مسجد میں عورتوں کے جانے کے متعلق اس عدم ممانعت کے حکم کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانے میں کثرت سے مسلمان عورتیں نماز با جماعت کے لئے مسجد میں جایا کرتی تھیں، ابوداؤد میں ہے کہ مسجد نبوی میں بسا اوقات نماز میں عورتوں کی دو دو صفیں ہوجاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ نماز پڑھانے کے بعد آپؐ اور تمام مرد نمازی بیٹھے رہتے، تاکہ عورتیں اٹھ کر چلی جائیں۔ جب وہ چلی جاتیں تو آپؐ اور سب لوگ جانے کے لئے اٹھتے۔ (بخاری)

قاعدہ یہ تھا کہ نماز میں عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں سے پیچھے ہوتیں۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے:

مردوں کے لئے نماز میں سب سے بہتر آگے کی صفیں ہوتی ہیں اور سب سے بری پیچھے کی۔ مگر عورتوں کے لئے سب سے بہتر پیچھے کی صفیں ہیں اور سب سے بدتر آگے کی۔

حج جس طرح مردوں پر فرض ہے اسی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عورت بغیر محرم کے حج کا سفر نہیں کرسکتی، نیز ایام حج میں جو مناسک مردوں کو ادا کرنا ہوتے ہیں، بعینہ عورتوں کے لئے وہی مناسک مقرر ہیں، جس طرح مرد خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں، صفا اور مروہ کے درمیان دونوں کے لئے یکساں سعی کرنا فرض قرار دیا گیا ہے اور اسی طرح عرفات اور منیٰ کی حاضری بھی دونوں کے لئے ضروری ہے، لیکن حکم یہ ہے کہ طواف میں عورتوں اور مردوں میں خلط ملط نہ ہونے پائے، حضرت عمرؓ نے عورتوں اور مردوں کو طواف کرتے ہوئے گڈمڈ ہونے سے روک دیا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ ایک مرد کو آپ نے عورتوں کے مجمع میں دیکھا تو پکڑ کر کوڑے لگائے۔

مطلب یہ ہے کہ اسلام عورت اور مرد میں، بحیثیت معاشرہ انسانی کے ایک فرد ہونے کے کوئی فرق نہیں کرتا اور جو احکام وہ ایک پر عائد کرتا ہے، وہی احکام اس نے دوسرے پر بھی عائد کئے ہیں، لیکن عورت کی بعض طبعی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے مرد و عورت میں قدرتاً امتیاز واقع ہوجاتا ہے، مثلاً ہر مہینے بعض خاص دنوں میں عورت سے نماز معاف ہوتی ہے اور ان دنوں میں وہ روزہ رکھنے پر بھی مجبور نہیں ہوتی، یہی معاملہ مرد اور عورت کے اختلاط کا ہے، اسلام نے عورتوں کی انہی طبعی خصوصیات کے پیش نظر اختلاط کو روکنے کے لئے ان پر گھر کے اندر اور باہر چند پابندیاں لگائی ہیں اور ان پابندیوں سے مقصود صرف اختلاط سے پیدا ہونے والی قباحتوں کا سدباب ہے اور بس۔

جنگ میں مسلمان عورتیں شریک ہوسکتی ہیں:......

احادیث سے ثابت ہے کہ جنگ میں ازواج مطہرات اور خواتین اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتیں اور مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرنے کی خدمات انجام دیتی تھیں، یہ طریقہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی جاری رہا۔ (بخاری)

ترمذی میں ہے کہ ام سلیم اور انصار کی چند دوسری خواتین اکثر لڑائیوں میں حضور کے ساتھ گئی ہیں، بخاری میں ہے کہ ایک عورت نے حضور سے عرض کیا۔ میرے لئے دعا فرمائیے کہ میں بھی بحری جنگ میں جانے والوں کے ساتھ رہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ ''اللھم اجعلھا منھم''۔ جنگ احد کے موقع پر جب مجاہدین اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلیم اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لاتی تھیں اور لڑنے والے کو پانی پلاتی تھیں، حضرت انس کہتے ہیں کہ اس حال میں میں نے ان کو پائنچے اٹھائے دوڑ دوڑ کر آتے جاتے دیکھا کہ ان کی پنڈلیوں کا نچلا حصہ کھلا ہوا تھا، ایک دوسری خاتون ام سلیط کے متعلق حضرت عمر نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جنگ احد میں دائیں اور بائیں جدھر میں دیکھتا تھا، ام سلیط میری حفاظت کے لئے جان لڑاتی ہوئی نظر آتی تھی، اسی جنگ میں ربیع بنت معوذ اور ان کے ساتھ خواتین کی ایک

جماعت زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول تھی اور یہی عورتیں مجروحین کو اٹھا اٹھا کر مدینہ لے جا رہی تھیں، جنگ حنین میں ام سلیم ایک خنجر ہاتھ میں لئے پھر رہی تھیں، حضور نے فرمایا، یہ کس لئے ہے، کہنے لگیں کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، ام عطیہ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں، کیمپ کی حفاظت، سپاہیوں کے لئے کھانا پکانا، زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کرنا ان کے سپرد تھا، حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ جو خواتین اس قسم کی جنگی خدمات انجام دیتی تھیں ان کو اموال غنیمت میں سے انعام دیا جاتا تھا۔

ماں کا احترام:...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ماں کے قدموں کے تلے ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد نبوت میں ایک نوجوان علقمہ نام کا تھا۔ ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوگیا۔ اس سے کہا گیا لا الہ الا اللہ پڑھ، لیکن اس کی زبان کلمہ شہادت ادا نہ کرسکی، اس واقعہ کی اطلاع حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس کے ماں باپ موجود ہیں، کسی نے عرض کیا کہ باپ کا انتقال ہوچکا ہے اور اس کی بوڑھی ماں زندہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضعیفہ کو طلب فرمایا اور اس کے بیٹے کی نسبت استفسار حال کیا۔ عورت نے عرض کیا کہ میرا لڑکا بڑا نمازی ہے، روزہ دار ہے، خیر خیرات بہت کرتا اور بے شمار درہم و دینار، جس کا یہ مالک تھا، خدا کے راہ میں خرچ کرچکا ہے، آپؐ نے پوچھا تیرا اور اس کا معاملہ کیسا ہے اس نے جواب دیا کہ میں اس سے سخت ناراض ہوں، کیونکہ یہ اپنی بیوی کی پاسداری بہ نسبت میرے زیادہ کرتا ہے اور ہر کام میں اس کا ہی کہا مانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو بس ماں کی ناراضگی ہی نے اس کی زبان کو کلمہ شہادت پڑھنے سے روک دیا ہے، اس کے بعد آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو اور ان کو آگ لگا کر علقمہ کو جلا ڈالو، ماں نے یہ جو دیکھا تو صبر نہ کرسکی اور کہنے لگی، یا رسول اللہ کیا آپ میرے سخت دل فرزند کو میرے سامنے جلانے کا حکم دیتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: اگر تو دوزخ کی آگ سے اپنے بیٹے کی رہائی چاہتی ہے تو اس سے راضی ہوجا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب تک تو اس سے رضامند نہ ہوگی، اس کا نماز، روزہ وغیرہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بڑھیا نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگی کہ میں اللہ، اس کے رسول اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اب اپنے بیٹے سے راضی ہوگئی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ جا کر دیکھو اب علقمہ کا کیا حال ہے؟ حضرت بلالؓ نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب وہ کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے اور اس کی زبان کھل گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کی خدمت پر بہت زور دیا اور فرمایا کہ ماں کی ممتا ایک نمونہ ہے خدا کی بے پایاں محبت کا، جو اسے اپنے بندوں سے ہے۔ آپؐ کی ایک حدیث ہے۔

ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ! کون سب سے زیادہ اس بات کا حق دار ہے کہ میں اس کے ساتھ حسن سلوک کروں۔ آپؐ نے فرمایا، تمہاری ماں، اس نے پوچھا، اس کے بعد کون، آپؐ نے فرمایا، تمہاری ماں، اس نے پھر پوچھا کہ اس کے بعد کون، فرمایا، تمہاری ماں۔ اس نے پھر پوچھا، اس کے بعد کون، فرمانے لگے۔ تمہارا باپ۔ (بخاری)

اولاد جننے اور ان کی پرورش کا ثواب:...... طبرانی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت بیوہ ہوجائے اور وہ خاندانی بھی ہو اور مال دار بھی، لیکن اس نے اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میلا کردیا۔ یہاں تک کہ وہ بچے یا تو بڑے ہوکر الگ رہنے لگے، یا مر گئے تو ایسی عورت بہشت میں مجھ سے اس طرح نزدیک ہوگی، جیسے شہادت کی انگلی

سے بیچ والی انگلی نزدیک ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں: جو عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہو اور وہ شوہر سے راضی بھی ہو، تو اسے ایسا ثواب ملتا ہے جیسے اللہ کی راہ میں روزہ رکھنے والے اور شب بیداری کرنے والے کو اور جب اس کو ولادت کا درد ہوتا ہے تو آسمان اور زمین کے رہنے والوں کو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان مخفی رکھا گیا ہے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر جب وہ بچہ جنتی ہے تو اس کے پستان سے بچے کے لئے دودھ کا جو ایک گھونٹ نکلتا ہے اور اس کے لئے رات کو جو اسے جاگنا پڑتا ہے اس کا ثواب ایسا ہے جیسے اس نے خدا کی راہ میں ستر غلام آزاد کئے۔

آپؐ کا ارشاد ہے کہ عورت حمل سے لے کر بچہ جننے اور اس کو دودھ چھڑانے تک ایسی ہوتی ہے جیسے اسلام کی راہ میں سرحد کی نگہبانی کرنے والا مجاہد جو کہ ہر وقت مجاہدے کے لئے تیار رہتا ہے اور اس دوران میں اگر وہ مر جائے تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔

ترمذی میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لڑکی کنوار پنے میں یا جو عورت حمل میں بچہ جننے کے وقت یا نفاس کے دنوں میں مر جائے اسے شہید کا درجہ ملتا ہے۔

مسند امام احمد میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس عورت کے تین بچے مر جائیں اور وہ صبر کرے تو وہ بہشت میں داخل ہوگی، ایک عورت بولی، یا رسول اللہ! اور جس کے دو ہی بچے مرے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: دو کا بھی یہی ثواب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک بچے کے مرنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اس پر صبر کرنے کا بھی بڑا ثواب بتایا۔

جو عورتیں نیک ہوتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں (اپنی عصمت کی اور خاوند کے مال و حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ (النسا)

روایت ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عورتو! میں نے تم کو دوزخ میں بہت کثرت سے دیکھا ہے۔ عورتوں نے پوچھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، تم ہر چیز پر بہت لعنت پھٹکار بھیجتی ہو اور خاوندوں کی بہت ناشکری کرتی ہو اور ان کی دی ہوئی ہر چیز پر ناک چڑھاتی ہو، نیز آپؐ نے فرمایا، بین کر کے رونے والی عورت اگر توبہ نہ کرے گی تو قیامت کے روز وہ اس حالت میں اٹھائی جائے گی کہ اس کے بدن پر کرتے کی طرح کا ایک روغن لپٹا ہوا ہوگا جس میں کہ آگ بڑی جلدی لگتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کی بھیجی ہوئی چیز کو حقیر اور ہلکا نہ سمجھے، چاہے اس نے بکری کے کھر ہی کیوں نہ بھیجے ہوں، نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب ہوا اور وہ اس لئے کہ اس نے اس کو پکڑ کر باندھ دیا اور نہ اس کو کھانے کو دیا اور نہ اس کو چھوڑا ہی، چنانچہ وہ یوں ہی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ (بخاری)

مسند احمد میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ایسی عورتیں پیدا ہوں گی جو کو کپڑے پہنے ہوں گی لیکن ننگی ہوں گی، یعنی نام کو ان کے بدن پر کپڑا ہوگا لیکن کپڑا اس قدر باریک ہوگا کہ اس میں سے بدن نظر آئے گا اور وہ اکڑ کر بدن کو حرکت دیتے ہوئے چلیں گی، یاد رکھو ایسی عورتیں ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ آپؐ نے کسی کو لعنت کرتے ہوئے سنا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ فلاں عورت اپنی سواری کی اونٹنی پر لعنت بھیج رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس عورت کو اور اس کے اسباب کو اونٹنی سے اتار دو، یہ اونٹنی تو اس عورت کے نزدیک لعنت کے قابل ہے، پھر اس کو وہ کیوں کام میں لاتی ہے۔ (ابن ماجہ)

☆......☆......☆



زندگی اپنی پرانی ڈگر پر آگئی۔ سلمان بھائی اور سرفراز بھائی کی اپنے مریضوں کے ساتھ مصروفیت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ مجھے بڑی حیرت تھی کہ ڈیڈی کے وکیل نے خاموشی کیسے اختیار کر لی۔ انہوں نے ہفتوں گزر جانے کے باوجود سرفراز بھائی کے بھیجے ہوئے نوٹس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈیڈی شاید تھک چکے تھے یا پھر انہوں نے ہار مان لی تھی۔ ایک دن میں اسپتال سے گھر واپسی پر یہی گتھی سلجھاتا ہوا آ رہا تھا کہ مجھے سڑک کے کونے پر جمشید بھائی اپنے پرانے چیلوں کے ساتھ کھڑے نظر آئے۔ وسیم...... اور شہزاد۔ اتنا وقت گزر جانے کے باوجود میں انہیں دیکھتے ہی خوفزدہ ہو گیا۔ ان تینوں میں سے کسی کی نظر مجھ پر نہ پڑی تھی۔ میں جلدی سے فٹ پاتھ پر لگے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا اور سلمان بھائی کو فوراً گھر کے باہر ان تینوں کی موجودگی کی اطلاع دی۔ سلمان بھائی میری کال ریسو کرنے کے چند منٹ بعد ہی میرے پاس پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ سرفراز بھائی بھی تھے۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی میرے دھڑکتے ہوئے دل کو کچھ سکون ملا۔

”فرحان! تم یہیں ٹھہرو۔ ہم جمشید سے جا کر ملتے ہیں۔“

”نہیں، نہیں، سلمان بھائی۔ میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔ مجھے تو یہاں بڑا ڈر لگ رہا ہے۔“

میں نے گھبراہٹ میں ان کا ہاتھ کھینچا۔

”اچھا بھئی...... اب میرا ہاتھ تو چھوڑو...... چلو آؤ ساتھ ہی چلتے ہیں۔“ سلمان بھائی کی آواز شاید جمشید بھائی تک پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے گھوم کر ہم تینوں کو دیکھا۔ ہم سب ایک دوسرے کو دیکھ کر کچھ ٹھٹھک سے گئے۔ ان کے اور ہمارے درمیان چند قدموں کا فاصلہ تھا۔ مگر دل...... دلوں کا فاصلہ تو یقیناً صدیوں کا تھا۔ آج عرصہ بعد میں جمشید بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ عرصہ تو نہیں غالباً ہفتوں بعد۔ میرا ذہن الجھ گیا۔ نجانے میں انہیں دیکھتے ہی کنفیوژ کیوں ہو جاتا تھا...... ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے جمشید بھائی کی آواز آئی۔

”کیسے ہو سلمان...... بھئی ہفتوں گزر گئے تم نے پلٹ کر کبھی خیریت بھی نہیں پوچھی اور...... اور...... یہ آپ ہیں ڈاکٹر سرفراز صاحب...... یار بڑے بارعب نظر آ رہے ہیں۔ اوہو...... یہ اپنے پدی کے شوربے فرحان بھی ساتھ ہیں۔ واہ...... کیا شخصیت نکالی ہے۔“

جمشید بھائی کی آواز میں ہمیشہ کی سی بناوٹ اور مکاری تھی۔ یا پھر میں ہی ان کے بارے میں پہلے سے زیادہ حساس ہوگیا تھا۔

"کم آن یار جمشید...... اب یہ سب تکلفات اور بناوٹی باتیں چھوڑو اور سیدھے سیدھے بتاؤ کہ تمہیں ہم سے کام کیا ہے۔"

سرفراز بھائی نے بڑے دوٹوک لہجے میں جمشید بھائی سے کہا۔ جمشید بھائی کو شاید اس جواب کی توقع نہیں تھی، وہ کچھ گڑبڑا سے گئے۔ مگر لمحوں میں ہی انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"ارے ارے...... آپ تو ناراض ہوگئے جناب ڈاکٹر سرفراز صاحب۔ آیئے اندر چل کر بات کرتے ہیں۔ اب ایسی بھی کیا ناراضگی کہ ہمارے ڈاکٹر سلمان جو ہمارے بھائی بھی ہیں، ہمیں اپنے گھر انوائیٹ تک نہیں کررہے۔"

سلمان بھائی بے بڑی سپاٹ نظروں سے جمشید بھائی کو گھورا، مگر انہیں کوئی جواب نہیں دیا۔

"آیئے...... تشریف لایئے...... اندر چل کر بات کرتے ہیں۔"

سلمان بھائی نے یہ کہتے ہوئے گھر کی طرف قدم بڑھادیئے۔

ابھی ہم سب اندر پہنچ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہی تھے کہ سرفراز بھائی نے ایک بار پھر جمشید بھائی کو مخاطب کیا۔

"یار جمشید اب اپنے آنے کا مقصد بتا بھی دو، تم سب کا آنا کوئی ہماری محبت میں تو ہے نہیں۔ سلمان کے ڈیڈی کا ہی کوئی پیغام ہوگا یا پھر تمہاری کذابی جماعت کے نام نہاد بڑوں کا، چلو اب جلدی سے اس سسپنس کو ختم کرو۔"

جمشید بھائی نے سرفراز بھائی کو کاٹ کھانے والے انداز میں گھورا پھر بڑے ٹھنڈے لہجے میں بولے:

"تم نے ٹھیک کہا سرفراز، ہمارا یہاں آنا کوئی سوشل وزٹ نہیں ہے نہ ہی ہم تمہاری خیر خیریت معلوم کرنے آئے ہیں۔ مجھے تم لوگوں سے صرف یہ کہنا ہے کہ تمہارا اسپتال تو ہماری سچی جماعت کے سچے بڑے بند کرواکر ہی چھوڑیں گے، مجھے تو صرف اس لئے بھیجا گیا ہے کہ بجائے وکیلوں اور عدالتوں کے چکروں کے، آمنے سامنے بیٹھ کر یہ فیصلہ کرلیتے ہیں کہ تم دونوں کو اسپتال بند کرنے کے عوض کتنی رقم چاہئے...... یہ ہی طے کرنے کے لئے مجھے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

جمشید بھائی کی بات نے کمرے میں ایک ایسا سناٹا کردیا کہ واقعی اگر اس وقت وہاں سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز آجاتی۔ میں نے سلمان بھائی اور سرفراز بھائی کی طرف دیکھا اور وہ دونوں بھی شاید جمشید بھائی کی بات سن کر کچھ سناٹے سے میں آگئے تھے۔ ہمارے کہیں دور دور وہم وگمان میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ہمیں یوں لالچ دی جائے گی۔ میں نے پھر سرفراز بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے، پھر آہستہ سے مگر چٹانوں جیسے سخت لہجے میں بولے:

"ہمارا ایمان For Sale نہیں ہے جمشید، تم لوگ یہ اسپتال بند کرواسکتے ہو تو شوق سے کروادو، ہم ایک اور اسپتال کھول لیں گے، وہ بند کروادو گے تو تیسرا کھول لیا جائے گا، کچھ نہیں تو ہم کسی خالی میدان میں ایک میڈیکل کیمپ ہی لگالیں گے، مگر اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہوں کہ ہمارے ایمان کا سودا کسی صورت نہیں ہوگا، ان شاء اللہ۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ ختم نبوت ہماری جان کے ساتھ ہے۔ جان تو جاسکتی ہے مگر محبت اور عقیدہ نہیں۔ وہ تو ان شاء اللہ اس جان کے ساتھ ہی قبر میں جائے گا۔"

سرفراز بھائی مستقل جمشید بھائی کو دیکھے جارہے تھے۔ جمشید بھائی کے تاثرات سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ بولنا ہی بھول گئے ہیں۔ ابھی کوئی کچھ بولنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک ہی سلمان بھائی اٹھے اور سرفراز بھائی سے ہاتھ ملایا۔ پھر ان کی آواز کمرے میں چھائی ہوئی خاموشی کو توڑتی ہوئی ہمارے کانوں تک پہنچی۔

"کیا بات کہی ہے یار سرفراز...... کیا بات کہی ہے۔ ہمیشہ سرفراز رہو۔ یار تم نے تو ہمارے دلوں کی صدا کو الفاظ دے دیئے...... سبحان اللہ یار...... ہمیشہ سرفراز رہو۔"

مجھے سلمان بھائی کی آواز میں آنسوؤں کی ملاوٹ لگی۔

"کیا الفاظ دے دیئے...... سب ڈھونگ ہے...... ہونہہ ڈرامہ بازی۔ چلئے ڈاکٹر سرفراز لیجئے یہ چیک پکڑیئے اور اپنی مرضی کی رقم اس میں بھر لیجئے۔ اب جلدی کریئے، ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔"

جمشید بھائی واقعی اپنی قسم کے ایک ڈھیٹ تھے۔ وہ یہ کہتے ہوئے اٹھے، اپنی جیب میں سے چیک نکالا اور سرفراز بھائی کے قریب میز پر رکھ دیا۔ کمرے میں ایک بار پھر گہری خاموشی چھاگئی۔ وہاں موجود سب ہی سانس روکے سرفراز بھائی کو دیکھ رہے تھے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ سرفراز بھائی غصے میں اٹھ کر چیک کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے۔ مگر سرفراز بھائی......

سرفراز بھائی خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھے، ایک لمحے کے لئے جمشید بھائی کو دیکھا، پھر سامنے شیلف پر رکھے اپنے ڈاکٹری بیگ کو اٹھایا اور لاکر میز پر رکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے بڑے اطمینان سے بیگ کو کھول کر ایک چیک بک نکالی، ہمارے سامنے ایک چیک پر دستخط کئے اور جمشید بھائی کے سامنے کچھ فاصلے پر جاکر کھڑے ہوگئے۔

"یہ لیجئے جمشید بھائی۔ میری طرف سے ڈالر اکاؤنٹ کا یہ بلینک چیک قبول کریئے۔ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے صدقے سے اپنی پسند کے ہندسوں سے بھر لیجئے اور لے جاکر اپنے کذابی نام نہاد بڑوں کو دے دیجئے اب جلدی بھی کریئے بھائی...... مجھے دیر ہورہی ہے۔ گھر بھی پہنچنا ہے۔"

سرفراز نے دنگ بیٹھے جمشید کے قریب ہی تپائی پر چیک رکھ دیا۔ میرے کان سائیں سائیں کررہے تھے۔ کمرے میں موجود ہر شخص پھٹی پھٹی نظروں سے سرفراز بھائی کو دیکھ رہا تھا۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا سن رہا ہوں اور کیا دیکھ رہا ہوں۔ اچانک ہی جمشید بھائی ہنسنے لگے۔ ان کی ہنسی کی آواز مجھے واپس کمرے میں لے آئی۔

"کیا مذاق ہے یا سرفراز...... تم اور ڈالر اکاؤنٹ......"

جمشید بھائی سے مارے ہنسی کے جملہ بھی پورا نہیں ہوا، کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے اوپر قابو پاکر بڑے میٹھے لہجے میں کہا:

"یار کبھی تم نے سو ڈالر بھی دیکھے ہیں جو یوں ہمارے اوپر ڈالروں کی بارش کرنے چلے ہو۔ چلو اب اٹھاؤ میرا چیک اور بھرو اس کو اپنی پسند کی رقم سے۔" "بس بہت ہوگیا...... اب جلدی کرو۔"

"بھائی جمشید صاحب آپ کیوں بسم اللہ نہیں کرتے۔ اٹھائیں میرے چیک کو اور بھریں اس کو بقول آپ کے اپنی پسند کی رقم سے۔ میں نے کہا نا کہ مجھے دیر ہورہی ہے گھر بھی جانا ہے۔" سرفراز بھائی کا لہجہ اتنا سنجیدہ اور مضبوط تھا کہ جمشید بھائی بالکل خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر وہ بیٹھے کچھ سوچتے رہے پھر اپنا چیک اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

"میں اپنی بے عزتی کبھی نہیں بھولتا سرفراز...... یاد رکھنا کبھی نہیں۔"

جمشید بھائی یہ کہتے ہوئے اٹھے اور بڑی خونخوار نظروں سے سرفراز بھائی کو گھورتے ہوئے وسیم اور شہزاد کے ساتھ باہر نکل گئے۔

میں اور سلمان بھائی دم بخود بیٹھے تھے۔ لگ رہا تھا کہ ہم دونوں کے ذہن بالکل ماؤف ہوچکے ہیں۔ کافی دیر بعد سلمان بھائی ہی کچھ بولنے کے قابل ہوئے۔

☆......☆......☆

عالم میں سلمان بھائی کے ساتھ ان کے قریب سے محلے میں گیا تھا۔ آج وہ پیسے میں کھیل رہے تھے) اتنے بڑے اسپتال کے، سلمان بھائی کے ساتھ مالک تھے مگر ان کے اندر وہ سادگی تھی جو اس پہلی ملاقات میں نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اچھی لگی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو فرحان۔ چلو اب سوچنا چھوڑو۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس اتوار کو تمام ساتھیوں کو یہیں بلا لیتے ہیں۔ اس مرتبہ ہمارے ڈاکٹر سلمان صاحب میزبان اور چھوٹے صاحب فرحان کے فیورٹ اسپیکر جناب ہاشم صاحب چیف گیسٹ ہوں گے۔ کیوں ڈاکٹر صاحب کیا کھلائیں گے مہمانوں کو؟ چلئے ایسا کرتے ہیں کہ ففٹی ففٹی کر لیتے ہیں۔ میں اور آپ...... ہم دونوں ہی میزبان بن جاتے ہیں۔ یار نہاری اور بریانی لے آئیں گے...... کہئے کیسا آئیڈیا ہے؟" سرفراز بھائی کی بات سن کر میں خوشی سے اچھل پڑا۔

"زبردست! سرفراز بھائی زبردست...... کیا بات کی ہے آپ نے...... بیان...... اور ہمارے گھر۔ یار سرفراز بھائی اتوار تو بالکل قریب ہی ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آس پڑوس میں سے بھی کچھ لوگوں کو انوائیٹ کرلوں؟"

"بالکل بالکل...... اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ چلو اسی خوشی میں ایک کڑک سی چائے ہو جائے۔"

سرفراز بھائی نے صوفے پر لیٹتے ہوئے مجھ سے کہا۔ میں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور ان کی فرمائش پوری کرنے کے لئے کچن کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆......☆......☆

اتوار کا دن بڑی آب و تاب سے آیا۔ روشن روشن...... چمکیلا چمکیلا۔ میں نے باہر جا کر اپنے گھر کے چھوٹے سے لان میں کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لئے اور پھر خوشی خوشی اندر آ کر ناشتہ کیا۔ ظہر کے بعد سرفراز بھائی اور سہیل بھائی آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی اپنے ساتھ مجھے بھی کام پر لگا لیا۔ ذرا سی دیر میں ہم نے ڈرائنگ روم کے صوفے ایک طرف کر کے قالین پر چاندنیاں بچھا کر وہ تمام گاؤ تکئے اور کشن رکھ دیئے جو سہیل بھائی اپنے ساتھ لائے تھے۔ عصر تک پورا کمرہ سیٹ ہو گیا۔ اسپتال سے دو صفائی والے بھی آ کر ہر طرف صفائی کر گئے۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ آج پہلی مرتبہ ہمارے گھر اس طرح دوست احباب آ رہے تھے۔ مجھے بہت دنوں بعد اپنا گھر اور بہن بھائی بری طرح یاد آئے۔ میں ہاتھ میں ڈسٹر لئے ایک طرف صوفے پر بیٹھ گیا۔ سلمان بھائی نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ وہ میری کیفیت سمجھ گئے۔ اسی لئے میرے قریب ہی آ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا پھر رونے کا پروگرام بن رہا ہے؟"

سلمان بھائی نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

"چلو ایسا کرو رو لو...... دل ہلکا ہو جائے گا...... یار گزری ہوئی زندگی کی دعوتیں یاد کرنے کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں گزارے ہوئے دن بھی یاد کر لیا کرو...... ذرا موازنہ کر کے دیکھو، وہ وقت بھول نہ جاؤ تو کہنا۔"

سلمان بھائی کی بات نے مجھے عثمان بھائی کی یاد دلا دی۔ مدینہ منورہ...... عثمان بھائی...... روضۂ مبارک کی جالیاں...... میں اچانک ہی تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔

"سلمان بھائی پھر کب چل رہے ہیں عمرے کے لئے۔"

میں نے بچوں کی سی بیتابی سے ان سے پوچھا۔

"یار...... اب تو حج کریں گے ان شاء اللہ......"

سلمان بھائی کی بات سن کر میں پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"حج...... کیا کہا آپ نے...... حج۔"

میری آواز ایک چیخ سی بن گئی۔

"ہاں ہاں...... حج...... اب تو حج کرنے ہی جائیں گے۔"

سلمان بھائی کی آواز میں خوشی ہی خوشی تھی۔

"کیا اسی سال سلمان بھائی۔"

میں نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں یار...... اگلے سال ان شاء اللہ۔ بس تم دعائیں ذرا زیادہ کرنی شروع کر دو۔ ارے وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ چلو اب نہا دھو کر تیار ہو جاتے ہیں سب آنے ہی والے ہوں گے۔"

عصر کے فوراً بعد ہی تمام ساتھی آ گئے۔ ہمارے چند پڑوسی بھی پہنچ گئے۔ سب سے زیادہ خوشی تو مجھے ان بچوں کو دیکھ کر ہوئی جو مجھ سے ٹیوشن پڑھنے آتے تھے۔ سرفراز بھائی ان کے لئے خاص طور سے کچھ کتابیں اور چاکلیٹس لائے تھے۔ یہ تحفے پا کر وہ سب بہت متاثر ہوئے۔ ہاشم بھائی آئے تو فوراً ہی میں نے انہیں بیان شروع کرنے کے لئے کہا۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھے اور اپنی نشست سنبھال لی۔

"السلام علیکم بھائیوں، دوستوں اور ساتھیوں! آج پہلی مرتبہ یہاں سلمان کے گھر یہ مجلس جمی ہے، سلمان کا اصرار ہے کہ اب ہر ہفتے بیان کا یہ سلسلہ اس کے گھر ہوا کرے۔ آپ سب ساتھیوں کی طرف سے میں سلمان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور یہ اعلان بھی کرے دیتا ہوں کہ ہر اتوار کے دن عصر کے فوراً بعد مغرب سے کچھ پہلے تک یہاں بیان ہوا کرے گا۔ آپ ساتھی جس کسی کو بھی اپنے ساتھ لانا چاہیں موسٹ ویلکم۔"

بھائیو اور دوستو! آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے بیان میں سریہ محمد بن مسلمہ انصاریؓ پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ آئیے اب آگے چلتے ہیں۔ اب جن غزوات اور سرایہ کے بارے میں آپ کو بتایا جائے گا، یہ سب ۶ ھ میں پیش آئے۔ یکم ربیع الاول ۶ ھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس عاصم بن ثابتؓ، خبیب بن عدیؓ اور دیگر شہدا رجیع کا بدلہ لینے کے لئے دو سو سواروں کے ساتھ بنولحیان سے مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ بنولحیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پاتے ہی بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دو دن قیام فرمایا اور اطراف میں چھوٹی چھوٹی مہمیں روانہ کیں جن میں ایک مہم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرکردگی میں دس سواروں کے ساتھ تھی۔ اس غزوہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر جنگ کئے ہوئے واپس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی مدینہ پہنچے ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ وہاں یہ اطلاع پہنچی کہ عبدالرحمٰن بن عینیہ بن حصن فزاری نے چالیس سواروں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کی چراہ گاہ پر چھاپہ مارا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں پکڑ کر لے گیا۔ یہ چراہ گاہ بلادِ غطفان کے قریب ایک چشمہ ذی قرد کے پاس تھی۔ اس حملے میں عبدالرحمٰن بن عینیہ نے حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر مامور تھے، شہید کر ڈالا اور ابوذرؓ کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔

سلمۃ بن اکوعؓ اس خبر کو سنتے ہی ان لوگوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور جانے سے پہلے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر تین نعرے لگائے جس سے سارا مدینہ گونج اٹھا۔ انہوں نے تیز رفتاری سے جا کر ان سواروں کو پکڑ لیا اور ان پر خوب تیر برسائے۔ پھر تمام اونٹنیاں ان سے چھڑا لیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے تیس یمنی چادریں بھی ان لوگوں سے چھین لیں۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تقریباً پانچ سو سے سات سو آدمی لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور تیزی سے سفر کر کے وہاں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کوچ کرنے سے پہلے چند سوار بھی بلاد غطفان کی طرف بھیج دیئے تھے۔ ان سواروں نے وہاں پہنچ کر ان لوگوں کا مقابلہ کیا جس میں مشرکین کے دو آدمی مارے گئے۔ ان میں سے ایک کا نام مسعدۃ بن حکمہ تھا جسے ابوقتادہؓ نے قتل کیا اور دوسرا ابان بن عمر تھا جس کو عکاشہ بن

محصن رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ مسلمانوں میں سے محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ ان کو عبدالرحمٰن بن عیینیہ نے شہید کیا۔ اس کے فوراً بعد ہی عیینیہ بن عبدالرحمٰن کو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ اس طرح مشرکین یہاں سے شکست کھا کر بھاگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند دن وہیں مقیم رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں صلوٰۃ الخوف بھی پڑھی اور اس کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے۔"

اتنا کہہ کر ہاشم بھائی سانس لینے کے لئے رکے تو میں نے اچانک ہی ان سے اپنا وہی پرانا سوال پوچھا جسے سن کر وہ ہمیشہ مسکرا دیتے تھے۔

"ہاشم بھائی آپ کو اسلام کی یہ روشن تاریخ کیسے یاد رہتی ہے پھر اتنی تفصیل سے۔ آج تو بتا ہی دیجئے۔"

"یار فرحان میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ اپنی تاریخ سے دلچسپی، محبت اور پھر سب سے بڑھ کر مطالعہ، وہ بھی مسلسل۔ یہ نہیں کہ ایک دن بڑے خوش و خروش سے کتاب کھولی پھر جو بند کی تو دوبارہ کبھی کھولنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ میرے بھائی اپنی تاریخ کو شوق اور لگن سے پڑھو۔ بار بار پڑھو، پھر دیکھو کہ واقعات کیسے ازبر ہوتے ہیں۔"

ہاشم بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا، پھر سب کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو بھائیو اور ساتھیو! آگے چلتے ہیں مگر چلنے سے پہلے میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ جس وقت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ذی قرد کے چشمے پر ان سواروں پر تیر برسا کر انہیں زیر کر لیا اور ان سے اونٹنیاں چھڑا لیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں، اگر سو آدمی مجھے مل جائیں تو سب کو گرفتار کر لاؤں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔

"اے ابن اکوع جب تو قابو پائے تو نرمی کر۔"

بھائیو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر غور کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے ساتھ نرمی کی کیسی تلقین کی، یہاں ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ جو ہم مسلمانوں کو دہشت گرد کہتے گردانتے نہیں تھکتے۔

اس غزوہ یعنی کہ غزوہ ذی قرد کے بعد اسی مہینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے شج بن وہب رضی اللہ عنہ کو ان کی تلاش میں روانہ کیا۔ عکاشہ بن محصن ان میں کا ایک آدمی مل گیا جس کو وہ پکڑ لائے۔ اس شخص سے پوچھ گچھ کی گئی تو مویشیوں کی ایک بڑی تعداد کی ملی۔ جس وقت اسلامی لشکر نے اسی جگہ چھاپا مارا جہاں مویشی موجود تھے تو انہیں غنیمت میں دو سو اونٹ ملے۔

اس سریہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ر الآخر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دس آدمیوں کے ساتھ ذ القصہ کی طرف بنی ثعلبہ اور بنی عوال سے مقابلہ کر کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ لوگ ذی القصہ رات کو پہنچے وہاں پہنچ کر سو گئے۔ جس وقت یہ سب گہری نیند میں تو سو آدمیوں نے وہاں آ کر ان پر شب خون مارا اور سب کو شہید کر دیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس حملے میں شدید زخ ہو گئے۔ وہ لوگ ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ کچھ دیر بعد انتقال ہو گیا۔ اتنے میں وہاں سے ایک مسلمان گزرا اس نے ان کی لاش کو اٹھا کر مدینہ پہنچایا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ اطلا پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہیدوں کا انتقا لینے کے لئے فوراً ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو چالیس آدمیوں کے ہمراہ ذ القصہ کی طرف بھیجا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہاں پہنچ کر ان لوگوں پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے مویشی پکڑ لائے اور مدینہ واپس پہنچے۔ اس سریہ کو سریہ ذی القصہ ثانی کہتے ہیں۔

اسی مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جموم کی جانب بھیجا تا کہ بنی سلیم سے مقابلہ کیا جا سکے۔ جموم مدینہ منورہ سے کوئی دس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہیں اس قبیلے کی ایک عورت

مل گئی جس نے ان کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاعات دیں۔ اس عورت کی نشاندہی پر جب یہ مذکورہ جگہ پہنچے تو چند آدمیوں کو پکڑ کر قیدی بنا لیا۔ یہاں سے چند اونٹ اور بکریاں بھی ملیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ان سب کو لے کر دو دن کے بعد مدینہ واپس ہوئے۔

جمادی الاول کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک کاروان تجارت شام سے واپس آ رہا ہے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ مقام عیص کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ مقام مدینہ سے کافی دور اس دور کے حساب سے چار دن کے سفر پر اور ساحل کے قریب ہے۔ اس جگہ کا محل وقوع ایسا تھا کہ یہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ مسلمانوں نے یہاں پہنچ کر سب قافلے والوں کو گرفتار کیا اور ان کو ان کے مال و اسباب سمیت مدینہ حاضر کر دیا۔ قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بن ربیع بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پناہ دی اور ان کا مال و اسباب واپس کر دیا۔

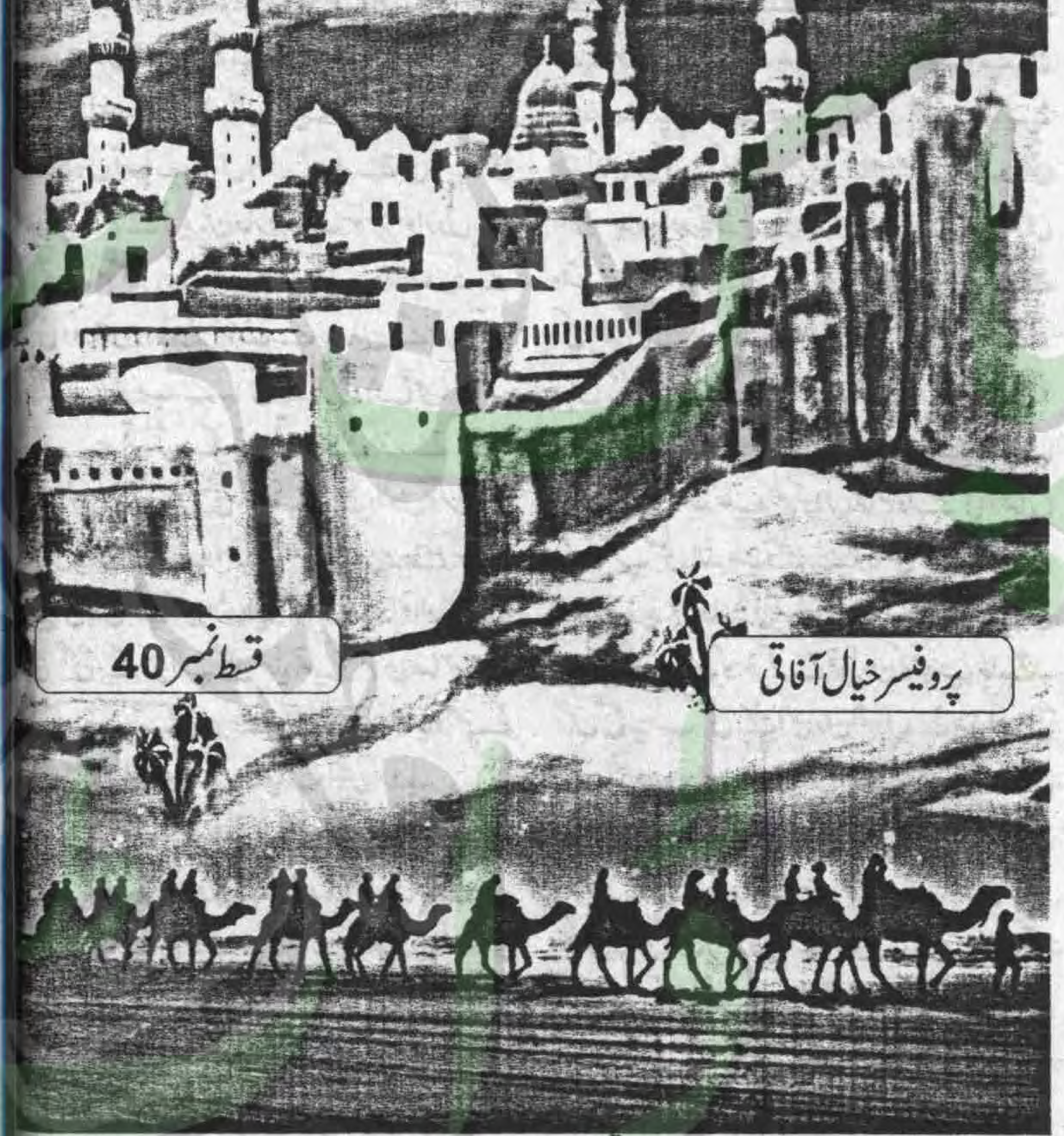
سریہ عیص کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پندرہ آدمیوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے چشمہ کلرف کی طرف روانہ کیا۔ بنی ثعلبہ کے افراد اس آمد کا سن کر بھاگ کھڑے ہوئے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کچھ اونٹ اور بکریاں لے کر مدینہ واپس ہو گئے۔

بھائیو! اب میں آپ کو سریہ حسمیٰ کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ اس سریہ کی تاریخ کے بارے میں ابن سعد اور ابن سید الناس کہتے ہیں کہ یہ جمادی الآخر ۶ھ میں پیش آیا اور حافظ ابن قیم کی رائے ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے۔ سب سے پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دوں کہ حسمیٰ وادی القریٰ کے قریب ہے جہاں قبیلۂ جزام آباد تھا۔ وادی القریٰ کے بارے میں یہ بھی جان لیجئے کہ یہ ایک گاؤں کی طرح ہے جو مدینہ منورہ سے قریب شام کے راستے میں پڑتا ہے۔

اس سریہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ جس وقت حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک قیصر روم کو پہنچا کر واپس آ رہے تھے تو ان کے ساتھ قیصر روم کے دیئے ہوئے تحائف اور ہدایہ بھی تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ حسمیٰ کے قریب پہنچے تو قبیلۂ جذام کے ہنید جزامی نے اپنے چند آدمیوں کو لے کر آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور صرف ایک پرانی اور بوسیدہ چادر چھوڑ کر باقی تمام سامان چھین لیا۔ جس وقت قبیلہ جزام ہی کے رفاعہ بن زید جذامی رضی اللہ عنہ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو وہ چند مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے کر وہاں پہنچے اور ہنید سے سارا اسباب چھین کر حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔ جب حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام واقعے کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حسمیٰ کی طرف بھیج دیا۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے۔ جس صبح یہ سب حسمیٰ پہنچے اسی دن انہوں نے ہنید اور اس کے ساتھیوں پر چھاپہ مارا۔ اس چھاپے میں ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ سو عورتیں اور بچے گرفتار کئے گئے اور ایک ہزار اونٹ اور بکریاں ہاتھ لگیں۔ ان گرفتار شدگان میں رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھی مسلمانوں کی عورتیں اور بچے بھی تھے، یہ غلطی سے اس لئے گرفتار کر لئے گئے کہ وہ ہنید جزامی کے افراد کے ساتھ ہی قرب و جوار میں رہتے تھے۔ رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورتحال عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ کیا کہ زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ تمام قیدی چھوڑ دیئے جائیں اور سب مال واپس کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ ان کا نمدہ اور کجاوہ بھی انہیں لوٹا دیا جائے۔

..........(جاری ہے)..........

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم



قسط نمبر 40

پروفیسر خیال آفاقی

حیان کے ذہن پر رات کو سونے سے قبل بھی اور صبح اپنے تعلیمی مشاغل سے فارغ ہونے کے بعد بھی، فتح مکہ کی مہم سے متعلق واقعات چھائے رہے، اسامہ کی تدریس کے بعد، بیت ام ساعقہ میں بھی کافی دیر تک لیٹا ہوا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ سے مکہ روانگی کے مناظر کو اپنے تصور میں تازہ کرتا رہا۔ پھر وہاں سے وہ دوبارہ مسجد نبوی آیا اور روضۂ مبارک پر حاضر ہو کر مراقبہ کی سی حالت میں بیٹھ گیا اور درود وسلام کے پھول کھلانے لگا حتیٰ کہ رسم بلالی ادا ہوئی، زہیر نے نماز ظہر میں اسے دیکھ کر خوشگوار حیرت کا اظہار کیا، کیونکہ عام طور پر حیان، ظہر کی نماز، زید کے ساتھ، دار المرکب کے آس پاس کسی نہ کسی یادگار مسجد میں ادا کرتا ہے۔ جماعت کے بعد، زہیر ظہرانے کی غرض سے اسے اپنے گھر لے گیا۔ پھر واپس آ کر عصر تک اس کے ساتھ ہی رہا اور ایک بار پھر عمرہ کی ادائیگی کے دوران پیش آنے والے روحانی تجربات دہراتا رہا۔ عصر میں حیان نے آج نابینا قاری حافظ معمر اسدی کی مجلس میں شرکت کی، جو مغرب تک جاری رہی۔ مغرب میں زید بھی آن ملا، اس نے دریافت کیا، آج سارا دن کہاں گزارا؟ حیان نے دن بھر کی روداد اس کے سامنے دہرا دی۔

"ماشاء اللہ آج ہمارے پیارے بھائی نے خوب مزے لوٹے، لیکن مجھے اپنی محبت سے محروم رکھا۔"

"جناب، مجھے بھی آپ نے کافی روز ہو گئے، اپنی شاعری سے محروم کر رکھا ہے۔" حیان نے جواباً شکایت کی۔ پھر وہ دونوں بھائی استاد عبدالرحمٰن کی معیت میں گھر کی طرف چل دیئے۔

"ارے بیٹا حیان! آج کل کہاں مصروف ہو!" ام زید نے کھانے کے وقت اسے دیکھ کر کہا: "تم سے تو بات ہوئے بھی کئی دن گزر گئے ہیں، تم اچھے تو ہونا؟"

"جی الحمدللہ امی حضور، مجھے معلوم ہوا تھا، آپ بھی ان دنوں خاص مصروف ہیں، سنا ہے کچھ مہمان خواتین آئی ہوئی ہیں!"

"ہاں بیٹا، آپ کے استاد صاحب کے ایک مرحوم دوست کی اہلیہ اور ان کی صاحبزادیاں، سال چھ مہینے میں مدینہ آتی ہیں کچھ ضروریات کا سامان لینے، ان کا گاؤں یہاں سے خاصا دور ہے، دیہاتی لوگ ہیں، بہت ہی سادہ، میں ہی خریداری میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ کل صبح چلی جائیں گی، ایک بچی ان کی بہت اچھی ہے، میں نے سوچا تمہارے لئے......"

"امی حضور، وہ شاید استاد محترم، کچھ فرمانا چاہتے ہیں۔" حیان یکا یک ایک طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اور ام زید اپنی بات مکمل نہ کر سکیں۔

رات جب مجلس سیرت منعقد ہوئی تو استاد صاحب نے حیان کو مخاطب کر کے کہا۔

"بیٹا! تمہاری استانی صاحبہ تمہیں بہت چاہتی ہیں، اسی چاہت سے مغلوب ہو کر تم سے کہہ بیٹھیں، حالانکہ پہلے تمہارا عندیہ معلوم کر لینا چاہئے تھا، اور پھر اس اللہ کی بندی کو یہ خبر نہیں ہے کہ مرحوم عبداللہ کی ان دونوں صاحبزادیوں کی بات، میں نے کسی اور جگہ کر رکھی ہے...... خیر، یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی، پہلے ہم اصل موضوع پر آتے ہیں۔" وہ سنبھلتے ہوئے بولے اور حیان جو کسی قدر محجوب سا نظر آ رہا ہے، کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

"اچھا یہ بتاؤ، ہم گزشتہ مجلس میں، کس واقعہ تک پہنچے تھے؟"

"استاد محترم! آپ نے حضرت حاطب کے واقعہ پر اختتام کیا تھا!" حیان نے یاد دلایا اور استاد صاحب سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

"ہاں اب وہ وقت قریب آ گیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو قصد فرمایا ہے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ دور نزدیک کے مسلم قبائل اور حلیفوں تک آپ کے پیغام پہنچ چکے ہیں، لشکر میں شریک ہونے کے لئے ہتھیار بند جتھے آنا شروع ہو گئے ہیں، مدینہ میں صرف سرداران قبائل کو مدعو کیا گیا، اور انہیں چند ہدایات دے کر ان کے ٹھکانوں کی طرف لوٹا دیا گیا ہے، روانگی سے قبل رسول اللہ نے مدینہ میں انتظامی امور کے لئے اپنا نائب حضرت ابورہم کلثومؓ بن حصین غفاری کو مقرر فرمایا، اور مسجد نبوی میں پنجگانہ نماز کی امامت کے لئے نابینا صحابی حضرت ام مکتومؓ کو نامزد کیا ہے۔

رمضان المبارک کی دس تاریخ ہے اور چہار شنبہ کا دن ہے کہ آپؐ نے نماز عصر ادا فرمائی اور مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ازواج مطہرات میں سے آپ کی ہم سفر، ام سلمیٰؓ اور ام المومنین حضرت میمونہؓ ہیں۔ مدینہ سے روانگی کے وقت رسول اللہ کے لشکر کی کل تعداد کتنی ہے، اس کے لئے میں نے یہ ایک جدول کتاب سے نقل کیا ہے۔" استاد

عبدالرحمٰن نے قریب رکھا ہوا ایک کاغذ کتاب کے نیچے سے نکالا اور چراغ کے قریب کر کے پڑھنے لگے۔ ''اس کا تخمینہ کچھ یوں ہے کہ مہاجرین کی تعداد سات سو ہے، ان میں تین سو سوار ہیں، انصار کی تعداد چار ہزار ہے، ان میں سوار پانچ سو ہیں، بنو مزنیہ کے لوگ ایک ہزار ہیں جو اطراف حجاز سے آئے ہیں۔ ان میں سو زرہ پوش ہیں۔ اور بنو جہنیہ کے چودہ سو سپاہی بھی حجاز سے چل کر مدینہ آئے ہیں، ان میں پچاس سوار بھی شامل ہیں۔ لیکن پھر جیسے جیسے آپ کا کاروان آگے بڑھتا ہے، راستوں میں مختلف قبائل افراد طے شدہ نظام العمل کے مطابق شامل ہونے لگے ہیں اور لشکر کا حجم بڑھتا جا رہا ہے، کس قبیلہ کے کتنے لوگ آپؐ کے ساتھ شامل ہوئے ہیں ان کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔'' استاد صاحب کاغذ پر چہرہ خم کئے بتانے لگے۔ ''خطۂ حجاز سے متعلق بنو اسلم کے لوگوں کی تعداد چار سو ہے، ان میں تیس سوار ہیں جو راستے میں شامل ہوئے ہیں۔ بنو اشجع جو علاقہ نجد سے تعلق رکھتے ہیں، تین سو ہیں ان میں کچھ سوار بھی ہیں، یہ بھی راستے میں آ کر ملے ہیں۔ علاقہ نجد سے ہی تعلق رکھنے والے بنو تمیم سے دس افراد ہیں، ان میں ایک دو سوار بھی نظر آتے ہیں۔ حجاز سے بنو عمرو بن کعب یعنی قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کی تعداد پانچ سو ہے، ان میں کئی سوار بھی ہیں، یہ بھی راستے میں آ کر لشکر اسلامی کا حصہ بنے ہیں، حجاز ہی سے بنو ضمرہ اور بنو سعد سے دو سو افراد جن میں کچھ سوار بھی شامل ہیں، قدید کے مقام پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ بنو غفار کا تعلق بھی حجاز سے ہے، یہ چار سو کی تعداد میں آئے ہیں، سواروں کی تعداد کا علم نہیں ہو پا رہا کہ کتنے ہیں، یہ بھی راستے میں آ کر لشکر میں شامل ہو گئے ہیں، بنو سلیم جو حجاز کے ساکنین ہیں، سات سو کی تعداد میں آئے ہیں سوار بھی ان میں خاصے نظر آ رہے ہیں، قدید کے مقام پر ہی یہ بھی لشکر میں شامل ہوئے ہیں، حجاز سے ہی آنے والے بنو لیث کے نو سو عسکری جوان بھی راستے میں، حضور نبی کریمؐ سے اپنی وفاداری ثابت کرنے حاضر ہوئے ہیں، ان کی خاص بات ان کے سوار ہیں جو سات سو کی تعداد میں ہیں، ان کے علاوہ اطراف حجاز سے آنے والے دیگر قبائل کے ایک سو چالیس افراد بھی شامل ہوئے ہیں، ان میں کچھ سوار دکھائی دیتے ہیں۔ یوں، سالار اعظم کے پرچم تلے تشکیل پانے والے اس لشکر کی تعداد دس ہزار سے بھی اوپر ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے قبائل بھی لشکر اسلام میں شامل ہوئے ہیں جو ابھی اسلام نہیں لائے ہیں۔ ان میں ایک نام بہت قابل ذکر ہے، وہ ہے جنگجو قبیلہ بنو غطفان کا سردار عیینہ بن حصن فزاری، بنو اشجع جو اسلام لا چکا ہے، اسی غطفان کی ایک شاخ ہے۔''

''استاد محترم، اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو یہ وہی عیینہ ہے جو قریش کے ساتھ مدینہ پر یلغار کرنے آیا تھا اور خیبر کے موقع پر بھی یہودیوں کا اشارہ پا کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہونا چاہتا تھا، لیکن نبی کریمؐ کی حکمت عملی کے سبب یہ خیبر کی طرف بڑھنے سے باز رہا۔''

''تم نے بالکل درست کہا، یہ وہی عیینہ بن حصن فزاری ہے۔''

''لیکن استاد محترم! کیا سبب ہوا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ صف آرائی پر مجبور ہو گیا؟''

''دراصل بیٹا یہ قبائلی مزاج بہت عجیب ہے، یہ ہر چیز میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' استاد سمجھانے لگے۔ ''عیینہ کو پتا چلا کہ اشجع کے لوگ جو اسلام لا چکے ہیں، رسول اللہ کے لشکر میں شمولیت کے لئے روانہ ہو رہے ہیں تو وہ اس کی ریس میں وادیٔ عرج کے مقام پر مسلمانوں سے جا ملا اور حضورؐ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ اسی طرح بنو تمیم کے سردار قرع بن جابس نے بھی اسقیاع کے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی اور آپؐ کی اجازت سے لشکر میں شامل ہو گیا، اس طرح لشکر کی تعداد دس بارہ

ہزار سے بھی تجاوز کر گئی۔ اور فلک حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہا ہے کہ کل تین سو تیرہ مجاہد، بدر کے میدان میں اپنی نہیں، اللہ کے دین کی خاطر اسلام کی بقا کے لئے اپنے سے کئی گنا دشمن سے برسر پیکار تھے اور پھر اس کے بعد بھی کئی بار ان مٹھی بھر اہل ایمان کو ہزاروں کی فوج نے مٹانے کی کوشش کی تھی، لیکن آج پیغمبر اسلام مجاہدین کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر لئے اس شہر کی طرف بڑھ رہا ہے، جہاں سے ایک رات اسے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں نکلنا پڑا تھا۔ لیکن دیکھنے اور محسوس کرنے کی بات یہ ہے کہ اس وقت بھی جب وہ تن تنہا سوار بے یار و مددگار تھا، اسے سوائے اللہ کسی اور کا ڈر نہیں تھا، اور آج جب اس کی حمایت میں ہزاروں تلواریں بے نیام ہیں، تو اس وقت بھی اسے ان چیزوں پر نہیں اللہ کی طاقت اور حمایت پر بھروسا اور اسی کی نصرت پر یقین ہے۔''

''بے شک، استاد محترم! کہیں اور کسی بھی موقع پر ہمارے رسول محترمؐ اللہ کے سوا نہ کسی سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی اس کے سوا کسی اور پر توکل اور بھروسا کیا۔''

''بے شک، عظیم فوج کے سالار اعظم کے انداز نشست و برخاست اور گفتار رفتار میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا ہے، وہی عجز و انکسار کا پیکر بنے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ اور ایک بات یہ بھی دیکھنی ہے کہ اتنا پُرہجوم لشکر ہے مگر بدنظمی کا شائبہ تک نہیں، یہی قبائل جو پہلے کہیں یلغار کرتے تو راستوں اور پہاڑوں کو شور و غل سے بھرتے ہوئے جاتے تھے اور آج صرف اور صرف ایک ہستی کے سبب وہی جہلا، نظم و ضبط کی تصویر بنے ہوئے ہیں ادھر ادھر کی بات تو در کنار ہونٹوں پر اللہ کے ذکر کے سوا کچھ نہیں، جہاد کی تڑپ اور جنت کی طلب دل میں موجزن ہے۔'' استاد ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد بولے۔ ''وہی احتیاط جو شروع سے آپ نے روا رکھی ہے، اب بھی اسے برتا جا رہا ہے۔ یعنی آپ نہیں چاہتے کہ قریش کو لشکر کے آنے کی خبر ہو، تاوقتیکہ آپ ان کے سروں پر نہیں پہنچ پاتے، ابھی آپؐ نے مدینہ سے مکہ کا نصف راستہ طے فرمایا ہے کہ ابواء کے مقام پر، یہاں تمہیں یاد ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ، بی بی آمنہ کا وصال ہوا تھا۔'' آپؐ کے دو قریبی رشتہ دار جو اسلام لانے کی غرض سے مدینہ جا رہے ہیں کہ، آپ کو راستے میں ہی دیکھ کر رک گئے، یہ سمجھے بغیر کہ یہ اتنا عظیم الشان لشکر کہاں اور کس مقصد کے لئے جا رہا ہے وہ، باریابی کی اجازت چاہتے ہیں، ان دو افراد میں ایک آپؐ کا تایا زاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمالک ہے جو دایا حلیمہ کی نسبت سے آپ کا ہم شیر برادر بھی ہے، اور دوسرا آپؐ کی پھوپی صاحبہ حضرت عاتکہ کا بیٹا عبداللہ امیہ بن ابی ہے، جو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا سوتیلا بھائی بھی ہے، انہوں نے اذن باریابی طلب کی تو آپؐ نے انکار فرما دیا، رحمت عالم کے چہرۂ مبارک پر سخت ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔''

''حیان کی آنکھوں میں سوال چمکنے لگے، لیکن خاموش رہا، کیونکہ استاد صاحب بیان جاری رکھے ہوئے ہیں۔'' یہ ابوسفیان آپؐ کی بعثت سے قبل آپؐ کو بے حد چاہتا تھا، بلکہ جاں نثار اور فداکار تھا، لیکن اعلان نبوت کے ساتھ ہی سخت اور جانی دشمن ہو گیا، بہت مشاق شاعر ہے، سبب اپنے اس عظیم القدر اور بلند مرتبہ بھائی کی شان میں بیس سال تک اس قدر ہجویہ اشعار کہتا آیا ہے اس کے ان تیر و نشتر سے آپ کا سینہ مبارک فگار ہے۔''

''اوہ!'' حیان کو لگا جیسے کوئی نیزہ ہے جو کسی نے اس کے دل میں اتار دیا ہے۔

''بڑی تکلیف ہوئی تھی آپ کو اس عمل سے، اور یہ دوسرا شخص، یہ بھی غیر نہیں، پھوپی زاد ہے، اس نے بھی آپؐ کی دشمنی اور مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، تو یہ دونوں آپ کی روح مبارک کو تکلیف پہنچانے اور آپؐ کے قلب مبارک کو زخمی کرنے والے افراد اس وقت، مجرموں کی طرح سر جھکائے، خدمت اقدس میں باریابی

کی بھیک مانگ رہے ہیں، لیکن بیس سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے، آپ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں فرما رہے، آپؐ کی شریک حیات و شریک سفر، ام المومنین ام سلمہؓ سفارشی لہجے میں عرض کرتی ہیں۔ ''یارسول اللہ! اگر آپؐ نے ان کو معاف نہ فرمایا اور صرف نظر نہ کیا تو یہ اور زیادہ شقی القلب ہوجائیں گے اور لوگوں کے لئے نقصان کا سبب بن سکتے ہیں۔ میرے آقا آپؐ نے تو ہمیشہ عام دشمنوں پر بھی رحم فرمایا ہے، تو پھر رشتہ دار اس کرم فرمائی سے کیوں محروم رہیں؟'' اسی وقت ابوسفیان بھی دل برداشتہ اور شکستہ دل ہوکر عرض کرنے لگا۔ ''واللہ اگر میرا قصور معاف نہ ہوا تو میں اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ صحرا میں نکل جاؤں گا اور بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا۔'' لیکن جرم بہت قبیح ہے، بہت ظالمانہ برتاؤ کیا گیا ہے، اس انسان کے ساتھ جو اپنوں کا ہی نہیں غیروں کا بھی خیر خواہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سراپا رحمت کے دل مبارک میں ان کی طرف سے عفو ودرگزر کا غنچہ کھلنے سے مانع ہے۔ حضرت علیؓ سے رجوع کرتے ہیں، آپ ان مجرموں کو مشورہ دیتے ہیں، کہتے ہیں۔ ''حاضر خدمت ہوکر برادران یوسف کی طرح وہی کچھ کہو جو انہوں نے کہا تھا، اس طرح شاید رحمت مجسم کے دل مبارک میں تمہارے لئے الفت پیدا ہوجائے۔'' چنانچہ روتے بلکتے حاضر خدمت ہوئے اور جو علی المرتضیٰؓ نے انہیں جو الفاظ سکھائے ہیں، عرض کرنے لگے۔

''واللہ، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اور بلاشبہ ہم قصور وار ہیں۔''

پیکر رحمت نے یہ الفاظ گوش کئے تو عفو ودرگزر کی صفت خاص نے آپ کو ان کی طرف متوجہ کردیا، لب ہائے مبارک میں جنبش ہوئی اور یوسفؑ کے الفاظ پھول بن کر کھل اٹھے۔ ''لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم، وھو الرحم الرحمین۔'' فرمایا، آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہارا قصور معاف فرمائے، کہ وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربانی کرنے والا ہے۔''

''اللہ اکبر!'' حیان کا سارا جسم لرز گیا۔

''آؤ ہم پھر اس مبارک کاروان کے ساتھ چلتے ہیں کہ میر کارواں، اپنے اس لشکر کی سمت کیا متعین کررہا ہے۔'' استاد صاحب دوبارہ اپنے بیان کے ذریعہ دور نبوی میں حیان کو لے کر جانا چاہتے ہیں۔ ''جیسا کہ تم جان چکے ہو، نبی کریمؐ اپنی آمد کو ابھی تک خفیہ رکھے ہوئے ہیں، اور اسی وجہ سے آپ نے عام اور معمول کے راستے کو نظر انداز کرکے وہ راستہ اختیار کیا ہے جو عام طور پر استعمال میں نہیں رہتا، اس کی وجہ ہے کہ یہ ایک پُر پیچ راستہ ہے، اس لئے لوگ اس طرف کا رخ نہیں کرتے بلکہ بہت سوں کو اس کا علم ہی نہیں ہے، بہرحال آپ یہاں کدید کے چشمے پر کچھ دیر توقف فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ''علم اور رایت وغیرہ درست کرلئے جائیں۔''

کیونکہ اگلی منزل یعنی امر الظہران وہ جگہ ہے جہاں آپ اپنا عسکری مستقر قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

کیونکہ آپ کا مقصد خون خرابے سے بچنا ہے، اسی غرض سے آپ نے عام خشک راہ گزر کے بجائے ساحلی راستہ اختیار کیا ہے۔ راستہ کو سہل اور استوار بنانے کی خاطر، آپ صلصل کے مقام سے حضرت زبیرؓ ابن عوام کو چند سواروں کے ساتھ آگے روانہ فرماتے ہیں، چنانچہ انہوں نے تیز رفتاری سے جاکر ساحلی راستے پر واقعہ پانی کا ذخیرہ اپنے قبضہ میں لے لیا جو اس وقت لشکر کی اہم ضرورت ہے۔

رمضان کا مہینہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرادیا کہ ''اہل لشکر کو رخصت ہے جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جس کا دل چاہے موقوف کردے۔'' جبکہ آپؐ اور صحابہ کرامؓ مسلسل روزہ رکھ رہے ہیں۔ لیکن جب آپ نے قدید اور عسفان کے درمیانی مقام پر چشمۂ کدید کے قریب قدم رنجہ فرمایا تو عصر کا وقت ہوچلا ہے، آپؐ سواری ہی پر تشریف رکھے ہوئے لوگوں سے

فرماتے ہیں ''پانی سے روزہ افطار کرلیا جائے۔'' کچھ لوگوں نے ایسا نہیں کیا اور روزہ برقرار رکھا، آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا: یہ نافرمان لوگ ہیں!'' چنانچہ اس کے بعد آپؐ نے اس تمام سفر کے دوران، رمضان کے آخر تک کوئی روزہ نہیں رکھا، بلکہ اس کے بعد کبھی ماہ رمضان میں سفر ہی نہیں فرمایا۔'' استاد صاحب نے یکایک خاموش ہوکر حیان کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کرکے بولے۔ ''حیان بیٹا! میں جو تمہارے سامنے بیان کررہا ہوں، تمہاری سمجھ میں آرہا ہے نا، ایسا تو نہیں، میں موضوع سے ہٹ رہا ہوں؟''

''جی نہیں استاد گرامی میں بہت اچھی طرح فہم کررہا ہوں جو کچھ آپ فرمارہے ہیں!''

''لشکر رواں دواں ہے کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر مکہ کی طرف سے اونٹوں پر سوار ایک مختصر سا قافلہ آتا نظر ہے، جو کچھ ہی دیر بعد لشکر اسلام میں آکر مل ہوجاتا ہے، یہ آپ کے چچا حضرت عباس اور ان کے اہل وعیال ہیں، انہیں توقع نہیں تھی کہ یوں اتنی جلدی انہیں حضور نبی کریمؐ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوجائے گا۔ خود آپ نے بھی انہیں دیکھ کر اظہار مسرت فرمایا۔ ارشاد ہوا۔ ''میں آخر الانبیا ہوں اور آپ آخر المہاجرین ہیں۔''

''اس سے کیا مراد ہے استاد گرامی؟''

''بیٹا عہد رسالت میں حضرت عباس اور ان کے اہل وعیال کے بعد، ہجرت کا سلسلہ بند ہوگیا۔'' استاد صاحب نے بتایا۔

''استاد محترم آپؐ کے ان چچا نے آخر اس سے قبل ہجرت کیوں نہیں کی؟''

''بیٹا، تمہارا سوال جائز ہے، لیکن اس وقت ہم فتح مکہ کے واقعات کا تسلسل نہیں توڑنا چاہتے، تاہم تمہاری تشنگی دور کرنے کی خاطر بتاتا ہوں کہ حضرت عباس شروع میں ہی آپ پر ایمان لے آئے تھے، لیکن مصلحتاً اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ نبی کریم جب مکہ میں مقیم تھے اسی وقت آپؐ نے فرمادیا تھا کہ ''عم محترم آپ یہیں مقیم رہئے، اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کا سلسلہ ختم کردے گا جیسا کہ نبوت کو مجھ پر ختم کردیا گیا ہے۔'' بہرحال نبی کریم کی پیشین گوئی اس وقت اپنی صداقت کا رخ روشن دکھا رہی ہے، حضرت عباس آخری مہاجر بن کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے ہیں، پھر اپنے اہل وعیال کو مدینہ روانہ کردیتے ہیں اور خود لشکر اسلام میں شامل ہوجاتے ہیں۔'' استاد صاحب خاموش ہوکر سوچنے لگے اور حسب عادت آنکھیں بند کئے بولے۔

''نبی علیہ السلام کو مدینہ سے روانہ ہوئے آج ساتواں روز ہے اور انیسواں روزہ ہے اور جیسا کہ ہم نے گزشتہ مجلس میں کاروان اسلام کو مقام کدید پر چھوڑا تھا اب وہ وہاں سے چل کر مرالظہران پہنچ گیا ہے۔ یہ مکہ میں داخل ہونے کی آخری منزل ہے، چند فرسنگ کے فاصلے پر ہی مسافران حرم مکہ میں داخل ہوسکتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر سالار اعظم لشکر کو حکم دیتے ہیں کہ ''وادی کباث سے مکہ کی طرف جانے والے عام راستے میں پھیل کر خیمہ زن ہوجاؤ! ہر مجاہد کو چاہئے، اپنا الاؤ الگ روشن کرے۔'' اس سے آپؐ کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح دور سے دیکھنے والوں کو لشکر اپنی اصل تعداد سے کئی گنا زیادہ نظر آئے گا، اللہ اللہ کیا منظر ہے، حکم ملتے ہی اندھیرے میں ڈوبا ہوا وسیع صحرا جشن چراغاں کا منظر پیش کرنے لگا ہے، دور تک جلتے ہوئے الاؤ کے شعلوں نے عجیب سماں باندھ دیا ہے، رات کے سائے میں مشعلوں سے روشنی پگھل پگھل کر ادھر ادھر بکھر رہی ہے، کبھی کبھی لگتا ہے جیسے شعلے سر اٹھا اٹھا کر اپنے سامنے اس منزل کو دیکھ رہے ہیں جو اہل ایمان کی قرارگاہ ہے۔ وہاں پہنچنے کے لئے غریب الوطن اہل دل کی دھڑکنیں بے چین ومضطرب ہیں۔ امن کے داعی مجاہد اعظمؐ کی دلی آرزو ہے کہ آپؐ کو جس شہر امن سے بے یار ومددگار، دہشت کے عالم میں، ہجرت پر مجبور کیا گیا تھا، اسی شہر

میں جب وہ فاتحانہ داخل ہوں تو مکہ کے درو دیوار پر خوف کے سائے نہ ہوں، دیارحرم میں امن وسلامتی کی فضا اعلان کررہی ہو کہ ”اے اہل مکہ وہ جو کل تمہیں پیار اورمحبت کا پیام دے رہا تھا، امن وسلامتی کے ساتھ جینے کا سبق سکھا رہا تھا، تمہیں اس راستے کی طرف دعوت دے رہا تھا، جو حیات ابدی کی طرف جاتا ہے اور تم اس کی دعوت حق کے جواب میں باطل کو ترجیح دے رہے تھے، محبت کے بدلے، نفرت اور پھولوں کے جواب میں کانٹے اس کی راہ میں بکھیر رہے تھے، دیکھو آج وہ سراپا رحمت، ہزاروں کی فوج لے کر آیا ہے، لیکن کیا ارادہ رکھتا ہے؟ وہ امن والے شہر میں امن کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ اس نے تلواریں میان میں رکھی ہیں اور دل کے دروازے کھول دیئے ہیں۔“ استاد عبدالرحمٰن پُرجوش انداز میں کہتے چلے گئے۔ پھر کسی قدر دھیمی آواز میں بولے۔ ”اس وادی تاریک میں الاؤ کے ہزاروں چراغوں کے درمیان جو سب سے زیادہ تابندہ رخشندہ سراج منیر ہے وہ رخ مصطفےٰ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنی خواہش و ارادے کے عین مطابق، الحمدللہ اچانک اور بے خبری کے عالم میں اہل مکہ کے سروں پر پہنچ چکے ہیں، بہت شاداں و فرحاں نظر آرہے ہیں۔ آپ کو مسرور دیکھ کر کئی لوگ عرض کرتے ہیں۔ ”یا رسول اللہ اس کامیابی کے بعد کل یقیناً فاتح لشکر کے ہاتھ آنے والے مال غنیمت کے انبار اس خوشی میں اضافہ کا سبب بنیں گے!“ ارشاد ہوتا ہے۔ ”ہاں، لیکن وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ وہ مال غنیمت اور ہے۔“ فرمایا۔ ”میری نظر میں سب سے بڑی شادمانی اور باعث مسرت یہ بات ہے کہ وہ زمین جو اب تک ناپاک عزائم کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، کفر وضلالت کی ناپاکی سے نکل کر پاکیزہ ترین ہونے والی ہے، اور یہی اصل مقصد رسالت ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم کی جائے، خالق اکبر کا حق معبودیت بحال کیا جائے، انسان کو گمراہی سے نکال کر اس صراطِ مستقیم پر ڈالا جائے جو اسے اس کے منصب کی طرف لے جاتا ہے، بندے نے اپنے رب سے جو رشتہ توڑ دیا ہے اس کو پھر سے استوار کیا جائے۔ نیز، وحدت الٰہ کے ساتھ ساتھ وحدت آدم کی حیثیت کے چہرے پر سے رنگ و نسل اور اونچ نیچ کی گرد صاف کر کے عالمگیر انسانی مساوات کو عام کیا جائے، اللہ کے کلام اور تعلیمات رسول کی روشنی میں ان اصولوں کو فروغ دیا جائے جس سے کشت انسانیت پھلتی پھولتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مکہ کے دروازے پر پھیلی ہوئی ہزاروں کی یہ سپاہ اسی حقیقت کی گواہی دے رہی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے گھر میں جنگ کرنے نہیں، اس بیت المکرّمہ کو کفر والحاد کی گندگی سے پاک کرنے آئے ہیں۔ آپ اہل مکہ سے، اپنے اور اپنے اصحاب پر ہونے والے ظلم وستم کا حساب چکانے نہیں، ان پر رحم کھانے اور جہالت کی اس تاریکی سے نکال کر، جس نے ان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم کردیا ہے، ایک روشن اور تابندہ ابدی زندگی کا مژدہ سنانے کی خواہش لئے حرم کی فضا میں قدم رکھنے کا ارادہ لئے ہوئے ہیں۔ آپؐ ان لوگوں کو جو آپ کو بعثت کے پہلے روز سے ہی خیرخواہ کی بجائے اپنا حریف سمجھتے آئے ہیں، ان کی غلط فہمی دور کرنے، ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے اور انہیں اپنانے آئے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی نسبت سے اب بھی ان پر اتنا مہربان ہے کہ اپنے نبی کو ایک بار پھر انہی کی طرف بھیج دیا ہے جو مکہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے، کیسا اچھا موقع ہے اہل مکہ کے لئے کہ وہ اس بحر رواں میں اپنی آلودگیوں کو پاک وصاف کرلیں۔ لیکن، ادھر قسمت ان کے دروازے پر دستک دے رہی ہے اور وہ بے غل وغش پڑے ہیں، مدبر اعظم نے اپنی بہترین حکمت عملی کے ذریعہ انہیں مہلت ہی نہیں دی کہ وہ اپنے دفاع کے لئے بھی تیار ہوسکیں۔ کچھ بدو شتر بان اور گلے بان جو اس لشکر جرار کو اچانک مکہ کے باہر دیکھ کر

حیران رہ گئے ہیں، پریشان و ہیبت زدہ ہوکر شہر کی طرف بھاگتے ہیں اور صباحاہ کا نعرہ لگاتے ہوئے اہل مکہ کو لشکر کی خبر دیتے ہیں تو وہ پہلے غیر یقینی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں، پھر اس خیال کے سبب کہ واقعی یہ لشکر مسلمانوں کا ہے؟ اس کی تصدیق اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرات کے لئے ابوسفیان اور حکیم بن حزام کو منتخب کرتے ہیں، یہ دونوں افراد، بنوخزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء کو بھی اپنے ساتھ لے لیتے ہیں، چنانچہ تینوں اکابرین زعما خود شہر سے نکل کر اس طرف جاتے ہیں، جدھر کے لئے چرواہوں نے اشارہ کیا ہے، ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بنوخزاعہ کے بدیل ابن ورقاء، پہاڑی کی بلندی پر پہنچ کر مرالظہر ان کی طرف نشیب میں دیکھتے ہیں تو آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں۔ دور تک صحرا میں الاؤ روشن ہیں، یقیناً یہ زندہ انسانوں کا کاروان ہے جو خیمہ زن ہے لیکن کوئی شور، کوئی ہنگامہ اور دور ونزدیک کہیں سے بھی کوئی ایسی آواز نہیں آرہی جو غیر محتاط ہو، بے باک ہو، نہ ہنسنا نہ ہنسانا، نہ ٹھٹھہ نہ مذاق، ظاہر ہے اس کارواں کا میر محترم اللہ کا رسولؐ ہے۔ محمد رسول اللہ جو اپنے اخلاق و کردار میں تہذیب انسانی کا اعلیٰ اور عمدہ نمونہ ہیں۔ البتہ اس سکوت افزا خاموشی میں، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں، ماحول کو خوفزدہ بنائے دے رہی ہیں۔ ابوسفیان دل کو سمجھانے کے لئے کہتا ہے۔ ”لگتا ہے عرفہ کی گہما گہمی ہے۔“ بدیل ابن ورقاء اندازہ لگاتا ہے۔ حالانکہ اسے علم ہے کہ لشکر کس کا ہے اور کیوں آیا ہے، ”مجھے تو یہ بنوخزاعہ کے الاؤ معلوم ہوئے ہیں، ممکن ہے بدلہ لینے کے ارادے سے آئے ہوں۔“ ابوسفیان نفی میں چہرہ ہلاتا ہے۔ ”نہیں نہیں، ان کی حیثیت اتنی نہیں، یہ وہ نہیں ہوسکتے۔“

”تو پھر کون ہیں آخر؟“ حکیم ابن حزام اندھیرے میں نظریں گاڑتے ہوئے گہرے انداز میں سوچتا ہے اور اسی وقت ابوسفیان فیصلہ کن لہجے میں کہتا ہے۔ ”یہ وہی ہیں، یقیناً وہی ہیں، مسلمان، لیکن ضروری نہیں کہ یہ مکہ کی طرف یلغار کریں، ہوسکتا ہے بنی ثقیف کے لئے طائف کا رخ کرنا چاہتے ہوں۔ یا پھر حنین کی طرف قبیلہ ہوازن کا ارادہ رکھتے ہوں۔“ اس خیال نے اس کی ہمت بندھائی اور پہاڑی سے اترنے لگا تاکہ آگے پہنچ کر تصدیق ہوسکے۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی اس کے ہم قدم روشنی کی طرف بڑھنے لگے، لیکن ابھی کچھ دور ہی چلے ہیں کہ پہرہ دار مجاہدین نے انہیں للکارا اور حراست میں لے لیا۔“ استاد صاحب نے ایک لمحہ وقفہ کیا اور بولے۔ ”حیان! یہاں تمہیں یہ بات بھی بتاتا چلوں کہ قبیلہ ہوازن کو جس کا مستقر حنین ہے، مسلمانوں کی نقل و حرکت کی اطلاع مل چکی ہے اور اگر قریش کو بھی لشکر اسلامی کے مدینہ سے روانگی کا علم ہوجاتا تو وہ ضرور ہوازن بلکہ ثقیف کو بھی اپنے ساتھ ملا کر اب تک مسلمانوں کے مقابل خم ٹھونک کر آچکے ہوتے، اور یوں یقیناً یہ ایک بہت ہی خوں ریز اور بھیانک جنگ ثابت ہوسکتی تھی، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے قریش کو اپنی آمد سے بے خبر رکھا اور اس بات کا انہیں موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اپنی طاقت کو اپنے حلیفوں کی مدد سے مجتمع کرسکتے۔“

”استاد محترم! یہ بالکل اس طرح نہیں کہ غزوۂ خیبر کے موقع پر جیسا بنو غطفان مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کے ساتھ مل کر لڑنا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ نے اس شاہراہ پر خیمہ زن ہوکر جس طرف سے وہ آسکتے تھے، اس منصوبے کو ناکام بنادیا تھا؟“

”بالکل، درست کہا تم نے، نبی علیہ السلام کی فراست نے دونوں مواقع پر دشمنوں کو اس بات کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف یک جا ہوسکیں۔“

”سبحان اللہ، بے شک استاد گرامی، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کی مدد سے دشمنان اسلام کو ہر محاذ پر شکست دی۔“

”ہاں اور کوشش فرمائی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے

اورتحریک اسلامی پُرامن طور پر آگے بڑھتی رہے۔" استاد صاحب نے تبصرہ کیا اور آگے کا حال بتانے لگے۔ "آپؐ کی اس مرضی اور مزاج سے اکثر لوگ بالخصوص آپؐ کے مقرب صحابہ بخوبی واقف ہو چکے ہیں، چنانچہ عام طور پر کسی طرف سے ایسی جسارت آمیز آواز نہیں ابھرتی جو تشدد کی حامی ہو یا جنگ کو ہوا دیتی نظر آتی ہو، حتیٰ کہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ جنہیں آپؐ کی صحبت میں رہنے کا وقت بہت کم ملا ہے، یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ نبی علیہ السلام عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں، انتقام پر یقین نہیں رکھتے، اس کے باوجود کہ آپؐ کے جاں نثاروں کی تعداد بڑھ چکی ہے اور آپؐ کی عسکری قوت میں اضافہ ہو چکا ہے، اور اس وقت آپؐ کی سالاری میں دس ہزار کی سپاہ ایک اشارے کی منتظر ہے جو اہل مکہ کو اس کے کئے کی سزا دینے کے لئے تیار ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت صبر و تحمل سے کام لے رہے ہیں، تاہم عباسؓ کو یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ اگر مکہ کے اکابرین بالخصوص قریش آپؐ کی آمد سے بے خبر رہے تو ان کی ہلاکت یقینی ہے، کیونکہ وہ ابھی تک یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ قریش کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر نہیں ہے، چنانچہ وہ قریش کی بھلائی اور ان کے دفاع کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک طویل نشست میں قریش کی بھلائی اور دفاع کے لئے بہت سے پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہیں۔ "یارسول اللہ، مجھے اس بات میں اب کوئی ابہام نظر نہیں آتا کہ قریش کی ہلاکت قریب آ گئی ہے، کیونکہ مسلمان اگر اچانک مکہ پہنچ کر گھروں میں داخل ہو گئے تو قریش کو ہلاک ہونے سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور لگتا ہے اس طرح ان کی جڑ کٹ کر رہ جائے گی۔" اس خدشہ کے اظہار کے بعد حضرت عباسؓ نے عرض کی۔ "اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اگر آپؐ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اہل مکہ کو آپ کی آمد سے مطلع کر دوں تا کہ وہ حاضر خدمت ہو کر امان کی درخواست کر سکیں۔"

ظاہر ہے، رحمت عالمؐ کب یہ چاہتے ہیں کہ تصادم ہو، خون خرابہ ہو، اور نہ ہی آپؐ ان لوگوں سے انتقام لینے کا عزم رکھتے ہیں جنہوں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو ستایا، ان پر بدترین تشدد کیا، انہیں ان کے گھروں سے نکالا اور ان کی زمین و جائیداد پر قابض ہو گئے، چنانچہ آپؐ حضرت عباسؓ کو نہ صرف اجازت دیتے ہیں بلکہ اپنا مرکب، سفید خچر انہیں سواری کیلئے عطا فرماتے ہیں، تو ادھر عباسؓ روانہ ہوتے ہیں اور ادھر جیسا کہ تم سن چکے ہو، ابوسفیان کو قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا ہے۔"

"جی ہاں، ابوسفیان کے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل ابن ورقاء خزاعی بھی ہیں!" حیان نے کہا لیکن پھر فوراً ہی بولا۔ "لیکن استاد محترم، آپ نے بتایا، ان افراد کو تو لشکر اسلامی کے پہرے داروں نے گرفتار کر لیا؟"

"ہاں، بالکل یہی وہ وقت ہے جب لشکر کے نگرانوں نے قریش کے اس وفد کو رات کی تاریکی میں ادھر بڑھتے دیکھ کر حراست میں لے لیا اور وہ آپس میں ابھی بحث و تکرار کر رہے ہیں کہ حضرت عباسؓ کو ان کے سوال و جواب کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، بلکہ وہ جب ان کے کچھ اور قریب ہوئے تو ابوسفیان کی آواز کو پہچاننے میں انہوں نے ذرا دیر نہیں کی۔ فوراً سواری روک لی اور آواز دی۔ "اے ابوحنظلہ!" ابوسفیان کے جواب میں ابوسفیان نے فوراً پکارا۔ "کون ابوالفضل؟" وہ کیا، قریش کا کون سا فرد ہے جو عباسؓ کی آواز کو نہیں پہچانتا، بہت ہی بلند آواز ہیں، دور ہی سے لوگ پہچان لیتے ہیں، کہ یہ ابوالفضل عباس ابن عبدالمطلب بول رہے ہیں۔"

"عجیب اتفاق ہے استاد گرامی کہ اس وقت جب حضرت عباسؓ انہی کی طرف جا رہے ہیں، دونوں فریق اس تاریکی میں ایک جگہ مل جاتے ہیں!؟"

"بس بیٹا، یہ سب اتفاقات نہیں بلکہ قدرت کے اپنے انتظامات ہیں کہ عباسؓ جس سے ملنے کی غرض سے

چلے ہیں، وہ خود ہی ان کی طرف کھنچا چلا آیا ہے۔ چنانچہ نگرانوں نے جب غور سے عباسؓ کو پہچاننے کے ساتھ ہی رسول اللہ کی سواری سفید خچر کو دیکھا تو زیر حراست افراد ان کے حوالے کر دیئے۔ لیکن جناب عباسؓ نے دو افراد کو تو پہرے داروں کی تحویل میں ہی رہنے دیا کہ وہ لے کر آئیں اور خود ابوسفیان کو اپنے ساتھ خچر پر بٹھایا اور لشکر گاہ کی طرف چل دیئے، پوچھا، "ابوسفیان کچھ دیکھ رہے ہو؟ سمجھ آ رہا ہے تمہیں، یہ سب کیا ہے؟" ابوسفیان پر خوف و دہشت کا غلبہ ہے، بمشکل تمام کہہ پایا۔ "نہیں، واللہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا! لگتا ہے میری عقل جواب دے گئی ہے۔"

"ابوحنظلہ، یہ محمدؐ کا لشکر ہے، مسلمان سرفروش مجاہدین ہیں یہ، رسول اللہ کے جاں نثار، تو کیا تم نے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر دیکھا ہے؟ میرا خیال ہے تم اتنی بڑی سپاہ کے لئے سوچ بھی نہیں سکتے تھے!"

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن۔ اب کیا ہوگا؟"

"ظاہر ہے، تمہاری گردن پر رکھا ہوا یہ سر کچھ دیر کا مہمان ہے!"

"اف! اللہ کی پناہ!" ابوسفیان وحشت زدہ ہو کر بولا، پھر جناب عباسؓ کی منت کرنے لگا۔ "میرے ماں باپ قربان ہوں تم پر اے ابوالفضل، میری مدد کرو، مجھے یقین ہے، ایک تم ہی میری جاں بخشی کرا سکتے ہو!"

"میں تمہیں، رسول اللہ کی خدمت عالیہ میں لے کر جا رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لئے امان کی درخواست کروں گا، دیکھتے ہیں کیا جواب ملتا ہے!"

کوئی اور وقت ہوتا تو ابوسفیان کو جناب عباسؓ کے الفاظ سے کچھ تسلی ہو سکتی تھی، لیکن اس وقت وہ نہایت مایوسی کے عالم میں ہے، سواری پر خود کو بمشکل سنبھالے ہوئے ہے، جگہ جگہ پہریدار مجاہدین روکتے اور باز پرس کرتے ہیں تو جیسے اس کی جان نکل جاتی ہے۔ لیکن جناب عباسؓ اور حضور نبی کریمؐ کے مرکب کو پہچان کر، پہریدار انہیں آگے جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ جیسے ہی خچر آگے بڑھتا ہے، ابوسفیان سکھ کا سانس لیتا ہے، مگر جلد ہی امید و بیم کے عالم میں گھر جاتا ہے کہ یکا یک عباسؓ خچر کو لئے ایک خیمے کے قریب پہنچتے ہیں یہاں ایک بہت بڑا الاؤ روشن ہے۔ الاؤ کے پاس بیٹھا ایک مرد جری فوراً تلوار سونت کر کھڑا ہوا، لیکن جلد ہی مرکب نبویؐ کو دیکھ کر سراپا ادب بن جاتا ہے، الاؤ کی روشنی میں سفید خچر پر بیٹھے سواروں کو دیکھ کر چہرے پر جلال فاروقی جیسے خود الاؤ کا شعلہ بن گیا۔ آواز کی تیغ خاموشی کا سینہ چیرتی چلی گئی۔ "اے عباسؓ، یہ کیا؟ یقیناً میں سمجھنے میں غلطی نہیں کر رہا کہ تم نے اللہ اور رسول کے اس دشمن کو اپنی امان میں لے رکھا ہے۔" عباسؓ کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن خود فاروق اعظمؓ بھی تلوار ہاتھ میں لئے تیز تیز قدم اٹھاتے ان کے ہمراہ ہو جاتے ہیں اور اس سے قبل کہ وہ سواری سے اتریں، نہایت ادب کے ساتھ خیمۂ رسولؐ کے پاس پہنچ کر باریابی کی اجازت طلب کرتے ہیں اور اذن ملنے پر اندر جاتے ہیں اور خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ "یارسول اللہ! اللہ اور رسول کا دشمن ابوسفیان، اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں؟" اس سے قبل کہ رسول اللہ کیا ارشاد فرماتے ہیں، جناب عباس، سردار مکہ ابوسفیان کو لئے خیمہ اقدس میں داخل ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ "یارسول اللہ میں اسے امان دے چکا ہوں!" حضرت عمرؓ دوبارہ بارگاہ رسالت میں مطالبہ دہراتے ہیں۔ "یارسول اللہ یہ شخص بھی کسی امان کا مستحق ہو سکتا ہے؟" اس بار جناب عباس براہ راست عمرؓ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ "اے ابن خطاب اگر تمہارے خاندان بنو عدی کا کوئی آدمی ہوتا تو تم شاید اتنا اصرار نہ کرتے!" حضرت عمرؓ ایسی شمشیر حق شخصیت کے لئے یہ بہت بھاری الفاظ ہیں، فوراً جناب عباس کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ "عباس! واللہ، تمہارا اسلام میں داخل ہونا

میرے نزدیک اپنے والد خطابؓ کے اسلام لانے سے بھی زیادہ خوآیند ہے، اس لئے کہ یہ خود رسول اللہ کے لئے باعث مسرت ہے۔" اس کے فوراً ہی بعد دونوں فریق محتاط ہوگئے، کیونکہ نبی علیہ السلام نے گہری خاموشی اختیار فرمائی ہوئی ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عباس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکے اور اپنا چہرہ آپؐ کے گوش مبارک کی طرف کرکے کوئی عرض کی، یاد رہے حیان! یہ سرگوشی کا عمل جناب عباس کے لئے خصوصی رعایت کا مستحق نظر آتا ہے، ورنہ سرگوشی کو حضورؐ نے کبھی پسند نہیں فرمایا، اور نہ ہی اسلامی تہذیب میں اس کی اجازت ہے، لیکن یقیناً یہ ایک اضطراری صورت حال ہے، مکہ کا سردار رحم کی درخواست لئے حاضر ہے اور اس کے انجام پر اس پوری مہم کا نتیجہ مرتب ہونا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ "اے عباس! ابوسفیان کو اپنے خیمہ پر لے جاؤ! صبح کو پھر آنا۔" عباس اسے لے کر چلے گئے اور جناب فاروقؓ نے سر تسلیم خم کردیا۔" یہ کہہ کر استاد عبدالرحمٰن کئی لمحے تک خلا کو دیکھتے رہے، پھر بولے۔

"ابوسفیان خیمۂ رسول سے نکلا تو اس کے ذہن میں ایک ہی بات ہے کہ یہ امان مجھے صرف اسی ایک رات کے لئے ہے۔ ممکن ہے صبح مجھے قتل کردیا جائے۔" یہی وسوسہ اور موت کا دھڑکا صبح تک اسے لگا رہا۔ پوری رات اس نے آنکھوں میں کاٹی۔ اتنا ہی فرق ہے کافر اور مومن میں کہ جو اللہ کے ہوجاتے ہیں وہ موت سے بے نیاز ہوکر صرف اور صرف اسی کو یاد رکھتے ہیں، یعنی شب بیداری تو دونوں نے کی، لیکن جناب عباسؓ نے دیگر مسلمانوں کی طرح ذکرواذکار اور اللہ اللہ کرتے گزاری اور ابوسفیان نے خوف و دہشت کے سائے میں موت سے ڈرتے ہوئے رات کاٹی، پھر اس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ خیمہ گاہ کے لوگ خواب شیریں کے مزے لے رہے ہیں، چاروں طرف خاموشی پھیلی ہوئی ہے کہ یکایک موذن اسلام بلالؓ کی آواز نے جیسے پرسکوت ماحول میں زندگی پیدا کردی۔ اذان کی صدا سنتے ہی لوگ نیند سے باہر نکل آئے، بستر چھوڑ دیئے اور نماز کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔

"یقیناً یہ میرے قتل کی تیاریاں کی جارہی ہیں!" خوفزدہ ابوسفیان کے دل میں اٹھنے والا وسوسہ اس کے لئے موت سے زیادہ خوفناک بن گیا۔ چہرے پر موت کے سائے منڈلانے لگے۔ رگوں میں خون خشک ہونے لگا اور دل کی دھڑکنیں سست پڑ گئیں۔ ایسے موقع پر آدمی کو اپنا سب کیا دھرا یاد آنے لگتا ہے۔ یکایک ابوسفیان کو بھی جہاں بہت سی ایسی باتیں یاد آئیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں سے متعلق کردہ سخت اور مجرمانہ تھیں، وہیں اسے وہ منظر بھی یاد آگیا، جب حضور نبی کریم کے دو صحابیوں حضرت خبیبؓ ابن عدی اور حضرت زیدؓ بن دسنہ کو اسی طرح جشن کی صورت میں قتل کیا گیا تھا۔"

"جی ہاں استاد گرامی، ان عاشقان گرامی کی شہادت کا منظر دیکھنے کے لئے پورا مکہ امڈ آیا تھا، لوگ ان اہل ایمان کے قتل کو کھیل اور تفریح سمجھ کر دیکھنے آئے تھے، اور مجھے یاد ہے، ابوسفیان نے اس موقع پر حضرت خبیبؓ سے جب یہ کہا کہ "کیا تو اس لمحے یہ خیال نہیں کرسکتا کہ اس وقت تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے" تو عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "ہرگز نہیں، اس کے بدلے کہ میرے آقا و مولا کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے، میں اس کے بدلے سو مرتبہ قتل ہونا زیادہ پسند کروں گا۔" یہ سن کر ابوسفیان بول پڑا تھا، کہ "میں نے یہ انس اور محبت، جیسا کہ محمد کے ماننے والے ان سے کرتے ہیں، دنیا میں کہیں نہیں دیکھی۔"

"ماشاء اللہ تم نے یہ ایمان افروز باتیں اپنے ذہن میں محفوظ کر رکھی ہیں تو میری اس امید کو تقویت دیتی ہیں جو میں نے تم سے باندھ رکھی ہے کہ تحریک اسلامی اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کو ان شاء اللہ تم کبھی فراموش نہ کرسکو گے۔" استاد صاحب خوش ہوکر

بولے، پھر کہنے لگے۔

"اب تم دیکھو عاشقان رسولؐ کی شہادت کے نظارے سے لطف اٹھانے والا ابوسفیان، اس وقت دل میں سوچ رہا ہے، کہ مجھے بھی اس طرح قتل کیا جانے والا ہے، مسلمان میری ہلاکت کا نظارہ کرنے کے لئے جمع ہوا چاہتے ہیں۔"

"عباس! کیا یہ سب میرے قتل کا تماشا دیکھنے کی گہما گہمی ہے؟"

"غلط سمجھ رہے ہو تم، مسلمان تو صبح کی نماز کے لئے بیدار ہوئے ہیں، آؤ میں تمہیں رسول اللہ کی خدمت میں لئے چلتا ہوں۔"

"اللہ اللہ، استاد گرامی، مجھے ابوسفیان کا وہ کروفر یاد آرہا ہے جو اس نے غزوۂ احد میں دکھایا تھا اور مسلمانوں کو شکست کا طعنہ دیتے ہوئے اگلے سال دوبارہ بدر میں دعوت مبارزت دے گیا تھا۔"

"ہاں، لیکن زعم باطل جلد ختم ہونے کے لئے ہوتا ہے، حق کو بہر حال فتح ہوکر رہتی ہے، اس کا زندہ ثبوت آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہی ابوسفیان، اس وقت حضرت عباسؓ کی تحویل میں گردن جھکائے، چپ چاپ، اسی کی بارگاہ میں رحم کی بھیک مانگنے جارہا ہے، جس کو کل تک یہ آنکھیں دکھاتا رہا تھا اور اسے درخور اعتنا نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن قربان جایئے ذات محمدؐ کے، صلی اللہ علیہ وسلم، کہ جیسے ہی وہ حریف اور آپؐ کے دشمنوں کا سردار آپؐ کے سامنے مجرموں کی طرح حاضر کیا گیا ہے، آپ کوئی طعنہ تشنیع دینے، شرمندہ اور نادم کرنے کی بجائے اسے، اس پیغام حق کی طرف متوجہ فرماتے ہیں جس کی وجہ سے ہی وہ اور اس کی ساری قوم آپ کی دشمن بن گئی ہے۔

"اے ابوسفیان! حیف ہے تجھ پر، کیا اب بھی تو نہیں سمجھ پایا کہ معبود حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں!" شرم و ندامت سے جھکا ہوا چہرہ اٹھا، تاسف سے بھری ہوئی آواز میں عرض کی۔ "میرے ماں باپ فدا ہوں آپ پر، آپ کتنے حلیم اور کریم ہیں، کیا عرض کروں، اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو آج ہمارے کام نہ آتا، اس طرح بے یارومددگار نہ چھوڑ دیا ہوتا ہمیں!"

"اللہ اکبر!" حیان یکایک بولا۔ "کاش یہ عقل پہلے آگئی ہوتی!"

"لیکن نہیں بیٹا، زنگ آلود روحیں بڑی مشکل سے صاف ہوتی ہیں، استاد صاحب نے جواب میں کہا۔" رسول اللہ نے مزید فرمایا۔ "تو کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟"

"آپ کی صلہ رحمی، بردباری اور شریف النفسی ہر شک وشبہ سے بالا ہے لیکن۔" ابوسفیان کے دل میں اب بھی رات کی تاریکی نے قبضہ کیا ہوا ہے، کہتا ہے۔" لیکن آپ کی نبوت پر یقین کرنے میں میرا دل ابھی تک مائل نہیں!"

"کیا غضب کرتے ہو ابوسفیان!" جناب عباسؓ اسے فوراً ہوش دلاتے ہیں۔ "اس سے پہلے کہ عمرؓ تیری گردن مارنے آ پہنچیں، اللہ کی وحدت اور محمدؐ کی رسالت کا اقرار کرلے!" خوش پوش، خوش وضع، معاملہ فہم اور صاحب عقل و دانش سمجھا جانے والا، قریشی سردار جو حقیقت میں جاہل ہے، کفر و بدعقیدگی کی سیاہی نے اس کے دل و دماغ کو آلودہ کر رکھا ہے، کئی لمحے تک سوچنے کے بعد، پہلی بار عقل سے کام لے سکا۔

"شاید یہی سچ ہے جو آپ کہتے ہیں، ہم غلط سوچتے اور سمجھتے آئے ہیں، تو مجھے اس غلط فہمی کو دور کردینا چاہئے، میں اپنی گزشتہ غلطیوں اور ان زیادتیوں پر شرمندہ ہوں جو میری طرف سے آپ پر ہوئیں، اور اب صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ صرف اللہ ہے جو عبادت کے لائق ہے اور آپ اس کے برحق رسول ہیں۔" اس نے ایک بار پھر بلند آواز میں کہا۔ اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ۔"

"اللہ اکبر" حیان نے نعرہ بلند کیا۔ تو استاد صاحب بولے۔

"ایسا ہی نعرۂ مسرت جناب عباسؓ کے منہ سے بھی نکلا اور نبی رحمت عالم کی تو خوشی کا تو مدار ہی اس بات پر ہے، جب کوئی کفر وشرک کے اندھیروں سے نکل کر توحید کی روشنی میں آتا ہے، آپ کی روح خوشی سے جھوم اٹھتی ہے۔"

"استاد محترم، وہ دوسرے صاحبان کا کیا ہوا؟ یعنی حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء؟"

"باران رحمت زوروں پر ہے، یہ کس طرح محروم رہ سکتے ہیں، ان دونوں کے دل تو پہلے ہی زرخیز ہیں، ذرا نم ہوتے ہی ایمان کے پھول کھل گئے، یہ تینوں حضرات جو رحمت عالم کے پاس جان کی امان مانگنے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے صدقہ ان کے کاسۂ دل کو بھی ایمان سے بھر دیا۔"

"سبحان اللہ! قسمت کیسی مہربان ہوئی کہ ایک ہی رات میں، سورج نکلنے سے پہلے پہلے ان خوش نصیبوں کے اندر ایمان کا نور پھیل گیا۔" حیان نے مسرور لہجے میں کہا اور استاد عبدالرحمٰن نے سلسلۂ تکلم جاری رکھا۔

"حضرت بلالؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، عرض کی، جماعت کے لئے لوگ آپ کے منتظر ہیں۔" آپؐ نے نماز کے لئے اٹھتے ہوئے عباسؓ سے ارشاد فرمایا "ابوسفیان کو اپنے پہلو میں کھڑا کرو اور ان سے اللہ اکبر، الحمدللہ اور سبحان اللہ کہلواؤ۔" حضرت عباسؓ نے ایسا ہی کیا۔ اور اب نماز سے فارغ ہوئے ہیں تو ابوسفیان حیرت کی تصویر بن گیا ہے۔ "عبادت کا یہ کیا انداز ہے!" وہ حیران ہوتے ہوئے بولا۔ "رکوع، سجدہ اور سلام، جیسا رسول اللہ کرتے ہیں، ویسا ہی ان کے پیچھے کھڑے ہونے والے کرتے ہیں۔ واللہ اے عباس، اس سے قبل میں نے فرماں برداری کی ایسی مثال کہیں نہیں دیکھی، نہ ہی فارس کے معززین میں اور نہ ہی گیسو دراز رومیوں کے اندر۔"

"تم یہ کہتے ہو ابوسفیان، اگر رسول اللہ انہیں کھانے پینے کی ممانعت فرمادیں تو یہ لوگ آپ کی حکم عدولی پر بھوکے پیاسے مرنے کو ترجیح دیں گے۔"

"شاید تم درست کہتے ہو!" ابوسفیان کے پاس اب مان لینے کے سوا کچھ نہیں رہ گیا۔ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں، دل کب تک انکار کرسکتا ہے۔

"اب حضرت عباس بھی بہت خوش اور مطمئن نظر آرہے ہیں، لیکن ابھی ان کی خواہش نامکمل ہے، ان کی کوشش ہے کہ مکہ کے دیگر لوگوں کو بھی ایمان نصیب ہوجائے یا پھر امان مل جائے۔" عرض کرتے ہیں۔ "یا رسول اللہ مجھے قریش کے پاس جاکر انہیں دعوت حق دینے کی اجازت مرحمت فرمایئے!" آپؐ نے اجازت فرمادی تو "عباسؓ ابوسفیان کے لئے بھی آپ سے رعایت طلب کرنے لگے۔" یارسول اللہ! جیسا کہ خود آپ کے علم میں بھی ہے کہ ابوسفیان کو معاشرے میں بلند مقام حاصل ہے اور ان کا شمار مکہ کی معزز شخصیات میں ہوتا ہے، تو آپ سے درخواست ہے کہ آپ انہیں کوئی خصوصی اعزاز عطا فرمایئے!" رسول کریم کو سب کی عزت عزیز ہے، فوراً فرمایا۔ "اعلان کردو کہ جو اللہ کی توحید اور محمدؐ کی رسالت کی شہادت دے کر دائرہ اسلام میں آجائے، اسے امان ہے جو خانہ کعبہ میں پناہ حاصل کرے اس کے لئے بھی امان ہے، جو اپنے گھر کے دروازے بند کرلے، اس کو بھی امان ہے اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے وہ بھی امان میں ہے۔"

"اللہ اکبر!" حیان متحیر ہوکر بولا۔ استاد صاحب کہنے لگے۔

"بلکہ آپ نے ان دونوں حضرات یعنی حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے گھروں کو بھی مامن قرار دے دیا۔"

"یعنی جو ان کے گھر میں داخل ہوجائے گا، اسے

بھی کچھ نہیں کہا جائے گا؟"

"ہاں، اور اس کی وجہ کیا ہے، وہ بھی میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔" استاد صاحب نے پہلو بدلا اور کہنے لگے۔ "دراصل بیٹا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نے کبھی کسی بھی موقع پر ذرا بھی احسان کیا تو آپ نے اس کا بدلہ کئی گنا زیادہ اور اس کے احسان سے بدرجہ اولیٰ عطا فرمایا، اس سلسلہ میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ مستثنیٰ ہیں کہ ان کے بارے میں ارشاد ہوا۔" ابوبکر کے احسانات کا بدلہ میں دنیا میں نہیں اتار سکا، ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ کل روز حشر عطا فرمائے گا۔"

"سبحان اللہ! کیا شان ہے صدیقِ اکبرؓ کی!" حیان بیساختہ بولا۔ استاد صاحب کہنے لگے۔

"ہاں، میں ابوسفیان اور ان کے دونوں ساتھی ابن حزام اور ابن ورقاء کے بارے میں بتارہا ہوں کہ ان کے گھروں کو دارالامان کیوں قرار دیا گیا، تو یہ دراصل ان احسانات کا بدلہ ہے جو کبھی انہوں نے آپ پر کئے تھے!"

"وہ کیا استاد گرامی؟" حیان نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"کہا جاتا ہے کہ ایک بار مکی دور نبوی میں مشرکین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستارہے تھے اور پریشان کررہے تھے کہ ابوسفیان کسی طرف سے نکل آئے، انہوں نے نبی علیہ السلام کو ان ظالم شرپسندوں سے بچایا اور اپنے گھر میں پناہ دی، ایک اور اسی طرح کا اس کا سلوک رحمت عالم کو یاد ہے، تمہیں بھی یاد ہوگا کہ جب نبی کریم کی صاحبزادی سیدہ زینبؓ، مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہورہی تھیں کہ ایک کافر ہبار بن الاسود نے ان کا راستہ روک لیا اور ان کے کجاوے کی رسی کاٹ دی اور حضرت زینب اونٹ پر سے گر گئیں، جس کی وجہ سے آپ کا حمل ساقط ہوگیا!"

"جی ہاں اس موقع پر ابوسفیان نے ہی درمیان میں پڑ کر اس معاملہ کو رفع دفع کرایا اور سیدہ زینبؓ کو اپنے گھر لے گئے اور وہاں ان کی تیمارداری بھی کرائی اور جب وہ سفر کے قابل ہوگئیں تو انہیں خاموشی سے مدینہ کے لئے روانہ کرادیا۔"

"ہاں، تو یہ تھا ان کا دوسرا احسان جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد ہے جس کا صلہ آپؐ نے اس صورت میں انہیں دیا جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے، اور اب حکیم بن حزام کے بارے میں تم شاید پہلے سن چکے ہوگے کہ ان کا سلوک بھی رسول اکرمؐ کے ساتھ نہایت شریفانہ اور مفاہمانہ رہا، خصوصاً جب قریش نے آپ کا مقاطعہ کررکھا تھا اور آپ شعب ابی طالب میں محصور تھے کہ وہ کئی بار راتوں کو غلے سے لدے اونٹ، قریش سے چھپا کر گھاٹی میں پہنچواتے رہے۔ تو یہ احسان بھی نبی اکرم کو یاد ہے اور اسی کا بدل آپؐ نے یہ دیا کہ ان کے گھر کو مامن بنادیا، یوں بھی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کا یہ آبائی مکان ہے، کیونکہ حکیم ابن حزام ان کے برادر زاد ہیں۔ دراصل نبوت کے جاہ جلال میں غیرت کو بھی بہت زیادہ دخل ہوتا ہے۔" استاد صاحب ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوگئے اور پھر کہنے لگے۔

"اس اعزاز کے بعد ابوسفیان نے عرض کی۔" یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں مکہ جاکر اہل مکہ کے سامنے اس رعایت کا اظہار کروں جو آپؐ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔" نبی علیہ السلام نے عباسؓ سے فرمایا۔" آپ ابوسفیان کو لے کر وادی میں جائیں تاکہ یہ لشکر اسلامی کی روانگی کا منظر اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرسکیں۔" آپ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ آپ عنقریب لشکر کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دینے والے ہیں۔ چنانچہ حضرت عباس ابوسفیان کو سفید خچر پر بٹھا کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے، لیکن ابھی کچھ ہی دور گئے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ کی طرف سے واپسی کا پیغام ملا۔ دراصل کچھ حضرات نے اس شک کا اظہار کیا ہے کہ "ابوسفیان کی نیت ٹھیک نہیں، وہ دل سے اسلام نہیں

لائے ہیں، خدشہ ہے کہ وہ موقع دیکھتے ہی دوبارہ اپنے آبائی مذہب کو قبول کرلیں گے۔" حضرت عباس نے کہا، اگر ایسا ہے تو میں اسے گرفتار کیے لیتا ہوں۔" تاہم ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ نبی کریمؐ نے لشکر کو حکم دیا کہ وہ کوچ کی تیاری کرے۔ فرمایا گیا۔" جو لوگ جس دستے سے تعلق رکھتے ہیں، وہ ان سے جاملیں۔" جب لشکر کوچ کے لئے بالکل تیار ہوگیا تو جناب عباسؓ تعمیل ارشاد میں ابوسفیان اوران کے دوساتھیوں کو لے کر ایک تنگ درے کی چوٹی پر کھڑے ہوگئے، اوراسے اسلامی سپاہ کے جاہ وجلال اور اس کے کروفر کا مشاہدہ کرانے لگے۔ حضور نبی کریمؐ نے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ ابوسفیان لشکر اسلامی سے مرعوب و متاثر ہوکر اہل مکہ کو سمجھا سکیں گے کہ وہ مقابلہ پر آئے بغیر ہتھیار ڈال دیں تاکہ خون خرابے سے بچا جاسکے۔ کچھ ہی دیر کے بعد، لشکر اسلامی نے حرکت کی اور مکہ کی طرف کوچ شروع کردیا۔ فوجیوں کے دستے پرچم لہراتے ہوئے گزرنے لگے۔ ابوسفیان ان کی شان وشوکت کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے جارہے ہیں، اسی وقت کوکب رسول نظر آیا۔ آپؐ کی سواری مہاجروانصار کے حلقے میں ہے، ان دستوں کے جاں باز امیر، سبز ہلالی پرچم اٹھائے ہوئے ہیں۔ زیادہ تر مجاہدین زرہ پوش ہیں، ہتھیاروں کی کثرت نے جسموں کو ڈھانک رکھا ہے اوران کی ساخت اور سجاوٹ دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوئی جارہی ہیں۔

جہاں تک نظر جاتی ہے، شہ سوار اور شتر سواروں کی قطاریں دکھائی دیتی ہیں، سروں پر آہنی خود، جسموں پر جنگی زرہیں، ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے، پشت پر سپر اور تیر وترکش اس بات کے غماض ہیں کہ یہ سرفروش، فیصلہ کن جنگ کرنے آئے ہیں، نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر کی صدائیں دشت کو دہلائے دے رہی ہیں۔ ہر قبیلہ اپنا اپنا نشان بلند کئے ہوئے ہے۔ مجاہدین سینہ تانے صف بہ صف گزر رہے ہیں مگر فخر وغرور نام کو نہیں، بدنظمی اور بے ترتیبی کا شائبہ تک نہیں، شوروغل کیا، بے ضرورت اونچی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ابوسفیان مجاہدین کو گزرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہر دستہ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

"یہ لوگ کون ہیں؟" حضرت عباسؓ تعارف کراتے۔ "یہ مزنیہ کے جاں باز ہیں، یہ بنوسلیم کے بہادر ہیں، یہ اشجع کے دلیر ہیں، یہ غطفان کے جنگجو ہیں، یہ جہنیہ کے مردان حر ہیں، یہ بنوغفار کے جاں نثار ہیں اوران کے آگے آگے جو علم اٹھائے چل رہے ہیں، یہ ابوذر غفاریؓ ہیں۔ ہماہمی میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی، مہاجروانصار کے مسلح دستے جوش ایمانی میں سرشار، نمودار ہوئے، مجاہدین لوہے میں غرق ہیں، صرف آنکھیں نظر آتی ہیں۔"

"اے ابوالفضل، یہ بہادر کون لوگ ہیں!"

عباس بتاتے ہیں۔ یہ انصار ہیں اوران کا علم بردار سعدؓ بن عبادہ ہیں۔

یکایک، حضرت سعدؓ کی نظر سامنے چوٹی پر کھڑے ابوسفیان پر پڑتی ہے، مجاہد خاموش نہ رہ سکا، پُرجوش ہوکر رجز پڑھنے لگتا ہے۔

الیوم، یوم الملحمہ.....الیوم، نستحل الحرمہ

"آج تو روز کارزار ہے، آج حرم کی حرمت کا خیال کئے بغیر قریش کو قتل کیا جائے گا، آج احد کے بدلہ کا دن ہے۔"

وہ اس رجز کو مسلسل دہراتے ہوئے گزر رہے ہیں کہ عمرؓ کے کان میں آواز پڑتی ہے۔ وہ فوراً گھوڑے کو بڑھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور سعد ابن عبادہؓ کا رجز آپ کے گوش گزار کرکے عرض کرتے ہیں۔" یارسول اللہ! سعد بن عبادہؓ، معلوم ہوتا ہے، قریش پر بالادستی حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

نبی کریمؐ نے فوراً علیؓ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ جاؤ سعد سے پرچم لے کر خود اس کے دستے کی قیادت کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہو۔"

"ابوسفیان کے سامنے گویا جیش نہیں، سپاہیوں کا ایک دریا ہے جو گزر رہا ہے۔ جیسے ہی انصار کا دستہ گزر کر گیا، مہاجر مجاہدین ہتھیار سجائے نمودار ہوئے۔ میسرہ پر شہسوار زبیرؓ ابن عوام مہاجرین کا علم اٹھائے ہوئے ہیں، میمنہ پر خالدؓ بن ولید رسالے کی قیادت کررہے ہیں۔ شتربان اور زرہ پوش مجاہدین کے سالار، ابوعبیدہ ابن جراح ہیں اورانہی کے جلو میں سالار اعظم اپنی خصوصی مرکب قصوئی پر جلوہ افروز ہیں۔ جسم پر نہ زرہ نہ سر پر خود اور نہ ہاتھ میں تلوار بلکہ آنکھیں امن ومحبت کے پھول پیش کررہی ہیں، آپؐ کے ردیف، اللہ اللہ، خادم خاص، شہید باپ زیدؓ کے بیٹے نوعمر اسامہؓ ہیں۔ آپؐ کے دائیں جانب صدیقؓ اور بائیں طرف اسیدؓ بن حضیر ہم رکاب ہیں۔ اسی وقت کوئی اور سوچے نہ سوچے، صدیقؓ اکبر یہ ضرور سوچ سکتے ہیں، کہ ایک وقت تھا انہیں اپنے اسی سالار اعظمؐ کے ہم سفر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا تھا، اس دیار کو، دشمنوں کے شر سے بچ کر، نہایت بے سروسامانی کے عالم میں چھوڑنا پڑا تھا، اسی دیار کے رہنے والوں نے ان کے سروں کی قیمت لگارکھی تھی اور آج وہ خود اپنے سروں کی خیر مانگ رہے ہیں، حضرت صدیقؓ کو ضرور وہ منظر بھی یاد آرہا ہے کہ کس طرح دشمن ان کے تعاقب میں تھے اور وہ صرف اللہ پر توکل کئے اوراسی کے آسرے پر نقل مکانی کررہے تھے، لیکن آج اپنے گھروں کی طرف لوٹ رہے ہیں تو ان کا تعاقب کرنے والے ان کی یلغار کو روکنے سے قاصر ہیں، بلکہ خود سہمے اور خوفزدہ نظر آرہے ہیں۔ صدیق اکبر گزرتے ہوئے کل اور آج کا مقابلہ کررہے ہیں کہ آج وہ دو نہیں، دس ہزار کا لشکر جرار ہے جو ان کے ساتھ ایک سیل رواں کی طرح ان کا تعاقب کرنے والوں کی طرف بڑھ رہا ہے، لیکن اس منظر پر تو فرشتے بھی حیرت زدہ ہیں کہ ہزاروں بہادروں کی فوج کا یہ سالار، عجز وانکسار کی تصویر بنا ہوا ہے، فخر سے سربلند نہیں، اپنے خالق ومالک کے شکر وسپاس میں سرخمیدہ، صرف اور صرف اسی کی کبریائی اور حمد وثنا کرتا ہوا فتح سے ملنے جارہا ہے۔ کلام ربانی زبان پر ہے، سورۂ فتح کی آیات پھولوں کی طرح لبوں پر کھل رہی ہیں، خوش الحانی زمزمے بکھیر رہی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں نہ ہو کہ اسلام کا مقصد تلواروں کے ذریعہ سروں کو جھکانا اور اپنا مطیع بنانا نہیں بلکہ قرآن اور صاحب قرآن کی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ دلوں کو فتح کرنا ہے، جیسا کہ اہل ایمان کو بدر کے موقع کہہ دیا گیا تھا کہ "اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی، اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازعہ پیدا نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اوران لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن کی روش یہ ہے کہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں جو کچھ وہ کررہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں۔" استاد عبدالرحمن نے آنکھیں کھول کر اپنے شاگرد کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کرکے بولے۔" دراصل بیٹا اس مضمون کا واضح مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں سے کہا گیا ہے، تم اپنے جذبات وخواہشات کو قابو میں رکھو، جلد بازی، گھبراہٹ، ہراس، طمع اور نامناسب جوش سے خود کو بچائے رکھو! ٹھنڈے دل ودماغ اور نہایت متوازن انداز میں قوت فیصلہ کام میں لاؤ۔ خطرات اور مشکلات درپیش ہوں تو تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے۔ اشتعال انگیزی کے موقعوں پر غیظ وغضب تمہیں مغلوب نہ کرلے اور یہ ہیجان خیزی تم سے کوئی بے محل حرکت سرزد نہ کرانے پائے، مصائب حملہ آور ہوں اور حالات دگرگوں ہونے لگیں تو اضطراب تمہارے حواس کو پراگندہ نہ کردیں۔ حصول مقصد کے شوق میں بے قرار ہوکر یا کسی نیم پختہ

تدبیر کو سرسری نظر میں کارگر دیکھ کر تمہارے ارادے جلد بازی اور شتاب کاری سے مغلوب نہ ہوں اور اگر کبھی دنیاوی فوائد و منافع اور لذات نفس کی ترغیبات اپنی طرف تمہیں لے رہی ہوں تو ان کے مقابلے میں بھی تمہارا نفس اس درجہ کمزور نہ ہو کہ بے اختیار ان کے پیروں میں لوٹنے لگو، مختصر یہ کہ یہ تمام مفہومات صرف ایک لفظ میں پوشیدہ ہیں اور وہ ہے صبر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان تمام حیثیتوں میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہتے ہیں، میری تائید انہی کو حاصل ہے۔“

”سبحان اللہ، مومن کی کیا شان ہے سبحان اللہ۔“

حیان کلام ربانی سن کر جھوم گیا۔ استاد صاحب دوبارہ اسے وادی فاطمہ میں لے گئے کہ یہاں سے جیش محمدیؐ گزر کر مکہ کی حدود میں پیش قدمی کررہا ہے۔

”سبحان اللہ! ایسا پُروقار پُرشکوہ لشکر جس کو دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی ہے، میں نے اس سے قبل نہیں دیکھا، میرا خیال ہے، عرب کی تاریخ میں کسی نے ایسے لشکر کا تذکرہ بھی نہیں سنا ہوگا۔ لگتا ہے کہ کسی صاحب تاج وتخت کا لشکر ہے۔“

”نہیں ابوسفیان یہ بادشاہت نہیں، نبوت کا اعزاز ہے، رسول اللہ کے ساتھ مہاجر وانصار سب آپ کے جاں نثاروں میں شامل ہیں، بھلا کون ہے جو اس لشکر سے مقابلہ کی تاب لاسکے گا؟“

”ہاں تم ٹھیک کہتے ہو ابوالفضل، کوئی نہیں جو اس جیش محمدیؐ سے آنکھیں چار کرسکے۔“ جیسے ہی ابوسفیان نے اعتراف کیا، حضرت عباس جلدی سے بولے۔ ”تو پھر تم یہاں کیا کررہے ہو، لشکر گزر چکا ہے، اب تم فوراً جاؤ اور اپنی قوم کو حالات سے آگاہ کرو، ورنہ یہ جاں بازوں کا سیلاب تیری قوم کو بہالے جائے گا۔“ چنانچہ ابوسفیان نہایت عجلت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ مکہ پہنچ کر وہ صفا کی چوٹی پر چڑھے اور لوگوں کو پکارنے لگے۔

”اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے، محمدؐ اپنے لشکر کے ساتھ تمہارے ۔ وں پر آپہنچے ہیں اور اب مکہ میں داخل ہوا چاہتے ہیں، واللہ! تم یا کوئی بھی ان سے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتا۔ عافیت اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال دو، ان کی اطاعت کرلو، سب اپنی اپنی فکر کرو اور میرے گھر میں پناہ لے لو، کیونکہ مجھے یہ رعایت دے دی گئی ہے کہ میرا گھر مامن ہے۔“

”اے ابوسفیان کیا کہتے ہو تم! بھلا تمہارے گھر میں مکہ کے سارے لوگ کیونکر آسکتے ہیں! پریشان لوگوں نے پوچھا۔

”تو پھر اپنے گھروں کے دروازے بند کرکے بیٹھے رہو، تم سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔ یا پھر حرم میں پناہ گزیں ہوجاؤ، وہاں پناہ لینے والوں کے لئے بھی امان کا وعدہ کیا گیا ہے۔“ لوگوں میں ایک افراتفری مچ گئی، بھاگ دوڑ شروع ہوگئی، کچھ لوگ حرم کی طرف بھاگے، کچھ نے اپنے گھروں کے دروازے بند کرلئے اور بعض ابوسفیان کے گھر میں داخل ہونے لگے ہیں۔

اسی وقت ہندہ جو مکہ کی خواتین میں اپنی تیزی وطراری کے لئے خاص شہرت رکھتی ہے، اس موقع پر بھی باز نہ رہ سکی، شوہر کو اس طرح کا اعلان کرتے دیکھ کر آگے بڑھی اور شوہر کی داڑھی پکڑ کر بولی۔ ”لوگو! یہ بڈھا سٹھیا گیا ہے، عقل کھودی ہے اس نے، میرا بس چلے تو اس کو قتل کردوں! تم دیکھ رہے ہو، ہمیں ہمارے دین سے ہٹا کر صابی بنادینا چاہتا ہے، جہاں سے آیا ہے، انہی کی زبان بول رہا ہے۔“

”اے عورت! تو آج جو چاہے بکواس اور جتنی چاہے بے عزتی کرلے میری، لیکن ایک بات یاد رہے، اب تیری عافیت ہے تو اسلام میں ہے ورنہ کہیں پناہ نہیں مل سکتی، جا سیدھی طرح گھر میں جا اور دروازہ بند کرلے نہیں تو تیری گردن اڑادی جائے گی۔“ ہند کے علاوہ، کچھ اور سرکش لوگ بھی ہیں، ان میں عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور مقیس بن قیس وغیرہ

نے جوش میں پکارتے ہیں۔ ”نہیں، ہم بغیر جنگ کئے مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے!“ پھر انہوں نے فوراً ہی اپنے لوگوں کو مطلع کرنا شروع کردیا اور ہتھیار لے کر مکہ کے مشرق میں جبل بوقیس کی طرف مورچہ بند ہوگئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ کے لئے اب ضروری ہوگیا ہے کہ وہ اس شرپسندی کی اطلاع حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں۔ لہٰذا فوراً واپس ہوگئے۔ اسی اثنا میں قریش کا ایک بااثر سردار جبیر ابن مطعم نے ان سے اپنے اسلام لانے کی خواہش ظاہر کی اور وہ بھی ان کے ساتھ ہوگیا۔ عباس برق رفتاری سے چل کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام صورت حال سے آپ کو آگاہ کیا اور یہ درخواست بھی کی کہ لشکر کچھ دیر کے لئے روک دیجئے، ممکن ہے اس عرصہ میں شرپسندوں کو ہوش آجائے اور وہ اپنے جارحانہ عزائم سے باز رہ سکیں۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی قدر غور وفکر اور صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد لشکر کو توقف کا حکم دیتے ہیں اور مجاہدین کی ازسرنو صف بندی فرماتے ہیں۔ خالد کے ساتھ بنوسلیم، بنواسلم، بنوغفار، قبیلہ بنومزنیہ اور بنو جہنیہ کو شامل کیا گیا۔ سب سے پہلے انہی کو حکم دیا جاتا ہے۔ ”اے خالد تم زیریں علاقہ سے شہر میں داخل ہونا۔“ میسرہ پر متعین کردہ دستے کے سالار کو جو علم بردار نبوی بھی ہیں، ہدایت کی گئی ”اے زبیر تم مکہ کے بالائی حصہ ذی کداء سے آگے بڑھو۔“ لشکر کا تیسرا دستہ انصاری مجاہدین پر مشتمل ہے اس کے امیر قیسؓ بن سعد، بن عبادہ کی جگہ علیؓ کو مقرر کیا گیا ہے، انہیں مکہ کے مغربی طرف سے ثنیۃ یدنین سے شہر میں داخل ہونے کی ہدایت کی گئی۔ چوتھا دستہ ابوعبیدہؓ ابن الجراح کے زیر تحت ہے، انہیں فرمایا گیا۔ ”اے ابوعبیدہ تم مکہ کے شمال مغرب میں جبل ہند سے داخل ہو۔“ اسی دستے کے جلو میں خود مکرم کی سواری مبارکہ ہے۔ اور تینوں دستوں کو بھی جبل ہند پہنچنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح، سالار اعظم کی دفاعی حکمت عملی نے اہل مکہ کے فرار کی تمام راہیں مسدود کردیں اور اس ممکنہ امداد کا راستہ بھی بند کردیا کہ کفار کے حلیف کی طرف سے کوئی رسد اور کمک ان کو پہنچ سکتی ہے، نیز چاروں دستوں کی اس تقسیم میں اس حکمت کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ بوقت ضرورت یہ ایک دوسرے کی مدد کو بھی بہ آسانی پہنچ سکیں، انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ ہر ممکن کوشش ہونی چاہئے، کارروائی امن وسکون کے ساتھ تکمیل تک پہنچائی جائے۔ اس روز خفیہ حرف شناخت، مہاجرین کے لئے ”یابنی عبدالرحمٰن“ انصار میں خزرج کے لئے ”یا بنی عبداللہ“ اور اوس کے لئے ”بنی عبیداللہ“ مقرر کیا گیا۔

یہ سب احتیاطی اور دفاعی تدابیر اس وجہ سے کی جارہی ہیں کہ جس قدر ممکن ہو تصادم سے بچا جائے اور کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آنے پائے جو آپ کی خواہش امن کو صدمہ پہنچانے کا سبب بنے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دستہ کے سالار حضرت سعدؓ بن عبیدہ کی زبان سے کچھ ایسے رجز یہ اشعار نکل گئے تھے جن سے احد کا بدلہ اور جذبۂ انتقام کا تاثر نمایاں تھا تو جیسے ہی نبی کریمؐ کے علم میں یہ بات لائی گئی آپؐ نے فوراً ان کے ہاتھ سے علم واپس لے لیا۔

”جی ہاں استاد محترم، آپ کی یہ فوری کارروائی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ مکہ کی مہم پر تو نکلے ہیں لیکن کسی سے کوئی انتقام نہیں لینا چاہتے۔“

”یقیناً آپ اس تاریخی فتح کو پُرامن رکھ کر دشمنان اسلام کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام امن کا دین ہے اور آپ کی یہ پوری تحریک اپنی ذات کے لئے نہیں اللہ کی خوشنودی اور اس کے بندوں کی فلاح سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا وہ اس طرح کہ سب سے پہلے حضرت خالد کو حکم دیا ہے کہ وہ مکہ میں داخل ہوں۔ فرمایا۔ ”خالد تم مکہ کے زیریں علاقے سے شہر میں داخل ہونا۔“ لیکن تاکید کی گئی کہ تصادم سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے، ”جب تک کوئی مزاحم

نہ ہو، ہاتھ کو لڑائی سے روکے رکھنا، فرمایا۔ تاہم مجبوراً تلوار بے نیام کرنی پڑے تو صرف دفاعی جنگ پر ہی اکتفا کرنا اور اگر حملہ ہو تو مدافعت میں کوتاہی نہ کی جائے۔" ان کے بعد ہی زبیرؓ بن عوام حکم پاتے ہی علم نبویؐ لہراتے ہوئے جیحوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ چنانچہ ہر دستہ کا سالار، سالار اعظم کی ہدایت پر عمل پیرا ہے، نہایت پُرامن اور بے ضرر انداز میں مکہ کے اندر داخل ہورہا ہے، حضرت خالد بھی اسی طرح باب مکہ جبل خندمہ میں داخل ہوا چاہتے ہیں کہ اتفاق سے ان کے دستے کے سپاہی کرزؓ بن جابر فہری اور جناب حبیشؓ راستہ پیچ دار ہونے کے سبب دیگر مجاہدین سے بچھڑ گئے اور بھٹک کر ادھر نکل آئے ہیں، یہاں قریش کا شرپسند گروہ دھاک لگائے بیٹھا ہے۔ جیسے ہی مجاہدین کو دیکھا یہ اپنی کمین گاہوں سے نکل آئے اور انہیں گھیر لیا۔ دونوں مجاہد ایماں کی حرارت والے ہیں، بے جگری سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں، لیکن کہاں تک لڑتے، حضرت حبیشؓ دشمنوں کے وار روکتے اور ان پر جواباً ضربیں لگاتے ہوئے آخر زخموں سے چور ہوکر شہادت سے ہم آغوش ہوجاتے ہیں، لیکن حضرت کرزؓ نے مقابلہ جاری رکھا، وہ اپنے ساتھی کی لاش کے پاس ہی قدم جمائے ہوئے ہیں تاکہ دشمن نعش کی بے حرمتی نہ کرسکے۔ اس عرصہ میں کہ حضرت خالدؓ اپنے دستے کو لے کر یہاں پہنچے ہیں، حضرت کرزؓ زخموں کی تاب نہ لاکر منصب شہادت پر فائز ہوگئے۔ ادھر اس خندمہ نامی گھاٹی میں چھپے ہوئے شرپسندوں نے ایک بار پھر اچانک اسلامی دستہ پر تیروں کی بارش شروع کردی۔ حملہ بے خبری میں اور اچانک کیا گیا ہے اس وجہ سے حضرت خالدؓ کو سنبھلنے میں کچھ وقت لگا، چنانچہ ایک اور مجاہد شہید ہوگئے، تاہم جناب خالدؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ صورت حال پر قابو پالیا اور جوابی حملہ کرکے دشمن کو خاصا جانی نقصان پہنچانے لگے۔ ادھر خود نبی کریم نے اپنی پیش قدمی کے لئے شہر کے بالائی حصے کو منتخب فرمایا، اور مہاجر وانصار پر مشتمل دستے کے جلو میں، کہ اس کی قیادت ابوعبیدہ ابن جراح کے سپرد ہے، مکہ کی طرف روانہ ہورہے ہیں۔ کیا منظر پیش کررہا ہے یہ جنگی کاروان، عجیب سالار ہے اس لشکر کا کہ جاں نثار جذبۂ سرفروشی سے سرشار ہیں، لیکن، سالار جیش امن وسلامتی کا پیکر نظر آرہا ہے۔ وہ ہتھیاروں اور طاقت پر نہیں، اللہ کی مدد اور نصرت پر بھروسا کئے ہوئے ہے۔ فلک نے کب اس سے قبل ایسی سپاہ اور ایسا سپہ سالار دیکھا ہے جو جنگ کرنے نہیں جنگی جنون کو ختم کرنے نکلا ہو کہ ان کی تلواریں امن وامان کی شرائط کی پابند ہیں۔ جیسے جیسے سواری آگے بڑھ رہی ہے، مکہ کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔ اسی سرزمین پاک سے ہی تو آپ کو بے دخل کیا گیا تھا۔ یہی وہ ناقہ ہے جس پر سوار ہوکر آپ نے اس دیار کو خیرباد فرمایا تھا، اور آج وہی قصویٰ اس عظیم وتقدس مآب ہستی کو اپنی پشت پر سوار کئے دیار پاک میں داخل ہورہی ہے، وہ دشمن کل جس کے سب سے بہادر ترین جاں باز برہنہ تلواریں لئے آپؐ کا خانۂ دولت گھیرے ہوئے تھے، آج اسی سے بچتے اور کونے گوشوں میں چھپتے پھر رہے ہیں، آپؐ پر غالب ہونے کی کوشش کرنے والے اب خود مغلوب نظر آرہے ہیں، فتح آپؐ کی قدم بوسی کو بے تاب ہے، لیکن فتح مند قصویٰ کا سوار فاتحانہ کروفر سے بے نیاز، اس فتح وکامیابی کو اپنی عسکری قوت کا نتیجہ نہیں سمجھ رہا، اللہ کی مدد اور نصرت کی طرف رجوع کررہا ہے، تاریخ عالم میں فاتحوں کا جو دستور رہا ہے کہ اپنے مفتوحہ علاقوں میں کس طرح آندھی اور طوفان بن کر داخل ہوتے ہیں، اپنے ہدف اور اس کے گردوپیش کو بہا کرلے جاتے ہیں سب کچھ تہس نہس کرڈالتے ہیں، اور اپنے اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں کہ یہ جنگجوؤں کا مروجہ طریقہ رہا ہے۔ لیکن یہاں آج تاریخ خود کو بدلی ہوئی پارہی ہے، یہاں تاخت وتاراجی کا کوئی تصور ہے اور نہ شاہانہ انداز کا دور تک نشان نظر آتا ہے۔ اس کے

برعکس عجز کا عالم یہ ہے کہ سرنیاز بارگاہ ایزدی میں اس قدر خم ہے کہ ریش مبارک قصویٰ کے کجاوے کو عزت بخش رہی ہے۔ دس ہزار سپہ کا سالار سادگی کا پیکر ہے۔ سرپر سادہ سا سیاہ عمامہ، جس کو سرخ یمانی چادر کی دھجی سے کس رکھا ہے، شانۂ مبارک پر سفید اور سادہ سی چادر ہے جو اپنی قسمت پر نازاں ہے، تاہم اس ظاہری شکل وصورت کی تفصیل میں نہ بھی جائیے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ یہ کائنات کا سب سے بہترین اور حسین انسان، خیر البشر، سید الانبیاء اور اللہ کا محبوب ترین بندہ اور اس کا رسول ہے جو اس کے مقدس ترین گھر کے جوار میں نہایت عجز وانکسا کے ساتھ داخل ہوچکا ہے۔"

"سبحان اللہ، سبحان اللہ!" حیان اپنے رسول کی تحسین سن کر جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ استاد صاحب بیان جاری رکھتے ہیں۔

یہ مکہ کا بالائی حصہ ہے جو کدا کہلاتا ہے، جیسے ہی آپؐ یہاں پہنچے، آپ کی نظر زیریں علاقہ میں جنوب کی سمت اٹھتی ہے، جس طرف سے حضرت خالد کو مکہ میں داخل ہونے کے لئے فرمایا گیا تھا، آپ کو گردوغبار اڑتا اور ہتھیاروں کی چمک دکھائی دی تو فرمایا، "یہ کیا ہے؟" ایک مجاہد شہسوار فوراً اس طرف دوڑا، اور ذرا کی ذرا میں یہ خبر لاکردی کہ قریش کی طرف سے خالدؓ بن ولید کا راستہ روکا گیا ہے اور وہ انہی مقابل آنے والوں سے نبردآزما ہیں۔ آپؐ نے اسی وقت پکارا، "اے ابوہریرہ۔"

"لبیک یا رسول اللہ!" ابوہریرہ فوراً حاضر خدمت ہوگئے۔ "انصار کو بلاؤ۔" تاکید کی کہ "انصار کے علاوہ اور کوئی نہ آئے۔" حکم سنتے ہی انصار دوڑے ہوئے آئے۔

"یارسول اللہ ارشاد!" انصار کے کئی اکابرین نے بیک وقت عرض کی۔ آپؐ نے فرمایا، "اے انصاریو! قریش کے شیطانوں کی شرارت دیکھ رہے ہو؟"

"جی ہاں یارسول اللہ!" ایک بار پھر سب نے بیک زبان کہا۔ تب آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "ان شریروں کا صفایا کردو اور مجھ سے آکر کوہ صفا پر ملو!" اس حکم کے بعد انصار تلواریں بے نیام کئے، مکہ کے زیریں علاقہ خندمہ کی طرف برق رفتاری سے چل دیئے۔ لیکن اس وقت تک خالدؓ کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاکر شرپسندوں نے بھاگنا شروع کردیا ہے۔ مگر انصار نے آکر ان کا راستہ روکا اور تلواروں پر رکھ لیا۔ یہ دیکھ کر کہ انصار نے قریش کو تیز رفتاری کے ساتھ تہہ تیغ کرنا شروع کردیا ہے، ابوسفیان دوڑتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ "یارسول اللہ! اس طرح تو قریش کا نام و نشان مٹ جائے گا!"

"ان کا مطلب یہ ہے استاد گرامی کہ آپ قریش کی طرف سے ہاتھ روک لیں!"

"ہاں، اور رحمت عالمؐ نے ان کی درخواست قبول کرلی اور دوبارہ اعلان کرنے کو فرمایا کہ "جنگ سے ہاتھ روک لیا جائے، فراری کا تعاقب نہ کیا جائے، اسیر اور زخمی کو قتل نہ کیا جائے اور جو ہتھیار ڈال دے اسے امان دے دی جائے۔"

"اللہ اکبر، کیسے رحیم ہیں ہمارے رسولؐ" حیان نے تحسین کی۔ "حالانکہ جنگ میں پہل خود قریش کے لوگوں نے کی ہے اس کے باوجود آپؐ ان کی جانبخشی فرما رہے ہیں۔"

"ہاں بیٹا، آپ کا یہی انداز کریمانہ دیکھ کر کچھ انصار کے ہونٹوں پر یہ بات آگئی، کہنے لگے۔ "لگتا ہے رسول اللہ پر اپنی قوم اور وطن کی محبت غالب آگئی ہے، غالباً آپؐ نے ان کی ایذا رسانیوں کو فراموش کردیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی انصار کے کچھ لوگوں نے امکان ظاہر کیا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے، اب آپؐ ہمارے ساتھ مدینہ واپس نہ ہوں گے۔" بیٹا، میں انصار کے گمان کی تردید نہیں کرتا، لیکن تصدیق بھی نہیں کرسکتا کیونکہ بحیثیت نبی

آپ اپنی پوری امت کے لئے شفیق اور رحیم ہیں، اور اگر قریش کے لئے آپ اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ رکھتے بھی ہیں، اور آپ کو وطن سے محبت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ صرف یہی نہیں کہ آپ کا آبائی شہر ہے اور خود آپ کا مولد ہے، بلکہ مکہ سے محبت کا اصل سبب اس شہر کا وہ تقدس ہے جو اسے بیت اللہ کی نسبت سے حاصل ہے، اور یہی وہ اصل وجہ ہے۔ جس کی بنا پر آپ نے مکہ کی مہم کو ہر صورت پُرامن رکھنے کی کوشش کی ہے اور تم دیکھتے آرہے ہو کہ شروع سے اب تک کس طرح نبی کریم نہایت حکیمانہ اور دانشمندانہ طریقے پر منصوبہ بندی فرماتے چلے آرہے ہیں، تاہم اس میں رب تعالیٰ کی کوئی مشیت ہے کہ خندمہ کے مقام پر مسلمان مجبور ہوگئے اور قریش کے چند شریر افراد کی شرارت کے سبب یہ تصادم ناگزیر ہوگیا، جس میں تلواریں بھی چلیں اور خون بھی بہا۔ تاہم اس کا آپ کو سخت افسوس ہے، جس کے لئے آپ نے حضرت خالد سے باز پرس بھی کی لیکن اس سے پہلے کہ آپ نے ان سے کیا فرمایا، میں تمہیں انصار کے اس گمان کی بات مکمل کرنا چاہتا ہوں جو ان کے دل میں قریش کی طرف آپ کا کریمانہ میلان طبع دیکھ کر پیدا ہوا ہے۔'' استاد صاحب نے پہلو بدل کر وضاحتی انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''آپ کو جیسے ہی انصار کے اس خیال کی اطلاع ہوئی، آپ پر وحی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ نزول وحی کے فوری بعد، آپ نے انصار کو طلب فرمایا۔ انصار دوڑے ہوئے آئے اور آپ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ''اے جماعت انصار! کیا تم نے کہا ہے کہ اس شخص پر وطن اور رشتہ داروں کی محبت غالب آگئی ہے؟'' مخاطبین کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں، سروں کو خم کر کے عرض کی۔ ''یارسول اللہ! لاریب، ہم نے ایسا ہی کہا تھا۔'' اس اعتراف کو سن کر آپ نے دوبارہ انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔ ''اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ، میرا نام کیا ہے؟'' انصار دم بخود ہوگئے۔ کوئی آواز منہ سے نہیں نکل پارہی۔ آپ دوسری بار اور پھر تیسری بار یہی سوال کرتے ہیں کہ ''بتاؤ میرا نام کیا ہے؟'' لیکن انصار خاموش رہتے ہیں۔ تب آپ فرماتے ہیں۔ ''اگر میں وہ عہد جو تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے، پورا نہ کروں تو کیا کہلاؤں گا؟'' واللہ ہرگز ایسا نہیں، تم نے غلط گمان کیا ہے، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، عیاذ باللہ، میں اپنے کئے ہوئے عہد سے روگردانی کروں عہد شکنی کا مرتکب ہوں!؟'' آپ مزید فرماتے ہیں۔ ''میں اللہ کے حکم سے ہجرت کر کے تمہاری طرف آیا ہوں، اب میرا جینا مرنا سب تمہارے ساتھ ہے۔'' یہ مژدہ جاں فزا سنتے ہی انصار بے ساختہ رو دیئے، سسکیاں لینے لگے، آنسوؤں نے داڑھیاں بھگودیں۔ رقت آمیز آوازوں میں عرض کی۔ ''یارسول اللہ، ہم اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہمارے منہ سے جو کچھ نکلا، وہ اللہ اور اس کے رسول کی حرص ومحبت کا سبب تھا، ہمیں اس بات کا خدشہ ہونے لگا تھا کہ کہیں ہم اس عظیم دولت سے محروم نہ ہو جائیں۔'' اسی وقت ان کے بیان پر مہر رسالت تصدیق نے دی، فرمایا۔ ''اللہ اور اس کا رسول تصدیق کرتا ہے کہ جو کچھ تم زبان سے کہہ رہے ہو وہی تمہارے دل میں بھی ہے۔''

''سبحان اللہ، زہے نصیب، زہے نصیب!'' حیان انصاریوں کی قسمت پر رشک کرنے لگا۔ اسی اثنا میں نبی مکرم کو کسی نے آکر خبر دی۔ ''یارسول اللہ، خالد بن ولید کیا اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ کفار کو بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔'' آپ نے اس شخص کو حکم دیا کہ ''فوراً جاؤ اور خالد کو میرے پاس لے آؤ!'' چنانچہ لڑائی کے خاتمے پر جناب خالد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان سے باز پرس فرمائی۔ ''اے خالد! کیا میں نے تمہیں ضع عنہم السیف کا حکم نہیں کہلوایا تھا؟'' خالدؓ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ! قاصد نے مجھے ضع عنہم السیف کا پیغام پہنچایا تھا۔''

''ان دونوں کلمات میں تو زمین اور آسمان کا سا فرق ہے۔'' حیان ایک دم بولا۔

''ہاں، ضع عنہم السیف کا مطلب ہے، قتل سے باز آجاؤ اور ضع فیہم السیف کا مطلب ہے، انہیں قتل کردو۔ تو خالد کے اس بیان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو طلب فرمایا، جس نے پیامی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے جواب میں جو کچھ کہا، وہ حیرت سے خالی نہیں۔ اس نے کہا۔ ''یارسول اللہ! میں آپ کا پیغام لے کر خالد کی طرف چلا تھا کہ ایک شخص نے جس کا سر آسمان کو مس کر رہا تھا اور ہاتھ میں ایک بھاری گرز لئے ہوئے تھا، میرے سینے پر ہاتھ مار کر حکم دیا کہ ''سنو! ضع فیہم السیف کہنا ہے تمہیں، ورنہ تمہارا خاتمہ کردیا جائے گا!'' یہ سنتے ہی رسول صادق کی زبان مبارک سے نکلا۔ ''صدق اللہ، وصدق رسولہ۔ یعنی اللہ نے سچ کہا اور اللہ کے رسول نے سچ کہا۔'' استاد صاحب نے خاموش ہو کر حیان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا اور پوچھا۔ ''تم سمجھے حیان! آپ نے ایسا کیوں فرمایا! آپ کا اشارہ غزوۂ احد میں اپنے اس جملے کی طرف تھا جو امیر حمزہ کی شہادت اور ان کی نعش کی بے حرمتی دیکھ کر آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا تھا۔

جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ غزوۂ احد میں جب امیر حمزہ کو شہید کر کے ان کی نعش کا مثلہ کیا گیا تو میں نے کہا تھا، کل جب قریش پر مجھے غلبہ حاصل ہوگا تو میں ایک کے بدلے ستر کفار کو قتل کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت مجھے ایسا کہنے سے منع فرمایا تھا، لیکن آج جب غلبہ حاصل ہوگیا ہے تو اپنے رسول کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو سچ ثابت کر دکھایا ہے۔''

فتح مکہ کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش قدمی کے واقعات، تسلسل کا تقاضا کر رہے ہیں، اور اصولاً اس مہم سے متعلق ذیلی واقعات کو بیان کرنا مناسب نہیں لگتا کہ اس طرح بیان میں رخنہ پیدا ہوسکتا ہے، لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ایسا ہی ایک واقعہ اس وقت مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں تمہارے علم میں لاؤں!''

''جی استاد محترم، ارشاد فرمائیے!'' حیان بھی پرشوق ہو کر بولا۔ استاد صاحب کہنے لگے۔ یہ شر پسند گروہ جس نے اپنی فتنہ انگیزی کے سبب مسلمانوں کو شمشیر زنی پر مجبور کردیا، اس کا ایک رکن جماش بن قیسی بن خالد، جو بنوبکر سے تعلق رکھتا ہے، شروع سے ہی اسلام اور پیغمبر اسلام کا سخت مخالف رہا ہے۔ جب مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے اسلحہ جمع کر رہا تھا تو بیوی نے دریافت کیا، ''یہ کیا ہے، کس دشمن کے لئے تیاری کی جارہی ہے؟'' جماش نے کہا، ''حیرت ہے نیک بخت، تجھے اب تک خبر نہیں کہ مسلمانوں کے صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اچانک آکر مکہ کو گھیر لیا ہے اور اب مسلمان کسی بھی وقت ہم پر حملہ کرسکتے ہیں۔'' بیوی پرسکون لہجے میں بولی، جیسے اس کو ان تمام باتوں کا علم ہے۔ ''تو اس وقت تمہارے یہ ہتھیار کسی کام نہیں آنے کے!'' جماش نے اس کی بات پر ایک مغرور قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔ ''کیا بات کی تو نے، تو دیکھے گی کہ اس دن میں تیرے لئے غلام لے کر لوٹوں گا۔'' بیوی بھی اس کے جواب میں عجیب سا مسکرادی، جیسے کہہ رہی ہو، ''بس بس رہنے دو، یہ سب تمہارا خواب ہے جو کبھی پورا نہیں ہونے کا۔'' چنانچہ جب درۂ خندمہ میں اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں پر تیر اندازی کی اور حضرت خالدؓ نے پلٹ کر ان پر حملہ کیا تو جان بچا کر بھاگنے والوں میں یہ بھی ہے، ناکام ونامراد واپس گھر پہنچا تو بیوی نے پوچھا۔ ''لے آئے غلام پکڑ کر؟'' اس مفرور کے پاس اس وقت اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے کوئی مناسب جواب نہیں، خجل ہو کر شعر کی زبان میں بولا۔ ''خندمہ میں بے نیام تلواروں سے ہمارا استقبال کیا گیا، عکرمہ اور صفوان بھاگ کھڑے ہوئے اور سر گردنوں پر سے قلم ہو کر گرنے لگے تو اگر تو وہ منظر دیکھتی تو یہ طنز اور ملامت ہرگز نہ کرتی۔''

"اللہ اکبر" حیان پرجوش ہوکر بولا۔ مکہ کی مہم جیسے جیسے فتح کے قریب ہورہی ہے، حیان کا جوش وجذبہ بڑھتا جارہا ہے۔

یہ ماہ رمضان المبارک کی بیسویں صبح ہے۔

خندمہ کا واقعہ قریش کے شرپسندوں کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا، شورش پسندوں میں سے کچھ فرار ہوگئے، کچھ نے ادھر ادھر پناہ حاصل کرلی اور یوں مکہ میں پُرامن خاموشی پھیل گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح متشکرانہ انداز میں نہایت عجز و نیاز کے ساتھ پیش قدمی فرمائی۔ جنت المعلیٰ کے قریب پہنچ کر توقف فرمایا، زبیرؓ ابن العوامؓ نے اذن پاکر اسی جگہ علم نبوی گاڑ دیا، اور سرخ رنگ خیمہ آپ کے لئے نصب کردیا گیا۔ ایک صحابی نے عرض کی، "یارسول اللہ آپؐ اپنے دوست کدہ پر کیوں نہیں اترتے؟" فرمایا، کیا عقیل نے ہمارے لئے مکان چھوڑا ہے؟"

"استاد گرامی، عُقیل کون؟"

حضرت علیؓ کے برادر کلاں، جو بدر میں آپ کے خلاف قریش کے ساتھ تھے۔ انہوں نے آپ کا آبائی مکان ابوسفیان کے ہاتھوں فروخت کردیا تھا، آپؐ نے مزید فرمایا۔ "ہمارے اترنے کی جگہ خیف ہے۔"

"مقام خیف، یہ وہی جگہ نہیں استاد محترم، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خاندان بنوہاشم کے ساتھ تین سال تک محصور رہے؟"

"ہاں، یہ وہی جگہ ہے، اور آپؐ نے اس روز سعید کے موقع پر اسی جگہ قیام فرما کر اللہ تعالیٰ کا اس طور شکر یہ ادا کیا ہے کہ ایک دور وہ تھا جب آپ کو مجبور کرکے یہاں محصور رکھا گیا تھا اور آج اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا احسان ہے کہ آپ خود ان کو محصور کئے ہوئے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ آپ نے جس قدر تکلیف دہ اور نامساعد حالات میں نہایت صبر وضبط اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تھا، شاید یہ اسی کا انعام ہے۔"

"بے شک استاد محترم! آپؐ نے شعب ابن ابی طالب میں جو مشکل ترین تین سال کا عرصہ گزارا، وہ آپ کی استقامت اور بنی ہاشم کی آپؐ کے ساتھ وفاداری کا یادگار اور لائق تحسین واقعہ ہے۔" یہ کہتے وقت حیان کی آنکھوں میں دکھ اور تکلیف کی پرچھائیاں سی لہرا کر رہ گئیں۔ خود استاد صاحب بھی ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوکر خلا کو دیکھنے لگے، شاید انہیں اب سے کئی سال پہلے اسی شہر مکہ میں، قریش کی طرف سے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے دردناک مظالم یاد آنے لگے ہیں۔

"بہرحال بیٹا، الحمدللہ، آج وہی رسول مظلوم جو کل صبر کی تصویر بنا ہوا تھا، آج اس کے ہر ہر انداز سے شکر کا اظہار ہورہا ہے۔" استاد صاحب نے پُرسکون لہجے میں کہا، پھر مزید واقعات بتانے لگے۔ "چاشت کا وقت ہوا چاہتا ہے کہ یکایک حضرت علیؓ کی ہمشیرہ ام ہانی کا مقدر جاگ پڑا، آپؐ ان کی طرف جانے کا قصد فرماتے ہیں، ظاہر ہے، علیؓ ساتھ ہیں، بلالؓ نے قصویٰ کو پیش کیا، دوسری طرف سے کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ نے جو پہلے ہی خدمت اقدس میں آکر ایمان لاچکے ہیں، مہار پکڑی اور آپ سوار ہوکر ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے۔

آپ ام ہانیؓ کے گھر کو رونق بخشے ہوئے ہیں کہ اتفاقاً ابوجہل کا بھائی حارث بن ہشام اور زبیر بن امیہ مغیرہ بھاگ کر اسی گھر میں پناہ گزیں ہیں، اس کا سبب جناب ام ہانی سے ان کی رشتہ داری ہے، یہ یہاں چھپے ہوئے ہیں کہ حضرت علی کی ان پر نظر پڑ جاتی ہے، فوراً تلوار نکال لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے سر قلم کردیں، لیکن ام ہانی راستہ میں آجاتی ہیں اور بھائی کو ان کی طرف بڑھنے سے روک دیتی ہیں، اور دونوں افراد کو ایک کوٹھری میں بند کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، اس وقت آپ غسل فرما رہے ہیں اور سیدہ فاطمہؓ آپ کا لباس لئے منتظر ہیں، آپؐ نے غسل سے فارغ ہوکر لباس زیب تن کیا اور آٹھ رکعات چاشت کے نوافل ادا فرمائے، جو دراصل صلوٰۃ الفتح سے تعبیر کئے گئے ہیں۔ نماز سے فارغ ہوکر آپؐ نے دریافت فرمایا؟ "کھانے کے لئے کوئی چیز ہے؟" ام ہانی نے عرض کی۔ "کچھ باسی روٹی اور سرکہ ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "الحمدللہ وہ گھر جس میں سرکہ ہو اسے سالن کی احتیاج نہیں۔" کھانے کے بعد ام ہانی نے عرض کی۔ "یارسول اللہ حارث ورزبیر میرے گھر میں پناہ گزیں ہیں، لیکن علیؓ ان کو قتل کرنے پر بضد ہیں، حالانکہ میں ان کو امان دے چکی ہوں۔" اللہ اللہ آپؐ ام ہانی کی درخواست سن کر فرماتے ہیں۔ "اے ام ہانی، تم نے جس کو پناہ دی، وہ ہماری امان میں ہے، اور جاؤ اور علی کو یہ بات بتادو!" جناب ام ہانی فوراً واپس ہوئیں اور علی کو آپؐ کا ارشاد سنایا، اس کے بعد علی نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ خوش نصیب خاتون میزبان ام ہانی کے مکان سے روانگی کے وقت آپ نے اپنے ہتھیاروں کو آراستہ فرمایا، سر پر آہنی خود رکھی، اور قصویٰ پر سوار ہونے کے لئے قصد فرمایا تو حضرت بلالؓ اور عثمان بن طلحہ نے رکابیں پکڑلیں اور محمد بن مسلمہ نے مہار تھام لی۔"

"اللہ اللہ، کیا بخت آور لوگ تھے، استاد محترم کیا صاحب نصیب حضرات تھے۔" حیان یکایک رشک سے مغلوب ہونے لگا۔ "کاش، قصویٰ کے پیروں سے اڑتی ہوئی دھول کا میں آنکھوں میں سرمہ لگا سکتا۔" یہ کہتے وقت وہ آبدیدہ ہوگیا۔

"بیٹا، یہ آنسو بھی بہت قیمتی ہیں جو عشق رسول نے تمہیں عطا کئے ہیں۔" استاد عبدالرحمٰن نے شفقت اور مسرت بھری آنکھوں سے شاگرد کو دیکھا اور مزید بیان کرنے لگے۔ "اب ذرا اس منظر کو دیکھو میرے بیٹے! نبی مکرم، رسول آخر و اعظم کی سواری حرم کی طرف روانہ ہوتی ہے، باب حرم، جبل خندمہ سے لے کر جنت المعلیٰ اور وہاں سے صفا تک صف بستہ کھڑے ہوئے جاں نثار مستعد، مگر ادب کی تصویر بن جاتے ہیں۔ مہاجر وانصار یہ جان کر کہ آپؐ کا قصد حرم کی طرف ہے، آپؐ کے ہم رکاب ہونے کے لئے بڑھے، حضرت خالدؓ نے آپ کو اپنے حلقہ میں لے لیا۔ لیکن فرط ادب غالب ہے، آپؐ کے مرکب سے فاصلہ رکھے ہوئے ہیں، نظم وضبط دیدنی ہے، کوئی آواز حتیٰ کہ سرگوشی تک سنائی نہیں دے رہی، لیکن جیسے ہی آپؐ کی سواری حرم میں داخل ہوتی ہے، فضا نعرۂ تکبیر اللہ اکبر سے گونج اٹھتی ہے۔ اہل مکہ آنکھوں میں حیرانی لئے اس منظر عجیب کو جواب تک ان کی نظروں سے نہیں گزرا تھا، دیکھنے کے لئے گھروں اور بازاروں سے آکر جمع ہوگئے ہیں، چاروں طرف سے پہاڑوں پر چڑھ گئے اور اس منظر کو اس طرح دیکھنے لگے، گویا خواب میں ہوں یا کسی نے انہیں مسحور کردیا ہے۔ اللہ کے رسولؐ اپنے ناقہ پر سوار کعبۃ اللہ کے قریب پہنچتے ہیں اور اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی کمان سے حجر اسود کا بوسہ لیتے ہیں اور طواف میں مصروف ہوجاتے ہیں، دوران طواف اسی کمان سے، بیت اللہ کے گرد نصب شدہ صدیوں قدیم بتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "جاالحق وزحق الباطل ان الباطل کان زھوقا" حق آگیا اور باطل مٹ گیا، کہ باطل کو تو مٹنا ہی ہوتا ہے۔" اور اس حقیقت کو ہزاروں زندہ لوگ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کہ رسول برحق کی کمان جس بت کو چھوتی ہے، وہ زمین بوس ہوجاتا ہے۔ کسی بت کی پشت پر کمان کی ضرب لگتی ہے تو وہ اوندھے منہ جا پڑتا ہے اور کسی کے پیٹ کو چھوتی ہے تو وہ اپنے بے جان پیکر کے ساتھ چت پڑا نظر آتا ہے۔ ایک بت کی آنکھ میں آپؐ نے کمان کا کونا ڈال کر گھمایا تو وہ ایک طرف ڈھلک گیا۔ اب سب سے بڑے بت ہبل کی باری ہے، آپ نے زبیرؓ کی طرف دیکھا، زبیر فوراً آگے بڑھے، انہوں نے نیچے پڑے ہوئے ایک بت

کو اٹھا کر، بتوں کے سردار پر دے مارا، مجاہد کی پہلی ہی ضرب سے ہبل، قریش کے غرور کی طرح پاش پاش ہوکر خاک میں مل گیا۔ ابوسفیان بھی قریب ہی کھڑے بدعقیدگی کا سحر پاش پاش ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ بت شکن زبیرؓ، ہبل کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے پوچھتے ہیں۔ ''اے ابوسفیان! کیا تم اسی پر ناز نہ کرتے تھے؟ اور احد کے روز بھی تم نے اسی کا نعرہ نہ لگایا تھا کہ اعلیٰ وہبل؟ تو تم نے دیکھ لیا! اعلیٰ ہبل نہیں، اللہ ہے۔'' ابوسفیان خجل ہوکر بولے۔ ''دیکھو نوجوان! تم مجھے زیادہ سرزنش نہ کرو!'' استاد صاحب نے پہلو بدلا اور کہا۔ ''اب یہ منظر بھی دیکھو کیا رقت انگیز ہے، آپؐ ملتزم سے ہم آغوش ہیں، بالکل اس طرح کہ جیسے کوئی برسوں کا بچھڑا اپنے پیارے سے آن ملا ہو۔'' یہ کہتے وقت استاد عبدالرحمٰن گلوگیر ہوگئے۔ حیان کی بھی آنکھیں بھر آئیں۔ ''اللہ اللہ، کیا کیا مناظر پیش آرہے ہیں۔ ادھر بت شکنی ہورہی ہے، حرم کو بتوں سے پاک کیا جارہا ہے، صفا کی پہاڑی پر اساف کی مورتی اور مروہ پر نصب نائلہ بت دونوں کو مسمار کیا جارہا ہے، ادھر اللہ کے رسولؐ، معمار کعبہ کی یادگار، مقام ابراہیم پر سجدہ ریز ہیں، یہاں دوگانہ طواف کعبہ سے فارغ ہوکر مسجد حرم کے ایک طرف صحن میں تشریف فرما ہوجاتے ہیں، اور بلالؓ سے فرماتے ہیں۔ ''عثمان بن طلحہ سے کہو کہ وہ کعبہ کی کلید لے کر آئے!'' حضرت بلالؓ کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کے گھر آپؐ کا ارشاد پہنچاتے ہیں۔ معلوم ہوا چابی کلید بردار عثمان بن طلحہ کی والدہ کے پاس ہے، طلب کرنے پر بولی۔ ہرگز نہیں، میں ''بیت اللہ کی چابی تمہیں کیوں دوں گی بھلا!'' بلالؓ کہتے ہیں۔ ''ٹھیک ہے، اگر کنجی نہیں دیتی ہو تو پھر مرنے کے لئے تیار ہوجاؤ!'' حضرت بلالؓ کے تیور دیکھ کر بڑھیا کے ہوش ٹھکانے آگئے۔ اور کچھ ہی دیر بعد، عثمان بن طلحہ نے چابی حضورؐ کی خدمت میں پیش کردی۔ آپؐ خود اپنے ہاتھ سے در کعبہ وا کرتے ہیں اور اللہ کا سب سے پسندیدہ بندہ اس کے پاک اور مقدس گھر کے اندر داخل ہوجاتا ہے۔ کلید بردار عثمان بن طلحہ کے علاوہ دیگر صحابہ خصوصاً عمرؓ، بلالؓ اور نوعمر اسامہؓ، دروازے پر ہی رک جاتے ہیں، دربانی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اندرون کعبہ پہنچ کر دیکھتے ہیں، مقدس دیواریں کافرانہ ذہنیت سے آلودہ ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اور حضرت اسماعیل کی شبیہیں مصور کی گئی ہیں، جو ہاتھوں میں تیر لئے ہوئے ہیں کہ ان سے کفار مکہ فال نکالتے رہے ہیں، آپؐ نے فرمایا۔ ''اللہ ان کفار کو غارت کرے، واللہ انہیں خود بھی معلوم ہے کہ ان دونوں نے کبھی تیر سے فال نہیں نکالی۔ کئی چوبی مورتیاں کبوتر کی شکل میں بھی آویزاں ہیں، آپؐ نے خود اپنے دست مبارک سے انہیں اٹھایا اور باہر پھینک دیا۔ حضرت عمرؓ اور کلید بردار عثمان بن طلحہ سے فرمایا۔ ''دیواروں پر سے ان تصویروں کو دھو دیا جائے۔'' اسامہ بن زید اور بلالؓ فوراً جاتے ہیں اور چاہ زم زم سے پانی بھر لاتے ہیں، حضرت عمرؓ اور عثمان بن طلحہ کے ساتھ ہی بنفس نفیس آپ بھی دیواروں کو دھونے میں ہاتھ بٹاتے ہیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ، عثمان بن طلحہ کو لے کر کعبہ سے باہر آجاتے ہیں، بلالؓ اور اسامہ بھی جانے لگتے ہیں، لیکن اذن پاکر وہیں رک جاتے ہیں اور غالباً آپ کا منشا ہے کہ دروازہ بند کردیا جائے۔ آج کعبہ خوشی سے سرشار ہے کہ جس خلیل نے اس کی بنیاد رکھی تھی، آج اسی کے فرزند نے اسے بتوں سے پاک کردیا ہے، آپؐ چاروں کونوں میں تکبیر بلند کرتے ہیں اور پھر اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں، نماز کی حالت میں در کعبہ پشت مبارک کی طرف ہے۔ دائیں طرف دو اور بائیں جانب ایک ستون ہے، اور تین ستون آپؐ کے عقب میں ہیں، بالمقابل کی دیوار کا

آپ سے تقریباً تین ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ نماز کے بعد، سر نیاز خم کئے دست دعا دراز کردیتے ہیں، دیر تک راز ونیاز میں مصروف رہنے کے بعد، باہر تشریف لاتے ہیں، یہاں بھی ہزاروں توحید پرستوں کا ہجوم، اپنے اپنے انداز میں رب واحد کی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہے اور توحید سے ناآشنا، رسول اللہ کو ابھی تک محمد ابن عبداللہ جاننے والوں کی ایک بڑی تعداد بھی حرم کے احاطے میں اس بات کی منتظر ہے کہ دیکھئے مسلمانوں کا صاحب ان کی قسمت کا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ لیکن ضمیر وقت سید عالم کے عفو ودرگزر کو پہچان چکا ہے۔ جیسے ہی آپؐ کعبہ سے باہر تشریف لاتے ہیں، جاں نثار اور زیادہ مودب ہوجاتے ہیں، پھر بھی شمع رسالت کے پروانے قریب پہنچنے کے لئے بے تاب ہیں، لیکن سیف اللہ نے خبردار کر رکھا ہے، آگے جانے سے روکے ہوئے ہیں۔ کعبہ کے اندر حاضری کے بعد، باہر آکر سب سے اول حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں، یہاں بھی دوگانہ ادا کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔ ''یہ قبلہ ہے۔'' پھر در کعبہ کا کنڈا پکڑ کے اپنے سامنے مجمع پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔''

استاد صاحب یکایک خاموش ہوگئے، پھر شاگرد کی طرف دیکھا۔ ''اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو آج کی مجلس یہیں موقوف کرتے ہیں۔''

''جی بہتر ہے استاد محترم!''

حیان نے فوراً سعادت مندی سے کہا۔ ''مجھے احساس ہے، آپ میری خاطر بہت تکلیف فرماتے ہیں۔''

''ارے بیٹا، تمہیں کیا معلوم، مجھے تمہاری وجہ سے کیسی سعادت حاصل ہورہی ہے کہ اس بہانے دور نبویؐ کی زیارت کررہا ہوں۔'' استاد صاحب اپنے شاگرد کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

حیان نے حجرے سے نکلنے سے پہلے، چراغ گل کردیا۔

..........(جاری ہے)..........

مجھے پسند نہیں

فتح مکہ سے قبل ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ایک دفعہ ان سے ملنے مدینہ آئے۔ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزرا، بولے:

''تمہیں اس بستر پر اپنے باپ کا بیٹھنا بھی پسند نہیں۔''

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''بے شک مجھے پسند نہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر ایک مشرک بیٹھے۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اور صرف اتنا کہا:

''تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔''

☆......☆......☆

رسولؐ اللہ کا حکم ہے

ام المومنین حضرت ام حبیبہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ فوت ہوئے تو تین دن کے بعد خوشبو منگا کر رخساروں اور بازوؤں پر ملی اور فرمایا:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ایماندار عورت کے لئے تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ جائز نہیں، سوائے خاوند کے کہ اس کی موت پر چار مہینہ اور دس دن بیوی کو سوگ کرنا چاہئے۔''

☆......☆......☆

تربیت یا غفلت؟

صبا یونس

قسط نمبر: 4

تم نے میڈم پر کیا پڑھ کر پھونکا تھا، بریک ٹائم میں مریم نے سودہ کو آلیا۔ کچھ بھی نہیں، بس دو نفل پڑھ کر اللہ رب العزت کے حضور اپنا جذبہ پیش کر کے اپنی قبولیت کی التجاء کی تھی اور پھر مکمل یقین و نتیجہ اس پر ہی کر کے کل میڈم کے پاس گئی تھی۔ سودہ نے تحمل کے ساتھ نرمی سے جواب دیا، مجھے سرپرائز دینے کے چکر میں تم نے میرا کل کا سارا دن خراب کروایا۔ مریم نے بالآخر شکوہ کیا۔ میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا تھا یا کیا تھا کہ جس سے تمہارا موڈ خراب ہو۔ سودہ کو تعجب ہوا تھا۔ ہاں تم نے کچھ نہیں کہا تھا، مگر میرے یقین میں تو کمی آنے لگی تھی ناں۔ مریم نے سوالیہ انداز میں کہا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارا یقین پہلے زیادہ بڑھوا بھی تو دیا ہے ناں۔ سودہ نے بھی اسی کے انداز میں کہا تھا۔ اس کی مہربانیوں کا تو میں احاطہ کر بھی نہیں سکتی۔ مریم نے نم لہجے میں کہا تھا۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا اس کی مہربانیوں کا احاطہ...... سودہ نے گویا اس کو تسلی دی تھی۔

اچھا ایک بات سچ سچ بتانا مریم تمہیں برا تو نہیں لگا ہمارا فیصلہ۔ عبدالرحمٰن کے ساتھ تم بہت خوش رہو گی میرے خیال میں، سودہ نے پہلے اس سے پوچھا، پھر اس کے بولنے سے پہلے ہی اس کو یقین دلایا کہ وہ مطمئن رہے۔

سچ تو یہ ہے سودہ کہ جب تک مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ میری امی میرے لئے شادی شدہ آدمی کا انتخاب کر چکی ہیں، وہ بھی صرف اس کی دولت کی وجہ سے اور اس کی پہلی بیوی بھی موجود ہے، تب تک مجھے تم پر شدید غصہ تھا، شاید اس مہربانی ذات باری تعالیٰ سے بھی میں شکوہ کناں تھی کہ ہم غریب ہیں تو کیا ہماری اتنی بھی عزت نہیں کہ ہمیں سوچنے کے لئے کچھ وقت دیا جائے حالانکہ میں خود اچھی طرح جانتی تھی کہ میری امی جو فیصلہ کر لیتی ہیں اس کے بارے میں ہم دونوں بہنوں سے رائے لینا بھی ضروری نہیں سمجھتیں، مگر پھر بھی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میری امی میری سگی میرے لئے اتنا سنگین فیصلہ کرے بیٹھی تھی، اگر رات تمہاری امی یہ باتیں مجھے نہ بتاتیں تو یقین کرو کہ میری امی کبھی بھی مجھے کچھ نہ بتاتیں، تم لوگوں کے جانے کے بعد انہوں نے مجھے بتایا، ہاں شاید وہ اپنی جگہ صحیح ہیں ان کے ساتھ جو مجبوریاں ہیں، وہ شاید انسان کو ایسا ہی کر دیتی ہیں، خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ یہ تمہاری چاہت تھی یا آنٹی کی۔ مریم نے خود ہی بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا، آج اس نے پہلی بار خود سے کھل کر سودہ کے ساتھ بات کی تھی، مگر شاید وہ خود کو بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی اس لئے بات بدل گئی۔

جب ہم لوگ تمہاری امی کی عیادت کے لئے آئے تھے تو تم امی کو اسی وقت پسند آ گئی تھیں، مگر مجھے خود بھی ابھی ایک ہفتے پہلے ہی پتہ چلا تھا کہ امی، ابو یہ سوچ کر بیٹھے ہیں، میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ اس وقت مجھے کتنی خوشی ہوئی، پھر امی نے جمعہ کے دن کا سوچا تھا، میں بھی راضی تھی، مگر پھر کل میڈیم کے پاس سے آئی تو تم نے از خود ہی جیسے سب صحیح سمجھ لیا تھا، یقین کرو کہ میرا کچھ بھی چھپانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مگر بس پھر تمہارا یقینی سا انداز دیکھ کر سوچا کہ سرپرائز دینا چاہئے وہ تو اللہ تعالیٰ کا لاکھوں شکر ہے کہ میرے والدین اتنے اچھے ہیں کہ ہر بات سمجھتے ہیں، اگر امی رات کو انکار کر دیتیں تو شاید ہم زندگی بھر افسوس کرتے رہ جاتے۔ سودہ نے تفصیل بتائی۔

یہ لڑکی میری زندگی میں کیا بن کر آئی ہے۔ اللہ پاک؟؟؟ مریم نے دل میں اللہ کو مخاطب کیا تھا۔ پہلے دن سے لے کر آج تک جب سے یہ مجھے ملی ہے میرے اندر ہی نہیں میرے اردگرد بھی ایسی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں کہ میں حیران ہوں۔

کیا سوچنے لگی ہو مریم؟؟ کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو؟ سودہ نے اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، سودہ میں تو اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ تمہاری امی جیسی عورتیں آج کے دور میں اللہ تعالیٰ کا کوئی قیمتی تحفہ لگتی ہیں۔ یقین کرو کہ اتنی چاہت میں نے کبھی اپنی ماں کی آغوش میں بھی محسوس نہ کی جیسی تمہاری امی کی آغوش میں کل تھی۔ دراصل میری امی نے ہمیشہ دنیا کو ترجیح دی ہے، میرے ابو کا پھر بھی کچھ رجحان تھا دین کی طرف، مگر امی کو تو اس بات سے بھی چڑ تھی کہ میں سر پر دوپٹہ کیوں لیتی ہوں بی اماں کی طرح۔ ان کا نظریہ عجیب ہے کہ کھل کر رہو کھل کر جیو۔ اگر میرے ابو کی زندگی تھوڑی اور ہوتی تو شاید ہماری زندگی تھوڑی مختلف ہوتی زیادہ نہیں۔ پھر امی کہتی تھیں کہ جتنی نیک بی بی بن کر رہو گی اتنے ہی رشتے نہیں آئیں گے، اب تم نے خود دیکھ لیا کہ صرف دولت دیکھ کر میری اماں وہاں ہاں کرنے کے لئے تیار تھیں، یہ سوچے بغیر کہ میرے بھی کچھ جذبات ہو سکتے ہیں۔ مریم نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔

اللہ رب العزت اپنے بندوں کے دلوں کا حال ان کے کہے بغیر بھی جانتے ہیں مریم، میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ ہم لوگ بہت اچھے ہیں، نیک ہیں مگر میں آج کی نوجوان نسل کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا لاکھوں کروڑوں بار شکر ادا کرتی ہوں کہ یہ میرے والدین کا ہی احسان ہے کہ ہمیں دنیا و آخرت کی فکر اور اہمیت کا احساس بچپن سے ہی دیا وگرنہ...... خیر تم دل پر مت لو اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ اس مہربان ذات نے تمہیں بھٹکنے سے بچا لیا اور اپنی امی سے بھی بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، وہ تنہا دو بیٹیوں کی کفالت کرنے والی ہیں، معاشرے میں عزت سے وقار سے جینے کے لئے انسان بہت کچھ کرنے پر مجبور ہوتا ہے، پھر ان کا کوئی بیٹا بھی نہیں اور پھر اللہ کریم رحیم نے دیکھو کہ تمہیں بہت سے لوگوں سے اچھے حال میں رکھا ہوا ہے، گھر تم لوگوں کا اپنا ہے، دکانیں اپنی ہیں، جن کے کرائے سے تم لوگوں کو بہت سہارا لگا ہوا ہے اور اب کل تمہاری امی نے بتایا کہ تمہارے گھر کے اوپر بھی پورا پورشن بنا ہوا ہے، اب وہ اس کو بھی کرائے پر دیں گی، تاکہ تم دونوں کے لئے کچھ بہتر بنا سکیں مریم!! میرا یقین کرو کہ تم خوش قسمت ہو کہ تمہاری امی نے تمہیں چھوڑ کر صرف اپنے لئے نہیں سوچا، وگرنہ تم خود سوچو کہ جس وقت تمہارے ابو کا انتقال ہوا تم صرف مڈل کر رہی تھیں، تمہاری امی اس وقت بھی اتنی پرکشش اور پروقار لگتی ہیں تو اس وقت تو بالکل ینگ لگتی ہوں گی، لوگوں کی کیسی کیسی باتوں کا سامنا کیا ہوگا خود کو کس طرح سنبھالا ہوگا تم دونوں کے لئے۔ اگر وہ خود دوسری شادی کر لیتیں تو تم سوچو کہ آج تم دونوں کہاں ہوتیں۔ میری جان!! ہمیشہ

منفی پہلو پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہئے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے دین سے زیادہ دنیاداری پر زیادہ زور دیا اس کی وجہ یہ ہو کہ تم دونوں میں آج کے دور کے مطابق دنیا کے، لوگوں کا، حالات کا سامنا کرنے کی ہمت و حوصلہ پیدا کر سکیں، میں تو جب پہلی بار تمہارے گھر آئی تب بھی وہ نماز پڑھ رہی تھیں، اتنی بری حالت ہونے کے باوجود بھی اور کل بھی وہ نماز ہی پڑھ رہی تھیں، اگر ان کی نظر میں، دل میں دین کی اہمیت نہ ہوتی تو وہ اپنے نفس کی تسکین کے بہت ذرائع ڈھونڈ سکتی تھیں۔

سودہ نے مریم کا ہاتھ پکڑ کر بہت نرمی اور پیار سے یہ سب کہا تو مریم کو لگا کہ وہ اب بولنے کے قابل نہیں ہے۔ سودہ نے آج اس کے لئے نئے در وا کئے تھے سوچوں کے۔ وہ حیران تھی کہ انسان کی سوچ اتنی وسیع بھی ہوسکتی ہے کہ دوسروں میں صرف اچھائی تلاش کرے اور اس کی ہر برائی، ہر غلطی کو اس طرح نظر انداز کرے کہ دوسروں کو بھی صرف اس کی اچھائی نظر آئے۔ یا اللہ جو انسان دوسروں کو راہ راست پر لانے کے لئے اتنا وسیع القلب، وسیع النظر ہوسکتا ہے تو اس کا اپنا تعلق آپ کے ساتھ کیسا ہوگا؟ مریم بے دھیانی میں سودہ کو تک رہی تھی اور اس کے خیالات پر اس وقت اس کو اختیار نہ تھا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اگلے دن اسمبلی کے بعد سودہ نے مائیک میں سلام کیا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! پورے اسکول نے ایک آواز میں جواب دیا تو آواز کی گونج بہت دور تک سنائی دی۔ سودہ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھولیا۔

آپ میں سے کل ظہر کی نماز سے لے کر آج صبح فجر تک کی ساری نمازیں جس جس بچے نے پڑھی ہیں وہ کھڑے ہوجائیں، بچوں میں عجیب سی افراتفری سی ہوگئی، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ بچوں نے اس بات کو خاص اہمیت نہ دی تھی اور سودہ کو بخوبی اندازہ تھا کہ کوئی بھی کام کرنے کے لئے اس کی اہمیت کا احساس کتنا ضروری ہے؟؟ آپ سب سکون سے بیٹھ جائیں۔ سودہ نے نرمی سے کہا۔ جس کام کی ابھی ابتدا بھی نامکمل تھی، وہ اس کام کے لئے سختی سے کام کیونکر لے سکتی تھی، اس طرح تو ان بچوں کے دین سے متنفر ہونے کا اندیشہ تھا اور اسلام میں جبر نہیں ہے، ہاں جب ایمان دل میں اتر جاتا ہے تو اسلام بن کر ظاہر ہونا شروع ہوجاتا ہے اور سودہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان ننھے معصوم دل و ذہن میں ایمانیات کو اجاگر کرنا تھا، جس چیز کی اہمیت کا احساس جتنا شدید ہوتا ہے وہ چیز بھی اتنی ہی عزیز ہوتی ہے۔ جیسے آج ان بچوں کو اس دنیاوی اہمیت کا احساس خوب شدت سے دلایا جارہا ہے تو آج کی نسل میں دنیا کی دولت و تعلیم، عزت، دنیاداری بھی اتنی ہی عزیز ہے۔ اگر ان بچوں کو ایمان کی اہمیت کا احساس بھی اسی شدت سے دلایا گیا ہوتا تو یقیناً آج ان معصوم وجودوں سے اسلام کے اہم ترین ارکان بھی اسی طرح سرزد ہورہے ہوتے جس طرح انہیں اپنی تعلیم کے میدان میں اپنا ریکارڈ بنانے کی جستجو تھی، جس طرح انہیں اپنے گھروں سے محبت تھی جس طرح انہیں اپنے والدین کی دنیاوی حیثیت سے احساس برتری کا احساس ہوتا تھا۔

سودہ نے کچھ سوچ کر میڈم کے پاس آکر کچھ بات کی۔ پہلے میڈم کو کچھ تامل ہوا پھر سودہ نے چند سیکنڈ بات کی تو میڈم نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا، مریم جو کچھ فاصلے پر تھی سودہ کو اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے دیکھ چکی تھی اور سودہ نے میڈم سے آدھا گھنٹہ بات کرنے کی اجازت طلب کی تھی، پہلے میڈم سوچ میں پڑ گئیں پھر اس نے دیکھا کہ سودہ نے کچھ کہا اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں اس پر میڈم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کے ساتھ اجازت دی۔ انسان کے جذبات جس بھی مقصد کے لئے سچے خالص ہوں، انسان اس کو پانے کے لئے اپنی عزت کا بھی خیال نہیں کرتا اور سودہ کے جذبات تو تھے ہی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سوئے ہوئے لوگوں کے دلوں میں ایمان کے جذبات بیدار کرنا۔ پھر جب اللہ، انسان کے دنیاوی مقاصد کے حصول میں مدد کرتا ہے اس کا مقصد اس کی خواہش کو پورا کرنا ہے تو پھر کیا وجہ ہو کہ انسان اپنی زندگی اس کے لئے وقف کرے اور اللہ اس کی مدد نہ کرے؟؟؟ مریم نے سودہ کو دیکھتے ہوئے غیر ارادی طور پر اس کے جذبات کو سراہا تھا اور سودہ بے خبر تھی۔

معزز بچوں! اس زمانہ میں دین کی طرف سے جتنی بے توجہی اور بے اتفاقی کی جارہی ہے وہ محتاج بیان نہیں حتیٰ کہ اہم ترین عبادت "نماز" جو بالاتفاق سب کے نزدیک ایمان کے بعد تمام فرائض پر مقدم ہے اور قیامت میں سب سے اول اسی کا مطالبہ ہوگا، اس سے نہایت غفلت اور لاپروائی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے، سب سے اول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا یعنی اس بات کی گواہی دینا، اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد نماز قائم کرنا، پھر زکوٰۃ ادا کرنا، پھر حج کرنا، پھر رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جل شانہ نے میری امت پر سب چیزوں سے پہلے نماز فرض کی اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا، ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، مزید فرمایا کہ آدمی کے اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل ہے، سودہ نے سامنے نظر اٹھا کر دیکھا تو صرف بچے ہی نہیں بلکہ تمام ٹیچرز بھی بہت غور اور توجہ سے اس کی بات سن رہی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایمان اور نماز سے افضل فرض نہیں کی، اگر اس سے افضل کسی اور چیز کو فرض کرتے تو فرشتوں کو اس کا حکم دیتے، فرشتے دن رات کوئی رکوع میں ہے، کوئی سجدے میں، مزید فرمایا کہ نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے اور فرمایا کہ نماز مومن کا نور ہے، مزید فرمایا کہ جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں، جب وہ نماز سے ہٹ جاتا ہے تو اللہ بھی توجہ ہٹا لیتے ہیں، مزید فرمایا کہ نماز جنت کی چابی ہے اور مزید فرمایا کہ جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اور اس نمازی کے درمیان پردے ہٹ جاتے ہیں، جب تک کہ وہ کھانسی وغیرہ یعنی توجہ ہٹا لینے والی چیز میں مشغول نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے جس حصے پر نماز کے ذریعے سے اللہ کی یاد کی جاتی ہے وہ حصہ زمین کے دوسرے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہے، مزید فرمایا کہ جو شخص تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے جس کو اللہ اور اس کے فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے تو اس کو جہنم کی آگ سے بری ہونے کا پروانہ مل جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہے، رکوع و سجود اور وضو وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ اچھی طرح سے پورا کرتا رہے، جنت اس کے لئے واجب ہوجاتی ہے اور دوزخ اس پر حرام ہوجاتی ہے، مزید فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل نماز کو اول وقت میں پڑھنا ہے۔ پیارے بچوں! آپ کو ان تمام احادیث سے یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ آگئی ہوگی کہ نماز کی کیا اہمیت ہے، حالانکہ یہ اللہ کا ہمارے لئے حکم ہے، یعنی فرض بھی ہے، مگر اللہ کی رحمت دیکھیں کہ فرض ادا کرنے پر بھی وہ ہمیں بے انتہا انعامات سے نواز رہا ہے اور اگر اس فرض میں ہم کوتاہی کریں اس کو اس کے وقت پر ادا نہ کریں اس کی اہمیت کو نہ سمجھیں تو ہم لوگ سوائے اپنے نقصان کے اور کچھ نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک فرض نماز بھی جان

بوجھ کر چھوڑ دے، اس کا نام جہنم کے دروازے پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے اگرچہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسی (۸۰) برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوئی) بچوں کیا آپ لوگوں کو سمجھ آیا کہ قیامت کے حساب سے ایک نماز جو ہم بعد میں قضا بھی ادا کر لیتے ہیں اس کا عذاب کتنا زیادہ ہوگا، سودہ نے سارے بچوں پر نظر ڈال کر پوچھا تھا، جب بچوں کی طرف سے کوئی رسپانس نہ آیا تو اس نے اپنی بات پھر دہرائی کہ دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس یعنی سال۔ سودہ ساتھ ساتھ بچوں کے تاثرات کو بغور دیکھ رہی تھی کہ جزا و سزا کا سن کر بچے کیا محسوس کر رہے ہیں اور اس وقت سب بچوں پر ایک ایسی عجیب کیفیت طاری تھی کہ سودہ کو محسوس ہوا کہ اس کو بہت زیادہ محنت نہ کرنا پڑے گی اور یہ سب بچے بھی عمر کے اس حصے میں تھے جب سیکھنے کا مرحلہ ہوتا ہے، صحیح غلط کا فیصلہ تو اس کے بعد والی عمر کا حصہ ہوتا ہے اس عمر میں تو ہر بات دل کے اندر اتر جاتی ہے گویا ذہن پر لکھی جاتی ہے، اس وجہ سے تو سودہ کا دکھ بڑھ جاتا تھا کہ جب ان بچوں کے دلوں پر دماغوں پر اللہ کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع کا سبق لکھا جانا تھا تب یہ بچے دنیا کی بھاگ دوڑ سیکھ رہے تھے اگر یہی چھوٹی چھوٹی احادیث والدین اپنے بچوں کو ہر نماز کے وقت باور کروائیں یا رات کو سوتے وقت تھوڑی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بات کریں تو یقیناً مسلمانوں کا کل کبھی بھی تباہ نہ ہوگا، کوئی بھی مسلمان اپنی آخرت سے غافل نہ ہوگا کوئی بھی مسلمان مقصد حقیقی عبدیت الٰہی سے غافل نہ ہوگا، کوئی بھی مسلمان سنتوں کی اہمیت سے بے خبر نہ ہوگا، سودہ سوچ رہی تھی کہ ان بچوں کو اس نے کتنے ہی اہم باب یاد کروانے ہیں ان بچوں کے آخری لمحات تک کام آنے تھے۔ ہاں تو بتا رہی تھی کہ...... سودہ نے بغور تمام بچوں کا جائزہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی آپ نے ایک نماز قضا پڑھ لینے کے بعد بھی دو کروڑ اٹھاسی سال تک جہنم میں سزا ہوگی، سب بچوں نے ایک میں جواب دے کر ثابت کر دیا کہ وہ مکمل طور پر اس جانب ہی متوجہ ہیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کہ یہ کہو کہ اے اللہ ہم میں سے کسی کو شقی محروم نہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو شقی محروم کون ہے؟؟ صحابہ کرامؓ کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شقی محروم نماز کا چھوڑنے والا ہے، اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں، ایک اور حدیث میں ہے جان بوجھ کر بلا عذر نماز چھوڑنے والے کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت میں التفات ہی نہ فرمائیں گے، التفات کے معنیٰ ہے کہ توجہ نہ دیں گے دیکھیں گے بھی نہیں اور اس کو دکھ دینے والا عذاب دیا جائے گا۔ ایک اور حدیث میں نقل کیا ہے کہ دس آدمیوں کو خاص طور پر عذاب ہوگا، ان میں سے ایک نماز چھوڑنے والا بھی ہے، نماز چھوڑنے والے کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور فرشتے اس کے منہ اور پشت پر مار رہے ہوں گے، جنت کہے گی کہ میرا تیرا کوئی تعلق نہیں نہ تو میرے لئے نہ میں تیرے لئے۔ دوزخ کہے گی کہ آجا میرے پاس آجا تو میرے لئے اور میں تیرے لئے اور حدیث مبارکہ میں یہ بھی ہے کہ جہنم میں ایک واذی ہے یعنی جنگل جس کا نام "لم لم" اس میں سانپ ہیں جو اونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہیں اور ان کی لمبائی ایک مہینہ کی مسافت کے برابر ہے، اس میں نماز چھوڑنے والوں کو عذاب دیا جائے گا۔ ایک اور دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک میدان جس کا نام جب الحزن ہے وہ بچھوؤں کا گھر ہے اور ہر بچھو خچر کے برابر بڑا ہے، وہ بھی نماز چھوڑنے والوں کو ڈسنے کے لئے ہیں، اب مجھے بتاؤ کہ کیا آپ لوگ نماز چھوڑو گے، سودہ نے بہت جوش سے نم آواز کے ساتھ احادیث بتانے کے بعد پوچھا۔ نہیں، سب نے مل کر پھر ایک آواز میں جواب دیا تو سودہ نے کہا، ان شاء اللہ کہو سب، جس کام کے لئے ان شاء اللہ کہو اور ارادہ بھی سچا ہو کرنے کا تو اللہ پاک اس کام کو کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ پھر سب نے اسی انداز میں ان شاء اللہ کہا تو سودہ نے مزید بات کرنے کا ارادہ کل کے لئے ملتوی کر دیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ ننھے معصوم وجود ضرورت سے زیادہ بوجھ محسوس کریں۔ ہاں جہاں وہ رب سزا دینے پر قادر ہے وہاں وہ بہت رحیم مہربان بھی تو ہے اپنے بندوں پر، ہاں وہ یہی چاہتی تھی کہ یہ بچے اس بات کو اپنے دل میں بٹھالیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی پر کڑی سے کڑی سزا دے سکتا ہے، کہیں سختی کام کرتی ہے تو کہیں نرمی اور سودہ کو اس معاملے کے اتار چڑھاؤ کو مدنظر رکھ کر ہی اس کو آگے بڑھانا تھا، اس کی خواہش تھی کہ ان بچوں کے دلوں میں اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اتر جائے اور اسی محبت کی خاطر یہ اپنی زندگی صحابہ کرامؓ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل کے لئے قربان کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ زندگی کے معاملات، اخلاقیات میں صحابہ کرام کا نمونہ بن جائیں۔ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے مگر اس وقت جب گھروں میں ٹی وی کے بجائے فضائل اعمال، کرامات صحابہ اور حیات صحابہ کرامؓ جیسی کتب کی روز تعلیم ہو جب گانوں کے بجائے دل میں اتر جانے والے بیانات سنیں جائیں، جب گنگنانے کے بجائے کلمہ کی تکرار کی جائے، اللہ کی بڑائی بیان کی جائے۔ اپنے فضول شوق کے بجائے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ ہاں جب والدین اللہ کے ہر حکم کی پاسداری کرنے والے ہوں تو نیک سعادت مند اولاد اللہ ان کو کیوں نہ عطا کرے۔ جب پڑوسی کے حقوق سنت کے مطابق ادا کئے جائیں۔ جب حضرت عمرؓ کی طرح ہر امتی یہ فکر لے کر جئے کہ مخلوق خدا میں سے اس وقت کسی کو میری ضرورت تو نہیں؟ اس وقت جب والدین اپنے بچوں کو یہ سبق سکھائیں کہ کسی کے مشکل وقت میں کام آنے سے اللہ اس کی آخرت کی مشکلات کو آسان کریں گے۔ جب ہم یہ سیکھ لیں کہ کھانا زندہ رہنے کے لئے کھانا چاہئے نا کہ کھانے کے لئے۔ جب حلال روزی نہ ہونے پر بھوکے رہنے کو ترجیح دی جائے۔ جب نماز کو ترک کرنا اعلانیہ گناہ سمجھا جانے لگے۔ آہ!! کتنی پستی کا شکار ہے اس وقت امت محمدیہ حالانکہ یہ امت تو سر اٹھا کر جینے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ یہ امت تو وہ امت ہے جس کی خواہش نبیوں نے کی۔ آج اس نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثا کو کیا ہوا، ہم تو امر بالمعروف نہی عن المنکر کے لئے پیدا کئے گئے، ہمیں تو خیر امۃ کا خطاب ملا پھر کیسے، آخر کیسے ہم اپنے سبق بھول گئے جو سبق ہم خود بھول گئے وہ ہم تمام عالم کو کیسے یاد کروائیں گے؟؟

☆......☆......☆

امی آپ نے عبدالرحمٰن کو بتا دیا کہ آپ نے اس کی بات طے کر دی ہے، اگلے دن اتوار تھا، صبح ناشتے کے بعد سودہ آسیہ صاحبہ کے ساتھ سبزی بنوا رہی تھی، ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھی، تب اس نے اچانک یہ بات بھی پوچھی۔ ہاں بیٹا، جب تمہارے ابو سے بات کی تھی تو اگلے دن عبدالرحمٰن کو بھی بتا دیا تھا، اتفاق کہو یا قدرت کا فیصلہ کہ عبدالرحمٰن نے مریم کو اس دن دیکھ لیا تھا جب ہم اس کی امی کو اسپتال لے کر گئے تھے، تو میرے پوچھنے پر اس کے چہرے پر رضامندی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور اس سے بڑھ کر رضامندی کیا ہوگی، آسیہ صاحبہ نے بہت پیارے لہجے میں ساری بات اس کو بتائی، مگر پھر جانے کس خیال کے تحت سودہ سے پوچھا کہ کیا مریم نے کچھ

کہا ہے؟؟ نہیں امی، اس نے تو کچھ بھی نہیں کہا، میں تو بس حیران ہوں کہ والدین کو اولاد کے بالغ ہونے کے بعد اس سے بات چیت کرنی چاہئے تا کہ بچوں کی غلط بات پر اصلاح ہو سکے، اولاد سے مشورہ کرنا چاہئے جس طرح آپ اور ابو ہم چاروں سے کرتے ہیں، آخر والدین ہی تو اولاد کو اچھا برا سمجھاتے اور سکھاتے ہیں اور پھر اولاد کو اگر گھر میں مکمل اعتماد ملا ہوا ہو تو اولاد معاشرے میں سر اٹھا کر چلنے کا حوصلہ رکھتی ہے، سائرہ آنٹی کے بارے میں سن کر بہت عجیب لگا لیکن میں نے پھر بھی مریم کو یہی کہا کہ وہ اپنی امی کی جگہ خود کو رکھ کر سوچے تو شاید اس کو وہ اپنی جگہ درست لگیں دراصل امی میں نہیں چاہتی کہ مریم کا محترم رشتوں پر سے اعتبار اٹھے اور ماں سے بڑھ کر بھی بھلا کوئی رشتہ ہو سکتا ہے۔ سودہ نے تائید طلب نظروں سے ان کی جانب دیکھا تھا۔ ہاں بیٹا کہہ تو تم ٹھیک ہی رہی ہو مگر سچ یہ ہے کہ آج ہم مسلمانوں پر اپنے اعمال کی وجہ سے یہ پستی آئی ہے ابھی وہ مزید بات کرتیں مگر ڈور بیل کی آواز کی وجہ سے ان کو بات ادھوری چھوڑنی پڑی۔

پتہ نہیں یہ عبدالباسط بھی کہاں رہ گیا ہے انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

جی پلیز آپ اندر تشریف لایئے، سودہ نے کچن میں اپنی والدہ کی آواز سنی اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتی کہ دیکھے کون ہے آسیہ صاحبہ کی آواز پھر آئی کہ آپ برا نہ محسوس کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں، مجھے آمنہ نسیم ملک کہتے ہیں، سودہ نے اپنے اسکول کی میڈم کی آواز سنی تو بے ساختہ وہ کچن سے باہر نکلی، آسیہ صاحبہ ان کو بیٹھک تک لے جا چکی تھیں، یقیناً باقی کے تعارفی مراحل وہیں طے ہو جانے تھے، وہ کشمکش میں پڑ گئی کہ اندر جائے یا نہ جائے۔ پھر اس کو خیال آیا کہ اگر وہ اندر چلی گئی تو ان کی خاطر تواضع کون کرے گا پھر اس نے جویریہ کو بلایا اور اپنے ساتھ کام میں لگا کر بھرپور خاطر تواضع کا سامان تیار کیا جس میں فریش جوس، پھل، سینڈوچ، کریم رول، پراٹھے آملیٹ اور چنوں کے ساتھ چونکہ ابھی صبح کے گیارہ ہی بج رہے تھے سو اس نے اپنی طرف سے ناشتہ اور اس کے درمیانی خاطر تواضع کا سامان تیار کر لیا تھا، پھر اندر ٹرالی لے جاتے ہوئے اس نے جویریہ کو چائے بنانے کا بھی کہہ دیا تھا۔

السلام علیکم میڈیم! سودہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے ادب سے سلام کیا تھا۔

وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو بیٹا، وہ اس وقت اسکول میں موجود میڈم سے یکسر مختلف کوئی عورت تھیں، نرم لہجہ محبت سے بھرپور، شفقت چھلکتی ہوئی ان کے انداز سے نمایاں تھی۔ اللہ پاک سب کو ایسی ہی اولاد سے نوازے، میڈم نے اپنے برابر بیٹھی سودہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ پھر سودہ نے اٹھ کر سب سامان میز پر منتقل کر دیا۔ امی میں چائے بھی ابھی لے کر آتی ہوں یہ کہہ کر وہ باہر آ گئی، پتہ نہیں میڈیم کیا کرنے آئی ہیں؟ اگر اس وقت میری کوئی کولیگ میڈم کو دیکھ لے تو شاید یقین نہ کر پائے کہ یہ وہی میڈم آمنہ نسیم ملک ہیں جن کے ہونٹوں پر شاید کسی نے مسکراہٹ دیکھی ہو۔ ہر انسان کے اندر ایک نرم دل انسان چھپا ہوا ہوتا ہے جو ہر کسی کو نظر نہیں آتا۔ آپی میڈم کو آج ہمارے گھر کی یاد کیوں آ گئی ہے؟ جویریہ ابھی تک حیران تھی۔ معلوم نہیں، خیر امی بتا دیں گی تم جلدی چائے تیار کر لو یہ بسکٹ نمکو اور کیک میں نے سیٹ کر دیئے ہیں اندر دے آنا۔ میں نہانے جا رہی ہوں، سودہ نے برتن ٹرالی پر رکھتے ہوئے اس کو کہا اور اپنا کام مکمل کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ماشاء اللہ، جویریہ اندر چائے لے کر گئی تو میڈم کو سلام کیا اور ان کے سامنے سر جھکا دیا، یہ سبق ان کی ماں کا پڑھایا ہوا تھا، چاروں بہن بھائی کسی بھی بزرگ سے ملتے تو سلام کرنے کے بعد پیار لینے کے لئے سر ہلکا سا ان کے سامنے جھکا دیتے تھے، جیسا کہ عام طور پر معزز

گھرانوں کی روایت ہے اور کتنی بیٹیاں ہیں آپ کی میڈم نے پوچھا، بس یہی دو بیٹیاں ہیں اور دو ہی بیٹے ہیں، پھر کچھ دیر بعد جویریہ بھی باہر آ گئی اور پڑھنے میں مصروف ہو گئی، وہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی اور جس اسکول میں وہ پڑھتی تھی، وہاں میٹرک تک حفظ القرآن کی بھی سہولت تھی، یوں وہ ساتھ ساتھ حفظ بھی کر رہی تھی، اگرچہ سودہ نے الگ سے وقت لگا کر حفظ کیا تھا مگر جب اب ایسی سہولت اسکول کی تعلیم کے ساتھ میسر تھی تو اس کے والدین کیوں اپنے بچے کو محروم رکھتے۔

آپ کا بیٹا آپ کے پاس ہے یا اپنے والد کے پاس۔ آسیہ صاحبہ نے میڈیم سے پوچھا۔ پہلے تو وہ وہیں ایران میں اپنے والد کے پاس تھا مگر دو سال سے یہیں ہے میرے پاس۔ دراصل میرے شوہر شادی سے پہلے ہی اس عورت کو پسند کرتے تھے جس سے انہوں نے مجھ سے شادی کے دو سال بعد ہی شادی کر لی تھی، مگر ہم آپس میں کزن تھے، ملک ہیں تو جائیدادوں کو باہر نہ دینا پڑے اسی وجہ سے آپس میں شادیاں کرتے ہیں۔ میرے اور ان کے والد آپس میں بھائی بھائی تھے تو ان کے بہت اصرار کے باوجود بھی ان کی مرضی کی شادی کے لئے نہیں مانے جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو ان کے والد نے دھمکی دے دی کہ وہ جائیداد سے عاق کر دیں گے، اب ظاہر ہے کہ وہ تہی دست و داماں تو کسی سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور پھر انہی کی وجہ سے بہت جلدی ہماری شادی ہو گئی، پھر ایک سال بعد جب احمد میری گود میں آیا تو انہوں نے کام کا بہانہ کر کے ایران جا کر اس سے شادی کر لی، یہاں بھی وقت دیتے تھے مگر ان کی دنیا تو جیسے وہیں بس گئی تھی، پھر اوپر نیچے میری دو بیٹیاں ہوئیں۔ پھر بھی ان کو نہ میرا خیال تھا، نہ بچوں کا، مگر میں کیا کر سکتی تھی کہ شرعی لحاظ سے انہوں نے مجھے کسی چیز کی کمی نہ کی تھی، مال و دولت، گھر بار، اولاد عزت پھر اس میں کیا شکوہ کرتی۔ پھر پتہ چلا کر وہاں دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے تو انہوں نے بہت اصرار کیا کہ ساتھ رہ لیں، مگر میں اپنے بچوں کے مستقبل کے لئے نہ مانی، پھر بالآخر بہت جتن کر کے وہ بیٹے کو لے گئے۔ میٹرک کے فوراً بعد میں نے اپنی دونوں بیٹیوں کی شادیاں کر دی تھیں۔ یہ اسکول میرے شوہر کا ہی بنوایا ہوا تھا، جب وہ میرے ساڑھے تین سالہ بیٹے کو مجھ سے دور لے گئے تو میں نے از خود ہی یہ اسکول سنبھال لیا۔ میڈم آمنہ نے کچھ توقف کیا پھر دوبارہ مدعا بیان کیا جس کے لئے وہ یہاں آئی تھیں جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی پہلی بار کسی کے سامنے کھول کر رکھی تھی۔

دیکھیں آمنہ بہن یہ آپ کا پیار ہے کہ آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا، مگر میں یہی عرض کروں گی کہ میں اپنے شوہر سے بات کروں گی، پھر ہی آپ کو کوئی معقول جواب دے سکوں گی، آسیہ صاحبہ نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھام کر کہا تھا، ان کو ان سے ہمدردی تھی، کسی کو دیکھ کر کوئی بھی شخص کوئی بھی رائے قائم کر لیتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ بظاہر جو شخص جیسا نظر آ رہا ہے اس کے ایسا نظر آنے کے پیچھے کیا وجوہات ہیں، جب کوئی بہت اپنا آپ کا دل توڑے، اعتماد توڑے تو دوسروں پر سے خود بخود اعتماد اٹھ جاتا ہے، شاید میڈم آمنہ اتنی تلخ بھی نہ ہوتیں اگر ان سے ان کا بیٹا دور بھی نہ گیا ہوتا، بظاہر دوسروں کو ان کے چہرے پر جو سختی نظر آتی تھی وہ ان کا خود پر چڑھایا ہوا خول تھا کہ کوئی ان کی ذاتیات میں دخل اندازی کی کوشش نہ کرے اور پھر یہ خول اسکول کے اصولوں کو پورا کرنے میں اضافی معاون بنا رہا۔ اب بائیس سال بعد ان کے اس خول کو سودہ نے چٹخایا تھا تو وہ اپنے بیٹے کے لئے اسی کی امیدوار بن کر آ گئیں، جہاں بچوں کی اپنی اولاد کی بات ہو وہاں ہر انسان اپنے لئے ہر مثبت پہلو ہی سوچتا ہے مگر میڈم آمنہ اپنے بیٹے کی بکھری ہوئی شخصیت میں سلجھاؤ لانا چاہتی تھیں، ان کے شوہر نے بیٹے کو لے کر اپنی بیوی کے حوالے کر دیا اور وہ کوئی بہت شریف دیندار

سلجھی ہوئی تو نہ تھی کہ اس کی تربیت پر توجہ دیتی، بے جا لاڈ پیار وقت سے پہلے ہر چیز کا مل جانا بھی انسان کو بگاڑنے کا بہت بڑا ذریعہ بنتا ہے، پھر وہ خود شادی شدہ ہو کر بھی صرف اپنے شوہر کی نہ تھی تو پھر اس بچے کو یہ سبق کیسے سکھاتی کہ لڑکیوں سے دوستی گناہ ہے، غلط ہے، وہ ہاں ایران جاتا تو خود کو آزاد محسوس کرتا اور یہاں اپنی ماں کے پاس پاکستان آتا تو خود کو قیدی سمجھتا۔ دو متضاد ماحول، یہی وجہ تھی کہ آمنہ میڈم چاہتیں تھیں ان کی بہو ایسی ہو کہ میرے بیٹے کو گھر کا اصل مفہوم سمجھ آ جائے، گھر کے سکون کی اہمیت کو سمجھ سکے اب وہ دو سال سے پاکستان میں تھا اپنی ماں کے پاس تو آمنہ میڈیم کے بے حد اصرار پر نماز پڑھ لیتا تھا اور سودہ کا جذبہ دیکھ کر ان کو لگا کہ گوہر نایاب ان کے ہاتھ آ گیا ہے۔ یہی بات انہوں نے آسیہ صاحبہ کو کہی کہ میرے بیٹے کے لئے رشتوں کی کمی نہیں ہے مگر میاں بیوی کے رشتے کا تقدس، اولاد کی ذمہ داریاں، والدین کے ساتھ برتاؤ، یہ سب کوئی بھی میرے بیٹے کو عملی زندگی سے نہیں سکھا سکے گا، سودہ کو یہ ملکہ قدرت نے عطا کیا ہے، پھر اس کا نرم انداز مخاطب کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب وہ اس کی بات ماننے پر مجبور ہوا اور کب اس کی بات دل کی تہہ تک اتر گئی۔ آسیہ بہن آپ کو اللہ کا واسطہ مجھے انکار مت کیجئے گا، میں نے اپنی بیٹیوں کی تربیت اسلامی خطوط پر کی ہے، آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ میں ایک اسکول کی میڈم ہو کر شرعی پردہ کرتی ہوں، بہت زیادہ نہیں تو ہمیں بھی بہت کچھ وراثت میں ملا ہے دینی لحاظ سے۔ جس اسکول کو میں چلا رہی ہوں اس کی پچھلی سائیڈ پر مدرسہ ہے میرے سسر خود حافظ تھے، میرے والد نیب بھی حفظ کیا ہوا تھا عالم بننے کا ان کو شوق تھا مگر ذمہ داریوں کی وجہ سے بس ترجمہ تفسیر ہی پڑھ سکے تھے۔ اس لئے میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ سودہ کو یہاں سے بالکل برعکس ماحول نہیں ملے گا۔

............(جاری ہے)............

امسال فاضل ہونیوالی بہنوں کے نام

جو گزرے ہیں یہاں پر روز شب وہ یاد آئیں گے
وہ جب جب یاد آئیں گے ہمیں پھر رلائیں گے
جہاں ہم لوگ مل جل کر قرآن کا درس سنتے تھے
جہاں ہم لوگ گھل مل کر حدیث پاک پڑھتے تھے
وہ جگہیں یاد آئیں گی وہ کمرے یاد آئیں گے
جہاد و تزکیہ و علم کی یاں پاسبانی ہے
مدارس میں یہ اشرف ہے یہی اس کی نشانی ہے
جسے ہم یاد کر کے باخدا آنسو بہائیں گے
عمل کرنا ہے مقصد علم کے پڑھنے پڑھانے کا
وگرنہ فائدہ کیا ہے مدرسہ آنے جانے کا
کریں یہ عزم جو ہم نے پڑھا کر کے دکھائیں گے
سند لے کر یہ مانا عالموں کی صف میں شامل ہیں
مگر انوار علم باطنی کیا ہم کو حاصل ہیں؟
جو ہیں علم و عمل میں فاصلے کیسے مٹائیں گے
بزرگوں کی اگر صحبت نہیں ہم نے اٹھائی ہے
سمجھئے عمر گویا مفت میں اپنی گنوائی ہے
عمل میں اپنے ہم اخلاص آخر کیسے لائیں گے
مبارک ہو تمہیں اگر توصیف پہنچی ہو
معافی چاہتے ہیں ہم اگر تکلیف پہنچی ہو
جدا تم روٹھ کر ہوں گی تو ہم کیسے منائیں گے
تمہاری اس جدائی سے ہمارا حال ابتر ہے
کوئی چارہ نہیں بہنوں بس یہی اپنا مقدر ہے
ہم تقدیر پر راضی رہیں گی مسکرائیں گے
نہ پوچھو مدرسے کی رت یہاں کیسی سہانی تھی
کبھی تو کوئی قصہ تھا کبھی کوئی کہانی تھی
جو گزرے ہیں یہاں پر روز و شب وہ یاد آئیں گے
وہ جب یاد آئیں گے ہمیں پھر رلائیں گے

(مراسلہ:......باد صبا، مدرسہ امینہ، چھاچھرو، تھرپارکر)

امت کا سب سے بڑا مسئلہ نوجوانوں میں سستی کی عادت ہے

معلمہ تحفیظ القرآن

محترمہ سعاد الدالہ احمد

سے یادگار ملاقات

انٹرویو: راحت ارشد حسین

اریٹیریا کی محترمہ سعاد الدالہ احمد مدینہ منورہ میں قائم لڑکیوں کے ایک مدرسے "دار الصالحات" میں "تحفیظ القرآن" کے شعبے میں معلمہ ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک بھی مدینہ منورہ میں حفظ کیا اور اب کئی سال سے یہاں لڑکیوں کو کلام الٰہی حفظ کروا رہی ہیں۔ ایک یادگار ملاقات میں ان سے ان کے اپنے شعبے اور مسلمانوں کے موجودہ حالات پر بڑی چشم کشا گفتگو رہی۔ سعاد الدالہ احمد نہ صرف دین کے حوالے سے ایک باعمل خاتون ہیں بلکہ امت کی مجموعی حالت پر بھی ان کی نظر بہت گہری ہے، تو آئیے سعاد صاحبہ سے ملتے ہیں۔

س: کچھ اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں بتائیں؟

ج: ہم لوگ اریٹیریا کے رہنے والے ہیں جو افریقہ کا ایک ملک ہے۔ ہمارے آباء و اجداد سب اریٹیریا ہی کے تھے۔ میرا پورا ددھیال و ننھیال اریٹیریا ہی کا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد کا پیشہ کھیتی باڑی اور کاشت کاری تھا مگر میرے والد صاحب الدالہ احمد نے سونے کے زیورات اور اس سے متعلق کام سیکھا۔ 1975ء میں جب اریٹیریا میں خانہ جنگی ہوئی اور مسلمانوں کے لئے بہت مشکل حالات ہو گئے تو ہمارا خاندان وہاں سے ہجرت کر کے سوڈان چلا گیا۔ سوڈان اور اریٹیریا کی سرحدیں ملتی ہیں اس لئے ہم سب سوڈان چلے گئے جہاں آج بھی ہمارے والد صاحب سونے کا کام کرتے ہیں کیونکہ اریٹیریا میں عربی بولی جاتی ہے تو سوڈان پہنچ کر ہمیں اس لئے مشکل نہیں ہوئی کہ وہاں بھی عربی ہی بولی جاتی ہے۔ میرے تین بھائی ہیں جن میں سے ایک قطر میں جاب کرتا ہے

اور دوسوڈان میں۔ اب تو ہمارا اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا برسوں سے سب سوڈان میں ہوگیا ہے۔ الحمدللہ کہ جس وقت اریٹیریا سے کثرت سے لوگ ہجرت کر کے سوڈان پہنچ رہے تھے تو سوڈانیوں نے ہمارے ساتھ بہت اچھا معاملہ کیا۔ ہمیں وہاں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ سوڈان اور اریٹیریا کی معاشرت بھی ملتی جلتی ہے اور کھانے پینے کا انداز بھی۔ اب تو ہمارے گھر بھی وہیں ہیں اور ہم لوگ اپنے والدین سے ملنے جاتے رہتے ہیں۔

س: آپ کی تعلیم کیا ہے؟ اور آپ مدرسہ دارالصالحات میں کیا خدمات انجام دیتی ہیں؟

ج: میری دنیاوی تعلیم تو صرف متوسط (آٹھویں کلاس) تک ہے۔ کیونکہ جنگوں اور خانہ جنگی کے باعث حالات ہی ایسے نہیں تھے کہ میں پڑھ سکتی، البتہ حالات نے مجھے رواجی ڈگریوں سے زیادہ سکھا دیا۔ میں نے اپنا قرآن پاک بھی مدینہ منورہ میں حفظ کیا اور اب میں دارالصالحات میں لڑکیوں کو حفظ کرواتی ہوں۔ میں اس مدرسے میں دو سال سے پڑھا رہی ہوں اور میں نے سات لڑکیوں کو مکمل قرآن پاک کے حفظ کروادیا۔ ہمارا طریقہ اس طرح ہے کہ ہفتہ واری ٹیسٹوں کے علاوہ جو ہر اس حصے کے ہوتے ہیں جتنا کہ طالبات حفظ کر لیتی ہیں، ہمارے یہاں سپارہ مکمل ہونے پر بھی ٹیسٹ ہوتا ہے پھر پانچ سپارے مکمل ہونے پر ایک امتحان ہوتا ہے جو بہت سخت ہوتا ہے اور اس کے لئے مسلسل تکرار اور گردان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح دس سپارے حفظ ہونے کے بعد ان دسوں سپاروں کا امتحان ہوتا ہے، پھر پندرہ، بیس، پچیس اور آخر میں مکمل قرآن پاک کا امتحان ہوتا ہے اور اس میں کامیابی کے بعد باقاعدہ سرٹیفکیٹ ملتا ہے۔ اب کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہمارا قرآن پاک مکمل حفظ ہوگیا تو اب تکرار اور گردان چھوڑ دیں، ہرگز نہیں، یہ تو عمر بھر کا عشق ہونا چاہئے کہ مسلسل تکرار کی جائے۔ آپ کو میں ایک مثال دوں کہ ہمارے یہاں ایک صاحبہ آتی ہیں جن کے ماشاءاللہ پانچ بچے تھے ان میں ایک مکمل معذور بچی جس کا ابھی دو ماہ قبل انتقال ہوا ہے اس بچی کی عمر اٹھارہ سال تھی، وہ اتنی مصروفیت میں بھی دس سال سے حفظ کر رہی ہیں، ابھی ان کے بیس حفظ کئے ہوئے سپاروں کا امتحان ہوا ہے اور بہت ہی رواں قرآن اور اس کی باریکیاں انہیں حفظ ہیں۔ وہ مسلسل اپنی ایک دوست کے ساتھ مل کر گردان کرتی ہیں۔ یہ ان کی تڑپ اور لگن ہے کہ وہ آسانی سے وقت نکال لیتی ہیں۔ ہمارے مدرسے میں ہر نیا سپارہ شروع کرنے سے پہلے اس کی مختصر تفسیر بیان کی جاتی ہے تاکہ طالبات کو علم ہو کہ وہ کیا پڑھ رہی ہیں۔ اسی طرح ہمارے یہاں دینی درس بھی ہوتے ہیں اور اگر اللہ کا حکم ہو تو کبھی کبھی وہ مجھ سے بھی کروادیتا ہے۔ میں حفص عن عاصم کی قراۃ کے طریقے پر پڑھاتی ہوں۔

س: آپ کی شادی کب ہوئی؟ کتنے بچے ہیں اور آپ نے ان کی دینی تربیت کیسے کی؟

ج: میری شادی جناب طاہر احمد صاحب سے، جو اریٹیریا ہی کے ہیں، 1980ء میں ہوئی اور اس کے بعد ہی میں مدینہ منورہ آئی۔ جب سے ہم یہاں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو یہاں ہی عافیت سے رکھے اور ایمان کے ساتھ بقیع کی مٹی نصیب کرے۔ (آمین) میرے ماشاءاللہ چار بچے ہیں۔ سب سے بڑا بیٹا عامر یوکرین میں ڈاکٹری کر رہا ہے یہ اس کا آخری سال ہے اور ان شاءاللہ دو مہینے بعد وہ فائنل امتحان دے کر مکمل ڈاکٹر بن جائے گا اور واپس مدینہ منورہ آکر یہیں جاب کرے گا۔ اس کے بعد میری بیٹی صفا ہے۔ جس نے اقتصادیات میں ڈگری لی ہے اس کی ماشاءاللہ شادی ہوچکی ہے اور ایک بیٹا ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ جدہ میں رہتی ہے۔ پھر میری نمبر دو بیٹی فاطمہ ہے جو ماشاءاللہ حافظ قرآن ہے اور اسکول میں پڑھاتی ہے۔ میری سب سے چھوٹی بیٹی ناہید ہائی اسکول میں ہے۔ الحمدللہ میں نے پوری کوشش کی کہ میں اپنے بچوں کو صحیح دینی ماحول دوں، اسی لئے میں

نے ان کو ابتداء میں یہاں جو ابتدائی دینی تعلیم کے مدرسے ہیں ان میں سے ایک میں داخل کیا پھر گھر پر بھی میں ان کی پوری پوری نگرانی کرتی کہ جھوٹ نہ بولیں، معاملات صاف ہوں، کسی کی دل آزاری نہ کریں، غیبت، چغلی سے دور رہیں، اس کے علاوہ الحمدللہ کہ نماز کے لئے یہاں کا ماحول ہی ایسا بہترین ہے کہ ہر گھر میں بچوں کو بچپن ہی سے نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے تو اللہ کے فضل سے میرے بچے بھی نماز کے پابند ہیں۔

س: ابھی آپ نے کہا کہ آپ نے اپنے بچوں کو معاملات کی صفائی سکھائی۔ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ چاروں طرف درس و تدریس کی مجلسوں اور قرآن پاک حفظ کرنے والوں کی تعداد میں اضافے کے باوجود ہم معاملات میں اس قدر خراب کیوں ہیں؟

ج: جی بالکل ٹھیک کہا آپ نے، میں سمجھتی ہوں کہ یہ ہم ماؤں کی تربیت میں بہت کمی رہی ہے، اگر ہم خود بھی معاملات میں صاف ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اولاد نہ ہو، آپ دیکھیں کہ آج کوئی اہم سے اہم معاملہ ہو، مثال کے طور پر میری ایک دوست کے بیٹے سے معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایک صاحب نے کھانا پکوایا اور کہا کہ اگر ہمیں پسند آگیا تو ہم آپ کو کھانے کا آرڈر دیں گے، اب ہفتہ گزر گیا نہ تو انہوں نے فون کیا اور الٹا اپنا موبائل بھی بند کر دیا۔ پھر ایک ہفتے بعد فون کر کے رابطہ کیا تو کھانے کا شکریہ تک ادا نہیں کیا۔ ایک مسلمان اور پھر دین دار ہونے کے ناطے ان پر فرض تھا کہ کچھ تو کھانے کی تعریف کرتے، میں یہ نہیں کہتی کہ جھوٹی تعریف کرتے، بس صرف یہ ہی کہہ دیتے کہ آپ کے گھر والوں نے اتنی محنت سے پکا کر بھیجا، ان کا شکریہ ادا کر دیجئے گا۔ آپ خود سوچیں کہ وہ لوگ ایک ہفتے تک کتنی کوفت میں مبتلا رہے۔ پھر سب سے بڑھ کر تو مالی معاملات ہیں آج پوری امت میں کوئی کسی پر ایک ریال کے لئے بھی بھروسہ نہیں کرتا۔ پھر جھوٹ تو ہم سب ہر معاملے میں اس صفائی سے بولتے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ میں بہت دلسوزی سے کہوں گی کہ درس کی محفلوں میں بھی اور خاص طور سے گھروں میں بھی ہمیں معاملات کی صفائی پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہئے۔ اس کے علاوہ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ جب ہمارے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا اور آخرت میں جوابدہی کا یقین ہوگا تو ہم ہر اس قدم سے بچنے کی کوشش کریں گے جو ہمیں خدانخواستہ پکڑ میں لے آئے۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ جتنی دیر ہم درس کی مجلس میں بیٹھتے ہیں ہمارا دل رقیق رہتا ہے، درس ختم دل سیاہ۔ اللہ ہی ہمیں ہدایت دے اور ہم ہر اس بات پر عمل کریں جو ہم درس میں سنتے ہیں۔

س: آپ کے نزدیک اس وقت امت کا سب سے اہم مسئلہ اور اس کا حل کیا ہے؟

ج: میرا ذاتی خیال ہے کہ اس وقت مجموعی طور پر امت کا سب سے اہم مسئلہ نوجوانوں میں سستی کی عادت ہے۔ آپ امیر ملکوں کو دیکھ لیں یا غریب ملکوں کو، ہر جگہ نوجوان سست اور کاہل نظر آئیں گے۔ امیروں کے گھروں میں تو دن دن بھر سونا عام ہے جس کی اپنی تجارت ہے وہ تو ظہر کے قریب دفتر یا کاروباری ادارے پہنچتا ہے۔ جسے آفس جانا ہے وہ جماہیاں لیتا ہوا جاتا ہے۔ پھر الٹا سیدھا کام کر کے گھر پہنچنے کی فکر میں رہتا ہے۔ غریبوں کے گھروں کا یہ حال ہے کہ عورتیں بیچاریاں لوگوں کے گھروں میں کام کر کر کے کماتی ہیں اور لڑکے اور مرد ان کی خون پسینے کی کمائی چھین کر اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں۔ اس کا واحد حل بچپن ہی سے بچوں میں انتہائی محنت کی عادت ڈالنا، ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا اور اپنے کام خود کرنا سکھانا ہے۔ اس کے علاوہ اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔

س: قارئین حیا کو آپ کیا نصیحت کریں گی؟

ج: نصیحت تو وہ کرتے ہیں جو باعمل ہوں میں تو خود نصیحت کئے جانے کے لائق ہوں، بس مجھے یہ کہنا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے کہ اسی میں ہمارے لئے فلاح ہے۔

انبیاء کے دیس میں

قسط نمبر: 3

بنت حضرت مولانا عبدالمجیدؒ

دنیا کی زندگی ایک سفر ہے، ہر انسان اپنے اپنے سفر پر رواں دواں ہے، اس سفری زندگی میں چھوٹے بڑے سفر ہوتے رہتے ہیں، جو انسان کو بہت کچھ سکھا جاتے ہیں اور اس کے ذہن میں انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ذیل میں ”حیا“ کی مشہور رائٹر بنت عبدالمجید صاحبہ کا سفرنامہ پیش ہے، جو دلچسپ معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

اب ہم کنارے پر بنی ہوئی مسجد الرفاعی کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اندر داخل ہوئے، یہ مسجد بھی بلندی پر بنی ہوئی ہے اور اسی طرح بلند بلند دیواریں اور چھتیں ہیں، لیکن یہ مسجد کہیں کہیں کانچ کے بڑے بڑے فانوسوں کی وجہ سے پیلی پیلی روشنی میں جگمگا رہی تھی، دیواروں پر قدیم طرز کی سفید چونے سے آیات لکھی ہوئی تھی۔ اس مسجد کے برآمدے کو عبور کرتے ہوئے ہم اندر آئے تو یہاں تین قبریں تھی، گائیڈ نے بتایا یہ قبور محمد علی کی اولادوں کی ہیں اور اندر گئے تو وہاں ایک قبر تھی جو شہنشاہ ایران کی ہے، سامنے خوبصورت محراب تھا، ہم نے یہاں جتنی بھی مساجد دیکھیں سب کے محراب پر یہی آیات لکھی دیکھیں، اذ دخل علیھا زکریا المحراب وجد عندھا رزقاً۔

ان تمام قبور پر دعا کر کے ہم دوبارہ باہر نکلے، گاڑی یہاں سے بہت دور روکی جاتی ہے، بلکہ تمام مقامات پر گاڑی تقریباً ایک میل دور روکی گئی، ہر جگہ بہت پیدل چلنا پڑا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی آرام گاہ پر حاضری:...... ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو چکا تھا، لمبی مسافت طے کرنے کے بعد ہم ایک پسماندہ علاقے میں داخل ہوئے، یہ علاقہ منطقہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہے، اس جگہ زیادہ تر مکانات چھوٹے اور پختہ اینٹوں کے بنے ہوئے تھے، سڑکیں بھی یہاں پکی نہ تھی، گلیوں گلیوں میں سے ہوتے ہوئے گاڑی ایک گلی میں مسجد الامام شافعی رحمہ اللہ کے سامنے رکی، برآمدہ عبور کرتے ہوئے ہم اندر گئے تو کونے میں امام زکریا الانصاری رحمہ اللہ کا مقبرہ تھا، ساتھ ہی دیوار پر سفید رنگ کے بینر پر امام الانصاری کے حالات درج تھے، شیشے کی چار دیواری سے ان کی قبر مبارک نظر آ رہی تھی، ہم نے یہاں کھڑے ہو کر دعا کی، پھر گائیڈ کی رہنمائی میں اندر بڑھتے گئے، یہاں محراب سے تین مصلے کے بعد فقیہ امام شافعی رحمہ اللہ کی قبر مبارک بنی ہوئی ہے، جس کے ارد گرد لکڑی کا جنگلہ سا بنا کر لگایا گیا ہے اور ہمارے کندھوں سے اوپر کے حصے پر کانچ کی دیواریں بنائی

ہوئی تھی۔ امام شافعی کی طرح ان کی مسجد سے بھی سادگی ٹپک رہی تھی، امام شافعی کے نام سے موسوم مسجد نور برسا رہی تھی، گائیڈ نے بتایا کہ امام صاحب اسی جگہ رہتے تھے، پھر یہیں ان کا انتقال ہوا اور تدفین بھی مصر میں ہی ہوئی، یہاں بھی دیوار پر لگے بورڈ پر امام صاحب کی ولادت، حالات، تصانیف اور وفات کے بارے میں درج تھا۔

حالات امام شافعی رحمہ اللہ:...... امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قرشی مطلبی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ۔

شافع رضی اللہ عنہ آپ کے پردادا تھے، اس لئے شافعی کہلاتے ہیں، شافع وہ شخص ہیں کہ جنگ بدر کے موقع پر قبیلہ بنو ہاشم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا، جب کفار قریش کو شکست فاش ہوئی تو شافع قیدی بنا لئے گئے، بعد میں فدیہ دے کر خود کو آزاد کرا لیا اور مسلمان ہو گئے۔

آپ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ ہیں، آپ کی ولادت غزہ میں ہوئی، تربیت کی خاطر آپ کی والدہ دو سال کی عمر میں ہی انہیں مکہ معظمہ لے گئیں، فاطمہ بنت عبداللہ کی تربیت کا ہی یہ اثر ہوا کہ آپ سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے، امامؒ نے اپنی غیر معمولی قوت حافظہ کے سہارے علم کا سفر اس قدر تیزی سے طے کیا کہ اساتذہ کرام حیران رہ گئے، ابھی امامؒ کی عمر تیرہ سال ہی تھی کہ حضرت مسلم بن خالد بن زنجی نے فرمایا: ”محمد! اب تم فتویٰ دے سکتے ہو، یہ ذمہ داری تمہیں زیب دیتی ہے۔“

امامؒ نے دنیوی اسباب سے بے نیاز ہو کر نہایت سادگی اور زہد و تقویٰ میں گم ہو کر مقصد حیات کی تکمیل کی، حضرت امام شافعیؒ بڑے جامع الصفات انسان تھے، فرزند قریش کی ذات میں حسن ظاہری اور حسن باطنی کا ایسا عجیب و غریب اجتماع تھا کہ دیکھنے والی آنکھ حیرت زدہ رہ جاتی اور سوچنے والا دماغ عاجز آ جاتا۔

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!

امام کا انداز تحریر ایسا تھا جیسے کاغذ پر فصاحت و بلاغت کا سمندر موجزن ہو، الفاظ و معانی کی ایسی گل کاریاں تھیں جیسے صفحہ قرطاس پر گلستان مہک اٹھا ہو، امام لب کشا ہوتے تو در و دیوار ساکت ہو جاتے، امام چاہتے تو حاضری کی سماعتوں میں شہد و شبنم کی لہریں اتار دیتے اور اگر امامؒ کی یہ خواہش ہوتی کہ لوگوں کے دل و دماغ میں پگھلی ہوئی آگ بھر جائے تو خدا نے آپ کو اس بات کی بھی قدرت بخشی تھی، امام رحمہ اللہ پسند فرماتے کہ افسردہ مغموم انسانوں کے ہونٹ تبسم آشنا ہو جائیں اور ان کے چہروں پر شگفتگی و شادابی نظر آنے لگے تو آپ کی زبان سے ادا ہونے والے چند الفاظ اس مشکل ترین کام کو سرانجام دے دیتے اور اگر امام کو یہ منظور ہوتا کہ ہنستی ہوئی محفل ماتم کدہ بن جائے تو پھر کون سی آنکھ ہوتی جو اشکوں سے لبریز نہ ہو جاتی، یہ آسمان کا عطیہ خاص تھا جس سے زمین پر بسنے والے ایک مطلبی نوجوان کو سرفراز کیا گیا تھا، بے شک! امام تحریر میں بھی یکتائے روزگار تھے اور تقریر میں بھی آپ کی کوئی مثال موجود نہیں تھی، اہل نظر نے فرزند قریش سے پہلے حدیث و فقہ کے مسائل پر بڑی بڑی نکتہ آفرینیاں دیکھی تھیں، مگر امام شافعیؒ کی قوت اظہار سب سے منفرد تھی۔

امام شافعیؒ کو امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ایک نسبت خاص ہے، وہ یوں کہ ماہ رجب ۱۵۰ھ کی رات کے جس آخری حصے میں امام شافعی کی ولادت ہوئی، اسی شب کی ابتدائی ساعتوں میں فقیہ اعظم امام ابو حنیفہؒ کی رحلت ہوئی، بعض عارفوں نے اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ خدائے کریم عقل و فراست کے باب کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا نہیں چاہتا تھا، جب کاتب ازل نے ابو حنیفہؒ کے نام پر خط تنسیخ پھیرا تو دوسرے ورق پر امام

شافعیؒ کا اسم گرامی تحریر کردیا، یہی وجہ ہے کہ ماہ رجب کی ایک ہی رات میں تاریخ اسلامی کے دو بڑے واقعات رونما ہوئے۔

امام شافعیؒ نے تحصیل علم کی خاطر مکہ سے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور امام مالک بن انس سے فیضیاب ہوئے، شوق کی تکمیل کے لئے بغداد و صنعا کا دوبارہ سفر کیا اور پھر اسی امانت علم کو سینے سے لگائے ۱۹۹ھ میں مصر کی طرف رخت سفر باندھا اور یہ شعر ورد زبان تھا۔

لقد أصبحت نفسي تتوق الى مصر
ومن دونها أرض المهامة والفقر
فوالله لاادري أللفوز والغنى
اساق اليها أم أساق الى القبر؟

پانچ سال مصر میں سکونت پذیر رہنے کے بعد حاسدین کی ایک جماعت آپ سے خار کھانے لگی اور ایک نوجوان اکثر اوقات آپ سے مناظرے کرتا اور گستاخیاں کرتا، مگر امام نے ایک بار بھی بیزاری کا اظہار نہیں فرمایا، آخر ایک روز ''جوان'' نے محفل کے تقدس کو بھی پامال کرڈالا، کسی بات پر برانگیختہ ہوکر اس نے امامؒ کو بڑی بے ہودہ گالی دی، یہ ایسا حرف بد تھا، جس کے آگے تمام دشنام طرازیاں ہیچ تھیں، جب امامؒ کے چہرے پر شکن تک نہ ابھری تو کسی اور نے ہی والی مصر کو اس کربناک سانحہ کی اطلاع دی، والی مصر نے کہا، اس نوجوان کو کوڑے لگائے جائیں اور اونٹ پر بٹھا کر شہر میں تشہیر کروائی جائے، سو کیا گیا۔ والئی مصر کے جذبات حقیقت پسندانہ تھے، لیکن اس کی عقیدت نے بالآخر پوری زمین کے علم کو خون سے سرخ کردیا، قاتل، امام شافعی کی درس گاہ میں آبیٹھے اور درس ختم ہوتے ہی جب آپ تنہا رہ گئے تو ان درندوں نے آپ پر زہر آلود نشتروں سے حملہ کردیا۔

کئی دن تک بستر مرگ پر رہ جانے کے بعد ایک روز مغرب کے بعد آپ پر گریہ طاری ہوگیا، بار بار فرمانے لگے: ''یقیناً میرے گناہ بہت بڑے ہیں، لیکن جب میں تیری رحمت پر نظر کرتا ہوں تو وہ میرے گناہوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔''

پھر امام شافعیؒ خدا کی اس رحمت کے تصور میں ہمیشہ کے لئے گم ہوگئے، روح نے جسم سے رشتہ توڑ لیا، مگر جانے والا علم سے وہ رشتہ قائم کرگیا کہ قیامت تک توڑنے والا کوئی نہیں، ہڈیوں پر اپنا سبق تحریر کرنے والا پیوند خاک ہوگیا، لیکن جاتے جاتے اس نے لوح کائنات پر وہ عبارت ثبت کردی ہے کہ جسے ایک نظر دیکھ لینا بھی انسانیت کے لئے شرف عظیم ہے۔

ماہ رجب ۲۰۴ھ کی آخری رات تھی، جب سفیر حرم اپنے فرائض کی تکمیل کے بعد عالم بالا کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت فرزند قریش کی عمر چون سال تھی۔ اسی مقام پر انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔

تین چار مرد کونے میں قرآن اور نوافل ادا کررہے تھے، ہم بھی لکڑی کی جالیوں کے ساتھ کھڑے ہوکر دعا کرنے لگے۔ ہمیں یہاں عجیب سا کیف اور نورانیت محسوس ہورہی تھی، کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو امام صاحب کے مقبرے پر اشک بار نہ ہوئی ہو۔ میری نگاہ جیسے اوپر اٹھی تو ہیبت اور عظمت کی وجہ سے آگے قدم بڑھانا دشوار ہونے لگا، میں وہیں دو زانو ہوکر بیٹھ گئی، ایک نورانیت سی تھی، جس نے سب کے قدم روکے ہوئے تھے۔ امام صاحب کی سادگی و تقویٰ کے بارے میں جو کچھ پڑھا تھا، سب ذہن میں آرہا تھا، گویا امام صاحب کے حالات زندگی دل و دماغ میں گردش کرنے لگے۔ ہم امام صاحب جیسے صاحب عظمت کے رفع درجات کے لئے کیا دعا کرتے، ان کی صفات و کمالات کی اپنے لئے باری تعالیٰ سے بھیک مانگی۔ میں نے ابوجی کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھا اور ان میں تیرتی سرخی صاف محسوس کی، اشکوں کا ایک سیل رواں تھا، جو

آنکھوں سے بہتا چلا آرہا تھا، مصر میں یہ پہلا مقبرہ تھا، جہاں ہم بہت دیر تک رہے، بالآخر گائیڈ نے اشارہ کیا، تب ہم وہاں سے آگے بڑھے، امام صاحب کی قبر کے کچھ فاصلے پر لکڑی کے تین جنگلے لگے ہوئے تھے، یہاں بھی قبور ہی تھی، لیکن گائیڈ کے علم میں بھی نہ تھا کہ یہ کس کی قبور ہیں، ہم نے یہاں بھی دعا کی اور باہر برآمدے میں آگئے، یہاں تین غریب آدمی بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے، والد صاحب نے ان سے عربی میں اندر بنی ہوئی قبور کے بارے میں پوچھا تو ایک آدمی نے بتایا کہ ان سے ایک قبر تو صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ کی ہے، سبحان اللہ کتنی خوش نصیب خاتون ہیں، جو مسجد میں اتنے بڑے فقیہ کی آرام گاہ کے قریب آرام فرما ہیں، اتنے میں ایک خاتون جو باآواز بلند یٰسین پڑھ رہی تھیں، اٹھی اور اندر جاکر امام صاحب کی آرام گاہ کی جالیوں سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ میں نے انہیں جاکر سمجھایا اور بڑی مشکل سے انہیں جالیوں سے دور کیا، مسجد سے باہر نکلتے ہوئے مجھے یقین نہ آرہا تھا، اللہ نے ہمیں اتنے بڑے امام کے مقبرے پر حاضری کی سعادت نصیب کی۔ (اللھم لک الحمد) باہر نکلے تو فقیروں کا ایک غول تھا، جو ہم سے چمٹ گیا، اس کی وجہ سے علاقے کی پسماندگی اور خستہ حالی تھی، یہ مصر میں پہلی جگہ تھی جہاں اتنے سارے فقیر تھے، والد صاحب نے چند کو پیسے دیئے تو چند اور آگئے، کثرت دیکھ کر گائیڈ نے ہمیں گاڑی میں بیٹھنے کا کہا اور جلدی سے گاڑی کا دروازہ بند کردیا۔

مسجد سیدہ نفیسہ:...... یہاں سے ہمارا رخ ایک اور مسجد کی جانب تھا، تھوڑی دیر بعد گاڑی مسجد سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا کے سامنے رکی، یہ مسجد مشہور مساجد کی طرح زیادہ بڑی تو نہ تھی، لیکن یہاں لوگوں کی آمد و رفت تھی، مردوں کے لئے مسجد کا داخلی دروازہ تھا جبکہ خواتین کے لئے مسجد کے عقبی جانب سے راستہ بنایا گیا ہے، ہم مسجد کی دیوار کے ساتھ سے چلنے لگے، یہ ایک تنگ اور لمبی گلی جس میں جگہ جگہ خواتین چادریں بچھا کر کچھ بیچ رہی تھی، ہم مسجد کے عقبی دروازے سے اندر داخل ہوئے، یہاں سے اندر سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا آرام فرما ہیں، ان کی قبر مبارک کے اردگرد بھی جالیاں لگائی ہوئی ہیں، لیکن یہاں سے قبر مبارک نظر آتی ہے، سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہا کے دادا سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ہیں، یہاں بھی خواتین نوافل اور قرآن پڑھ رہی تھی، ہم نے یہاں کھڑے ہوکر دعا کی، ایک عورت قبر کی طرف پاؤں پھیلائے بیٹھی تھی، میں نے اسے منع کیا تو اس نے اپنے پاؤں بچھا لئے اور مجھے مصری عربی میں کچھ کہا جو میرے فہم سے بالاتر تھا، یہاں سے باہر نکلے تو ایک بک اسٹال پر عربی کتابیں رکھی تھی، میں نے دیوان امام شافعی رحمہ اللہ خریدی، یہ کتاب حضرت امام شافعیؒ کے اشعار پر مشتمل ہے، یہ کتاب 5 جنیہ کی تھی، ہم یہاں سے گلی کے نکڑ پر پہنچے تو ایک فقیر کو دیکھا جو میلے کچیلے لباس میں تھا، زمین پر چادر ڈالی ہوئی تھی اور سر پر دھوپ سے بچنے کے لئے بڑا سا گتا چھت کی شکل میں رکھا تھا اور وہ سڑک پر بیٹھا باآواز بلند اتنی عمدہ قرأت کررہا تھا کہ ہم نے پانچ منٹ وہاں کھڑے ہوکر اس کی تلاوت سنی، وہ کھینچ کھینچ کر اور آواز اونچی نیچی کرکے بہترین تلاوت کررہا تھا، اس قسم کی تلاوت کرنے والے تو ہمارے یہاں قاری القراء اور شیوخ مانے جاتے ہیں۔ اب یہاں سے نکل کر ہم ایک خوبصورت پل پر آگئے، مصر میں پل بہت زیادہ ہیں اور اکثر پل جگہ جگہ بہتے ہوئے دریائے نیل کے اوپر بنائے گئے ہیں، نیز مصر میں پل بہت لمبے لمبے ایک پل پر تقریباً بیس پچیس منٹ کی مسافت طے ہوتی ہے، انہیں راہوں اور شاہراہوں سے ہوتے ہوئے ہماری گاڑی مسجد الحسین کے سامنے رکی، اس مسجد کے سامنے دو روڈ کراس کرکے اس دنیا کی

قدیم اور مشہور مانی گئی جامعۃ الازہر ہے۔اس روڈ پر ٹریفک بہت زیادہ ہے، اسی وجہ سے یہاں انڈر گراؤنڈ روڈ کراسنگ بنائی گئی ہے، لہٰذا ہم زمینی راستے سے روڈ کراس کر کے سڑک کے دوسرے کنارے آگئے، اب ہمارے سامنے سنہری رنگ کی جامعۃ الازہر کی مسجد تھی۔

جامعۃ الازہر:......اس مسجد کا دروازہ اتنا بڑا تھا کہ پورا جہاز اندر بآسانی جاسکے، دروازے پر سفید وردی میں پولیس کھڑی تھی، یہاں کے تمام پولیس عملے کی وردی ایسی ہوتی ہے جیسے ہمارے یہاں ٹریفک پولیس کی ہوتی ہے، دروازے کے ساتھ ہی بڑے سے چھوٹے چھوٹے خانوں والی الماریاں جوتوں کے لئے رکھی تھی، یہ الماریاں یہاں کی تمام مساجد میں ہوتی ہیں اور ان کے پاس ایک خادم بھی ہوتا ہے، لیکن یہاں ہر جگہ جوتے رکھنے کے پیسے لئے جاتے ہیں۔

دروازے سے لے کر اندر تک مکمل قالین بچھی ہوئی تھی، دروازے سے داخل ہوتے ہی لمبی راہداری سے ہوتے ہوئے ہم اندر برآمدے میں آگئے، اندر چاروں طرف برآمدے تھے اور درمیان میں بڑا سا صحن تھا، برآمدوں کے پیچھے لکڑی کی بڑی سی دیوار بنائی گئی ہے، اسی دیوار میں سے کچھ فاصلے پر دروازے نکالے گئے ہیں، اندر داخل ہوتے ہی ہم گائیڈ کی رہنمائی میں دائیں جانب مڑ گئے، کونے میں جامعۃ الازہر کا دفتر ہے، ہم اندر گئے تو وہاں مہمانوں کے لئے صوفے بچھے ہوئے تھے اور پیچھے اساتذہ کے لئے کرسیاں رکھی تھیں، مجھے امی اور فرحت کو پیچھے والے صوفے پر جانے کا کہا گیا جبکہ والد صاحب سامنے ہی بیٹھ گئے، مہتمم عبداللہ عطیۃ بیومی الموصلی بڑے سے جبے اور پگڑی میں تھے، وہ خود ہی اٹھ کر اندر کی جانب گئے اور امرود کے جوس کے سات ڈبے لائے، پھر انہوں نے ہم سب کو وہ ڈبے دے دیئے اور والد صاحب کے سامنے والی کرسی پر جلوہ افروز ہوگئے، ابو نے بتایا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں تو انہوں نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور کافی دیر تک عربی میں بات چیت کرتے رہے، جاتے وقت میں نے اپنی ڈائری بھائی کو دے کر ان سے آٹو گراف لیا، پھر مرد حضرات ان سے مصافحہ کرتے ہوئے باہر نکلے، ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے تھے، مسجد کا صحن بہت بڑا تھا، والد صاحب اور بھائی تو مسجد کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئے، البتہ میں، امی اور فرحت باجی برآمدے سے گزرتے ہوئے ایک دروازے میں داخل ہوگئے، برآمدوں میں، میں نے عجیب بات دیکھی، ہر ستون کے ساتھ چند فاصلے پر کہیں لڑکیاں بیٹھی تھی اور کہیں لڑکے بیٹھے تھے، سب کے ہاتھوں میں کتابیں تھی، ہم اندر گئے تو وہاں صرف خواتین تھی، یہ بڑا سا ہال تھا، جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر حلقے لگے ہوئے تھے، کہیں تجوید ہو رہی تھی اور کہیں تفسیر جبکہ کچھ خواتین اور طالبات الگ الگ بیٹھی اپنا اپنا مطالعہ کر رہی تھی، ایک طرف دو لڑکیاں بیٹھی تھی، ہم ان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں تو انہوں نے حد درجہ خوشی کا اظہار کیا اور بارہا ہمیں اہلاً وسہلا و مرحبا کہا، ان میں سے ایک طالبہ تو مصری تھی، جن کا نام امیۃ تھا اور دوسری طالبہ قرۃ العین انڈونیشیا کی تھی، انہوں نے بتایا کہ نحن نحب الباکستانین، کہ ہم پاکستانیوں سے محبت کرتے ہیں، کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ وہاں خواتین پردہ کرتی ہیں اور تمام لوگ شریعت واسلام پر عمل کرتے ہیں، کیا یہ سچ ہے، ہم نے اثبات میں سر ہلایا لیکن دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہے تھے، ان دونوں کا اخلاق بہت اچھا تھا، وہ تخصص کی طالبات تھی، انہوں نے بتایا کہ یہاں مختلف کورسز کروائے جاتے ہیں، فقہ، حدیث، تفسیر، تمام شعبہ جات الگ الگ ہیں اور ہماری رہائشی بلڈنگیں الگ ہیں نیز ہماری کلاسوں کی عمارت بھی الگ ہے، یہاں صرف تکرار کیلئے آتے ہیں، وہ پاکستانیوں

سے بے حد عقیدت کا اظہار کر رہی تھی اور ہمیں بات بات پر دعائیہ کلمات أکرمک اللہ، أعزک اللہ، بارک اللہ وغیرہ کہہ رہی تھی، انہوں نے ہمیں ایک بات اور بتائی کہ ان کے یہاں سات سال کی عمر میں تمام بچے قرآن حفظ کر لیتے ہیں (ماشاء اللہ) ہم نے انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی، اتنے میں ایک ضعیف العمر خاتون آئی اور انہوں نے کہا کہ آپ کو باہر مرد حضرات بلا رہے ہیں ہم ان سے سلام کر کے باہر نکلے تو والد صاحب منتظر کھڑے تھے، ہم نے کہا کہ ابھی تو ہم نے پوری مسجد بھی نہیں دیکھی ابو ایک ستون کے ساتھ بیٹھ گئے اور ہمیں بھائی کے ساتھ مسجد کے اندرونی حصے میں بھیج دیا، ہم نے یہاں ایک عجیب بات دیکھی، وہ یہ کہ جگہ جگہ لڑکے اور لڑکیاں کھڑے تصویریں بنا رہے تھے، اب واللہ اعلم وہ طالب علم تھے یا سیاحت کے لئے آنے والے تھے، اندر کا حصہ بھی بہت بڑا تھا، اتنا بڑا کہ ایک کونے میں کھڑے ہو کر دوسرا کونا نظر نہ آئے۔ ہم وہیں سے واپس مڑے اور صحن سے ہوتے ہوئے باہر تک آئے، جامعہ الازہر کی چار یا پانچ عمارتیں ہیں، لیکن رہائشی کمروں وغیرہ میں طلباء کے علاوہ دوسرے لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی اور وہ عمارتیں وہاں سے کچھ دور یعنی مدینہ البعوصۃ میں ہیں، اب ہمارا رخ اپنے فندق کی طرف تھا، شام کے قریب ہم اپنے ہوٹل میں پہنچے۔

عصر کی نماز پڑھ کر چائے بنائی، ہم نے چائے بنانے والی کیٹل مشین ساتھ رکھی تھی، لہٰذا سہولت ہوگئی، مغرب سے کچھ دیر پہلے والد صاحب اور بھائی فندق کی قریبی مسجد الرحمۃ میں چلے گئے اور عشاء کے بعد کھانے کے ساتھ آئے، کھانے کے بعد سب تھکاوٹ کی وجہ سے بستروں پر دراز ہوگئے، دو دن میں ہم نے مصر کے اکثر مشہور مقامات دیکھ لئے تھے اور ہمارے علم میں اور مقامات نہ تھے، رات کو ابو نے کہا کہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ جلدی سعودیہ کا ٹکٹ مل جائے ورنہ ہم اس شہر میں اتنی دیر کیا کریں گے، ہم سب پریشان تھے کہ اجنبی شہر میں اجنبی لوگوں کے درمیان ہم سات دن کیا کریں گے، نہ وہ ہماری بات سمجھتے تھے اور نہ ہی ہم ان کی جدید عربی سمجھ سکتے ہیں، سونے سے کچھ دیر قبل ابو نے کہا کہ میرے ذہن میں ایک عجیب سوال آرہا ہے، وہ کیا؟؟ ہم نے پوچھا تو ابو جی بولے کہ ہم مصر کیوں آگئے؟ اور کیسے آگئے، یہ ایک عجیب سوال ہے جو میرے ذہن میں گردش کر رہا ہے، ہم نے کہا، یہ سوال ہمارے ذہن میں بھی ہے۔

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اتنے بڑے بڑے اکابر کے مقبروں پر لائے ہیں اور انبیاء کا شہر بھی ہے، لہٰذا اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

بدھ کی صبح 29 اپریل کو ہم سب پر سستی چھائی تھی، ہم سب سوچ رہے تھے کہ اب یہاں کیا کریں گے لیکن ابو نے ڈھارس بندھوائی اور کہا کہ نیچے چل کر ناشتہ کرتے ہیں، پھر دیکھیں گے کیا کرنا ہے، ناشتہ ہم نے اسی طرز پر ہوٹل کے مطعم میں کیا، پھر انتظار گاہ میں آکر بیٹھ گئے، والد صاحب نے کہا کہ ایسا کرتے ہیں، ٹکٹ کروانے چلتے ہیں، ممکن ہے کہ ہمیں آج یا کل کی سیٹیں مل جائیں، ہم فارغ تھے، سو چل پڑے، ہم جیسے ہی ہوٹل سے باہر نکل کر فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے تو ایک دم پانچ ٹیکسیاں آکر لائن سے رکتی گئی، مصر میں ٹیکسیاں بہت چلتی ہیں اور سستی بھی ہوتی ہیں، ذرا سا روڈ کے کنارے کھڑے ہونے کی دیر ہے، بس پھر ٹیکسیاں ایسے آتی ہیں جیسے مکھیاں، پھر ہم ٹیکسی کے ذریعے سعودی ایئر لائن آفس کی طرف گئے، لیکن جہاں ٹیکسی نے ہمیں اتارا تھا، وہاں تو کوئی آفس نظر نہ آیا، ایک راہ گیر سے پوچھا تو اس نے ہمیں راستہ سمجھایا، وہاں چلتے چلتے پہنچے تو پھر بھی کوئی آفس نہ ملا، ایک اور آدمی سے پوچھا تو اس نے کہا!

..........(جاری ہے)

نیشنل بک فاؤنڈیشن سے سند یافتہ

حمزہ بہادر

زلزلہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے پس منظر میں لکھی جانے والی پہلی کہانی

آخری قسط

پروفیسر خیال آفاقی

"خرم، مرجان، فرید!" حمزہ نے اپنے ساتھیوں کو پکارا۔

"کیا ہے، ہم کہاں ہیں؟ کون ہو تم؟" خرم کی خوفزدہ سی آواز آئی۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا تھا اور کچھ دیر کے لئے بھول گیا تھا کہ وہ کہاں ہے۔

"گھبراؤ نہیں خرم، ہمارے لئے ایک خوش خبری ہے، باہر بارش شروع ہوگئی ہے...... یہ دیکھو پانی ٹپک رہا ہے، لو، منہ ادھر لاؤ!"

اس نے ٹٹول ٹٹول کر اپنی ہتھیلی میں بھرا ہوا پانی اس کے منہ میں انڈیل دیا۔ خرم نے بھی وہی کیا کہ اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا اور ہونٹوں سے لگائے رکھا۔

باہر غالباً زور زور سے بجلی چمک رہی تھی، جس کی وجہ سے اس اندھیرے غار میں بھی پل بھر کے لئے ہلکی سی روشنی ہو جاتی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر حمزہ نے پتہ چلا لیا تھا کہ پانی کہاں کہاں سے رس رہا ہے۔

اس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی اٹھا دیا اور انہیں پانی کی خوش خبری سنائی۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھ پائے، پھر حمزہ کے بتانے پر ان لوگوں نے بھی ہتھیلیوں میں پانی بھر بھر کر اپنے خشک حلق میں ڈالا اور چہروں پر بھی ملا۔ اس وقت انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے دوبارہ زندگی مل گئی ہو۔

بارش کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں حمزہ نے ایک کام یہ کیا تھا کہ جہاں جہاں پانی ٹپک رہا تھا، اس کے نیچے مٹی سمیٹ کر گھیرا بنا دیا گیا تھا جس میں تھوڑا بہت پانی جمع ہو سکتا تھا، پھر اسے اپنی جیب میں رکھی ہوئی ٹوپی یاد آئی، ایک ٹپکے کی جگہ اس نے ٹوپی رکھ دی۔

☆......☆......☆

آہستہ آہستہ اندھیرا ہلکا پڑتا جا رہا تھا۔ لگتا تھا باہر صبح کا اجالا پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ تمام ساتھی ایک دوسرے کو اس طرح دیکھ سکتے تھے کہ وہ کتنے ہیں اور کس حالت میں ہیں۔

"تم نے دیکھا دوستو! کہ اللہ نے کس طرح ہماری پیاس بجھانے کا بندوبست کر دیا۔" حمزہ نے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "اب ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ اللہ ہمیں یہاں سے نکالنے کا بھی کوئی راستہ پیدا کر دے گا، اس لئے اس کا شکریہ ادا کریں، آؤ میرا خیال ہے فجر کا وقت ہو گیا ہے۔"

"فجر کا وقت؟ تو کیا ہم رات بھر سوتے رہے ہیں؟" مرجان حیرت سے بولا اور حمزہ بتانے لگا کہ:

"یہ بھی اللہ کا بڑا کرم ہے، امی نے مجھے قرآن کریم میں اصحاب کیف کا واقعہ سنایا تھا کہ اپنے دور کے کچھ ایمان

والے نوجوانوں نے کافروں اور بے دینوں کے مظالم سے تنگ آ کر ایک غار میں پناہ لی، جہاں اللہ نے ان پر نیند طاری کر دی تھی اور اس طرح وہ خوف سے بچ گئے۔"

سچ مچ وہ بھی سب اس وقت کچھ ایسا ہی محسوس کر رہے تھے، خود کو تازہ دم اور بے خوف۔

"ان شاء اللہ، لوگ اب تک ہمارے یہاں سے نکالنے کا انتظام کر چکے ہوں گے اور مجھے امید ہے، ہم بہت جلدی اپنے گھر والوں سے جا ملیں گے۔" حمزہ نے حسب عادت اپنے یقین کا اظہار کیا اور فجر کی اذان دینے لگا۔

لڑکوں کے کانوں میں جب یہ الفاظ پڑے، الصلوٰۃ خیر من النوم، یعنی نماز نیند سے بہتر ہے اور اس کا مطلب ان کے اسلامیات کے استاد نے اچھی طرح بتا رکھا تھا تو ان کی آنکھوں سے نیند کا رہا سہا بوجھ بھی ختم ہو گیا اور آنکھیں مل کر نماز کے لئے تیار ہو گئے۔

وہ نماز کے بعد ابھی دعا مانگ رہے تھے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں یہاں سے نکالنے کی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ لوگوں کے زور زور سے بولنے اور ملبہ ہٹانے کی آوازیں ان تک ہلکی ہلکی پہنچ رہی تھیں۔ لیکن گھنٹوں بیت جانے کے بعد بھی ان تک کوئی رسائی نہ ہو سکی اور نہ ہی فی الحال ایسے کوئی آثار نظر آتے تھے۔ لڑکے بہر حال امید و یاس کی کشمکش میں مبتلا تھے۔

غالباً دوپہر کا وقت تھا اور باہر یقیناً مطلع صاف ہوگا جس کی وجہ سے اس غار قسم کی جگہ میں اتنی روشنی بڑھ گئی تھی کہ سب ساتھی ایک دوسرے کے چہرے کچھ صاف طور پر دیکھ سکتے تھے مگر پہچاننے میں نہیں آتے تھے۔ برسوں کے بیمار لوگ لگ رہے تھے اور اب ان میں اتنی سکت بھی نہیں رہی تھی کہ زور سے بول سکتے۔

حمزہ اس اجالے سے فائدہ اٹھا کر بڑی تیزی سے اپنے آس پاس کا جائزہ لے، یکا یک ایک طرف دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کی نظریں اس چھوٹے سے خلا کو تک رہی تھیں جو اس کے دائیں جانب گری ہوئی چھت اور ٹوٹی ہوئی دیوار کے درمیان موجود تھا۔ اس نے محسوس کیا، یہی وہ جگہ ہے جس میں سے تھوڑی بہت روشنی اس کھنڈر میں پہنچ رہی تھی اور اسی سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ دوسری طرف ملبہ نہیں ہے، بلکہ خالی جگہ ہے اور یقیناً وہاں سے آسمان نظر آتا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ دھوپ کی کچھ کرنیں ادھر سے یہاں تک اجالا پہنچا رہی ہیں۔ حمزہ نے سوچا، اگر اس خلا کو کچھ بڑا کر دیا جائے تو اس میں گزر کر دوسری طرف پہنچا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اسے تاریخ اسلام کا وہ واقعہ یاد آیا

"جب مکے کے کافروں نے مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز کر کے، مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ مشرکین مکہ کے ساتھ آس پاس کے کچھ دوسرے قبائل بھی مل گئے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کے مقابلے میں اسلام کے دشمنوں کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوگئی تھی۔ مسلمان تعداد میں بھی کم تھے اور ہتھیار بھی زیادہ نہیں تھے۔ اس پر ان دنوں کھانے پینے کا سامان بھی کم تھا۔ اللہ کے رسولؐ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کافروں کے حملے کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ مختلف لوگوں نے مختلف مشورے دیئے۔ جہاں تک دشمنوں سے لڑنے کی بات تھی؟ تو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والے سب کے سب جاں نثاری کے لئے تیار تھے، سب جذبۂ جہاد سے سرشار تھے۔ لیکن حضورؐ چاہتے تھے کہ خون خرابہ نہ ہو بلکہ صبر اور حکمت سے کام لے کر دشمن کی اس جنگجوئی کو ناکام بنا دیا جائے۔ اس دوران مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رائے پیش کی۔

"یا رسول اللہ ہمیں مدینہ کے گرد خندق کھودنی چاہئے۔" حضرت سلمان کیونکہ فارس یعنی ایران کے رہنے والے تھے اور وہاں جنگوں میں ایسے موقع پر اس طرح کی حکمت عملی اختیار کی جاتی تھی، حضورؐ نے اس مشورے کو پسند فرمایا اور صحابہ کے ساتھ مل کر خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ حضورؐ نے دس دس

آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کردی تھی کہ اس لمبی چوڑی خندق کو دس دس آدمی اتنی اتنی کھودیں گے۔ سخت سردی کا موسم تھا، کھانے کی بھی کمی تھی، لیکن اسلام کے شیدائی حضور کی رہنمائی میں کدالیں چلاتے جاتے اور رجز یعنی ایک خاص دھن کے ساتھ شعر پڑھتے جاتے تھے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی آواز میں آواز ملاتے، یعنی آخر الفاظ ادا فرماتے جاتے تھے۔ ایک صحابی جو بھوکے تھے اور انہوں نے خالی پیٹ پر پتھر باندھ رکھا تھا تاکہ پیٹ اندر کو نہ دھنسے اور ان سے کھدائی نہ ہوسکے، مگر جب زیادہ نڈھال ہونے لگے تو آپ ؐ سے بھوک کی شکایت کی۔ آپ ؐ نے اپنا کرتہ مبارک ہٹا کر دکھایا، آپ ؐ اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ صحابہ ؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپ رہنے دیجئے، ہم کافی ہیں۔" لیکن آپ ؐ نے ہاتھ نہیں روکا اور سب کے ساتھ مل کر برابر گڑھا کھودنے میں مصروف رہے۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان نکل آئی۔ صحابہ نے بہت زور آزمائی کی، لیکن چٹان ٹس سے مس نہ ہوئی، تب آپ ؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کرکے اس چٹان پر کدال سے ضرب لگائی، دور تک بجلی سی کوند گئی اور چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی۔ ساتھ ہی آپ ؐ نے اس وقت ایسے اشارے بھی فرمائے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کو بڑی فتح اور کامیابی عطا فرمائے گا۔ مسلمانوں نے یہ خوش خبری سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ بہرحال تین ہزار مبارک ہاتھوں سے بیس دن میں یہ خندق تیار ہوگئی۔ کافروں کا راستہ رک گیا اور وہ ناکام و نامراد ہوکر لوٹ گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ؐ کے جاں نثار ساتھیوں کو دشمنوں سے محفوظ رکھا، بلکہ شاندار فتح نصیب فرمائی۔"

اس واقعہ کو یاد کرکے حمزہ کے اندر جیسے بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ یکا یک اپنی جگہ سے اٹھا اور اس جگہ تک جانے کے لئے، دیوار سے چپک کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

"کہاں جارہے ہو حمزہ بھائی!" گلریز نے دیکھا تو بے ساختہ پکارا۔ دوسرے لڑکے بھی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ حمزہ کوئی جواب دیئے بغیر، دیوار کے سہارے سہارے چلتا ہوا آخر وہاں تک پہنچ گیا، جہاں وہ جانا چاہتا تھا، اس نے نیچے بیٹھ کر دوسری طرف جھانکا، اسے دوسرے کمرے کا فرش پہچاننے میں زیادہ نہیں لگی۔

"کاش یہ خالی جگہ کچھ بڑی ہوتی تو اس میں سے گزر کر دوسری طرف جاسکتے تھے۔" اس نے بڑی حسرت سے کہا اور دوسرے لڑکوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ حمزہ اب اپنے قریب ہی پتھروں کے تلے دبے ہوئے ایک ڈیسک کو غور سے دیکھ رہا تھا، پھر وہ اس کے ایک پائے کو تھوڑی سی جدوجہد کے بعد تختے سے الگ کرنے میں کامیاب ہوگیا اور بسم اللہ کہہ کر اس بھاری پائے سے اس خلا کے کنارے پر ضربیں لگانے لگا۔

"کیا کررہے ہو حمزہ! کوئی اینٹ تمہارے سر پر نہ آن پڑے۔"

فرید جو بڑی دیر سے اس کی طرف خاموشی سے دیکھ رہا تھا، تشویش کے لہجے میں بولا۔

"بے فکر رہو، کچھ نہیں ہوگا ان شاء اللہ" حمزہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور اپنا کام جاری رکھا۔ اسی وقت ایک بڑی کامیابی اسے یہ ہوئی کہ اس خلا کا کچھ ملبہ اس کی ضرب لگنے سے جھڑ کر نیچے آن پڑا۔ اس نے چہرہ اوپر اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ پھر اپنے کام میں جٹ گیا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح ضربیں لگاتا رہا، لیکن اس کی محنت زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی۔ بس تھوڑا بہت مصالحہ جھڑتا رہا۔ ظاہر ہے لکڑی اور پتھر کا مقابلہ تھا، بڑی محنت اور قوت درکار تھی اور وقت بھی چاہئے تھا، وہ تھک کر چور ہوگیا، زبان بالکل خشک ہوگئی تھی، وہ تو اچھا ہوا پانی کی بوندیں اب بھی ملبے سے کہیں کہیں ٹپک رہی تھیں، انہوں نے بڑا سہارا دیا، اس نے حلق تر کیا اور پھر اپنی مہم سر کرنے میں لگ گیا، اس بار ایک بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ پلستر کا ایک بڑا ٹکڑا ٹوٹ کر نیچے آن گرا اور اینٹ نظر آنے لگی۔

"ٹھہرو حمزہ، مجھے دو!" فرید کو جیسے غیرت آئی اور اس نے تیزی سے آگے کھسک کر اس کے ہاتھ سے وہ لکڑی کا اوزار لے لیا جو اس وقت ان کے لئے جادوئی ڈنڈے کی حیثیت رکھتا تھا۔

فرید تازہ دم تھا اور جسمانی طور پر بھی وہ دوسرے ساتھیوں کی نسبت مضبوط تھا، اس لئے کچھ ہی دیر میں اس نے حمزہ کے بتائے ہوئے طریقے پر ضربیں لگا کر اینٹ کو اس قابل کردیا کہ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ الگ ہوسکتی تھی۔

پھر باری باری دوسرے لڑکوں نے بھی حصہ لیا اور تھوڑی بہت کامیابی حاصل کرلی۔ گلریز بے چارہ پہلے ہی بہت کمزور ہوچکا تھا، اس نے معذرت کرلی اور اعتراف کیا کہ وہ اس وقت اس قابل نہیں کہ یہ مشقت کا کام کرسکے۔ البتہ وہ ٹوپی میں ذخیرہ کیا ہوا پانی اپنے "محنت کش" ساتھیوں کو سپلائی کرتا رہا جو انگلیاں ڈبو ڈبو کر حلق تر کرتے رہے۔

اب پھر حمزہ کی باری تھی، اس نے بڑے طریقے سے اینٹ کے ان حصوں پر ضربیں لگائیں جہاں سے وہ الگ ہوسکتی تھی اور جب اس نے دیکھا کہ اس کے جوڑ سمینٹ سے خالی ہوچکے ہیں تو دونوں ہاتھوں سے ڈنڈے کے سرے سے اینٹ پر چوٹ مارنے لگا، گری ہوئی دیوار چونکہ دوسری طرف جھکی ہوئی تھی، اس لئے وہ اس کے پاس بے خطر بیٹھا اس پر زور آزمائی کررہا تھا۔ آخر دو روز کا بھوکا پیاسا کتنی دیر مقابلہ کرتا، ہاتھ روکنا چاہتا تھا کہ جانے کیا جی میں آیا کہ اللہ اکبر کہہ کر ایک زور دار ضرب لگائی اور اسی وقت اینٹ اپنی جگہ سے نکل کر پیچھے جا پڑی۔ "اللہ تیرا شکر ہے" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور دوسرے ساتھیوں کے چہرے بھی خوشی سے کھل اٹھے، اب اس غار نما جگہ کا اندھیرا بھی کافی حد تک کم ہوگیا تھا۔ حمزہ کو یقین ہو چلا تھا کہ اب منزل زیادہ دور نہیں ہے۔ چند گھنٹے اگر تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس کے کنارے بھی جھاڑتے رہے تو یقیناً اتنی جگہ بن جائے گی کہ اس میں سے سمٹ سمٹا کر دوسری طرف پہنچا جاسکتا ہے۔ پھر بھی اس خلا کے بڑے ہونے سے، باہر کی آوازیں پہلے کی نسبت صاف سنائی دینے لگی تھیں۔

حمزہ نے ٹوپی میں بچے کھچے پانی میں انگلی ڈبو کر حلق تر کیا اور کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے دیوار سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ اس کے چاروں ساتھی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ انسان نہیں کوئی دوسری مخلوق کا فرد ہے۔

پھر کچھ دیر بعد جب اس نے دوبارہ کام شروع کرنا چاہا تو فرید نے لکڑی کا ڈنڈا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور خلا کو چوڑا کرنے کی مہم شروع کردی۔ لیکن حمزہ نے دیکھا وہ اس طریقے سے کام نہیں کرپارہا جس طرح وہ خود کرنا چاہتا تھا، تو اس نے دوبارہ لکڑی کا اوزار اس کے ہاتھ سے لے کر بڑی تکنیک سے اس بڑے سے سوراخ کو اور بڑا کرنا شروع کردیا۔ پھر کوئی آدھا گھنٹے کے اندر ہی جب اس نے اس کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ بس اب کچھ ہی دیر باقی ہے وہ خلا اتنا بڑا ہوجائے گا کہ کوشش کرکے اس میں سے گزرا جاسکے گا۔

حمزہ کی ساری کوشش یہ تھی کہ یہ کام شام سے پہلے پہلے مکمل ہوجائے تاکہ دن کی روشنی میں دوسری طرف پہنچ کر وہاں کا جائزہ لے سکیں۔

☆......☆......☆

انہوں نے ظہر اور عصر کے وقفے میں نماز بھی ادا کی تھی اور آرام بھی کیا تھا، مگر پھر ہاتھ نہیں روکا تھا اور ابھی مغرب کا وقت نہیں ہوا تھا کہ حمزہ اپنی مہم سر کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ خوشی نے لڑکوں میں دوبارہ زندگی دوڑا دی تھی اور حمزہ سجدۂ شکر بجا لایا تھا، دوسری اینٹ کے نکالنے پر خلا اب اتنا بڑا ہوگیا تھا کہ گلریز ہی نہیں، فرید بھی باآسانی اس میں سے گزر کر دوسری طرف پہنچ سکتا تھا۔

سب سے پہلے حمزہ نے فرش پر لیٹ کر اور خلا میں سے جھانک کر دوسری طرف کا جائزہ لیا۔ فرش مٹی اور کیچڑ

سے بھرا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ اسٹور کی جگہ ہے جہاں اسکول سے متعلق مختلف سامان رکھا جاتا تھا اس کے برابر ہی لیب تھی اور وہاں سے کاریڈور پاور کر کے ہیڈ ماسٹر صاحب کا کمرہ تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی حمزہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''یا اللہ میرے بابا کی خیر کرنا'' یہ عا مانگتے وقت اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''کیا سوچنے لگے حمزہ! اب تو ہم آسانی سے دوسری طرف جاسکتے ہیں۔'' فرید کو اب دوسری طرف جانے کی جلدی ہو رہی تھی۔

''ہاں، بسم اللہ کرتے ہیں۔'' حمزہ نے کہا اور پلٹ کر ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اس نے پوچھا...... ''پہلے کون جائے گا؟'' کسی نے جواب نہیں دیا۔

''چلو ٹھیک ہے، پہلے میں جاتا ہوں۔'' حمزہ نے کہا مگر گلریز نے جلدی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں حمزہ بھائی! مجھے ڈر لگ رہا ہے، کہیں دوسری طرف اس سے بھی زیادہ مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔''

''بے فکر رہو گلریز، اللہ ہر مصیبت اور مشکل سے نکال دے گا۔'' اس نے کہا اور فرش پر لیٹ کر رینگتا ہوا اس بڑے سے روزن میں سے دوسری طرف جانے لگا۔

زیادہ دیر نہیں لگی اسے دوسری طرف پہنچنے میں، فرش پر اسے اٹھ کر سب سے پہلے اس نے اس تباہ شدہ کمرے کا جائزہ لیا۔ باہر نکلنے کا وہاں بھی کوئی راستہ نہیں تھا، البتہ ٹوٹی ہوئی چھت کے بڑے سے شگاف میں سے آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا، اس نے سوچا، وہاں تک کسی طرح پہنچ کر باہر بھی نکلا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو اس طرف آنے کی دعوت دی لیکن سب سے پہلے گلریز سے کہا کہ وہ اس خلا میں سے آئے جس سے نکل کر وہ خود آیا تھا۔ گلریز بیچارا ڈرا سہا کسی رینگنے والے جانور کی طرح سینے کے بل گھسٹتا ہوا اس دیوار کے سوراخ میں سے دوسری طرف پہنچ گیا۔ حمزہ نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا، فرش پر پانی اور کیچڑ ہونے کے سبب اس کا حلیہ خراب ہو گیا تھا، یہی حال خود حمزہ کا تھا، بہر حال گلریز نے اسے اپنے سامنے پا کر اطمینان کا سانس لیا۔

فرید کو اس خلا میں سے گزرتے ہوئے خاصی دقت اٹھانی پڑی، غریب کے بازوؤں پر کچھ خراشیں بھی آئیں، لیکن بہر حال حمزہ تک پہنچنے میں وہ بھی کامیاب ہو گیا، مر جان اور خرم تو چھریرے بدن کے تھے، بآسانی نکل آئے۔

سب نے ایک طرف سکھ کا سانس لیا، لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ یہاں بیٹھنے تک کو جگہ نہیں تھی، کمرے میں بچی کھچی جگہ پر کیچڑ اور پانی بھرا ہوا تھا، کمرے کی دیواروں کو بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا، چھت بھی پوری طرح تباہ نہیں ہوئی تھی، بس کچھ حصہ ٹوٹ کر نیچے گر پڑا تھا، اسی شگاف میں سے بارش کا پانی آیا تھا اور دھوپ پہنچ رہی تھی، اب یہی شگاف ان سب کی امیدوں کا مرکز تھا۔

''میرا خیال ہے، یہاں سے ہماری آواز بآسانی باہر جاسکتی ہے۔'' فرید نے چہرہ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور زور زور سے پکارنے لگا۔

''کوئی ہے...... کوئی ہے۔''

لیکن اس کی آواز اتنی کمزور تھی کہ خود اس کے ساتھی بھی بمشکل سن پا رہے تھے۔ دوسرے لڑکوں کی تو ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ وہ زیادہ دیر کھڑے نہیں رہ سکے اور کیچڑ میں ہی بیٹھ گئے۔ مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا۔ سردی بڑھ رہی تھی اور یہ سب سے بڑا مسئلہ تھا کہ اگر وہ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے یہاں سے نہ نکل سکے تو سردی مار ڈالے گی۔

''حمزہ بھائی جلدی سے کچھ کرو، ورنہ سردی میں اکڑ جائیں گے۔'' گلریز سکڑتے ہوئے بولا۔

''ہاں یار مجھے تو ابھی سے کپکپی لگ رہی ہے، اس سے تو وہیں اچھے تھے، سردی سے تو بچے ہوئے تھے۔'' مرجان نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا، جہاں سے ابھی ابھی وہ آزاد ہوئے تھے۔

''میرا خیال ہے، اسٹور کی ٹوٹی الماری میں ضرور ایسی چیزیں ہوں گی جو شاید اس وقت ہمارے کام آسکیں۔'' خرم بڑی دیر سے تباہ شدہ اسٹور کا جائزہ لے رہا تھا جبکہ فرید اپنے بازو سہلا رہا تھا، کیونکہ اس کو اچھی خاصی خراشیں آئی تھیں، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، کمزوری اور بے ہوشی ان پر طاری ہونے لگی تھی۔

صرف حمزہ تھا جو ہزار کمزوری کے باوجود چہرہ اٹھائے چھت کی طرف غور سے دیکھے جا رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ وقت کم ہے اور جو کچھ کرنا ہے، سورج چھپنے سے پہلے پہلے کر گزرنا ہے، اس کے بعد اندھیرا بھی ہو جائے گا اور سردی بھی بڑھ جائے گی جبکہ اس کاٹ کباڑ بھرے ہوئے کھنڈر میں تو بیٹھنے کی بھی جگہ نہیں ہے۔

''یا اللہ!'' بار بار اس کے ہونٹوں سے نکل رہا تھا۔ ''تو ہی مدد کرنے والا ہے۔'' اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا کہ ہر مشکل گھڑی میں سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں پکارا جاسکتا اور وہی ہے جو ہر مصیبت میں اپنے بندوں کے کام آتا ہے، یہی ہوا کہ اللہ نے اس کی سنی اور اس کے دماغ میں ایک نیا خیال پیدا ہوا، اسٹور میں پتلے پتلے بہت سے بانس پڑے ہوئے تھے جن میں چھوٹے چھوٹے قومی جھنڈے بندھے تھے، انہیں گزشتہ جشن آزادی کے موقع پر استعمال کیا گیا تھا، وہ خود بھی ایک جھنڈا اٹھا کر مارچ پاسٹ میں شریک ہوا تھا، اس نے جلدی سے دو بانس اٹھائے اور ان کے سروں پر بندھے ہوئے جھنڈے اتار کر انہی سے دونوں بانسوں کو خوب اچھی طرح باندھ دیا۔ پھر دو بانس اور اسی طرح جوڑ دیئے اور پھر ان دونوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا۔ اب وہ بانس اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ چھت سے اوپر تک پہنچ سکتا تھا، اس نے ایک پرچم بانس کے سرے پر ہی رہنے دیا تھا۔ پھر بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا اور چھت کے شگاف میں سے پار کر کے باہر نکال دیا۔

سب لڑکے عجیب نظروں سے اس کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی کرتب دکھا رہا ہو۔

وہ پرچم لگے بانس کو ہلاتے ہوئے بہت احتیاط برت رہا تھا کہ کہیں کھل کر گر نہ جائے۔ کافی دیر تک وہ یہ مظاہرہ کرتا رہا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا۔

''لگتا ہے، گاؤں کے سب لوگ مر گئے ہیں۔'' فرید جل کر بولا اور حمزہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا: ''خدا نہ کرے، ایسی بات منہ سے کیوں نکالتے ہو۔''

''تو پھر کوئی بھی ابھی تک ہماری مدد کو کیوں نہیں آیا؟'' اس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔

''تم سمجھتے ہو فرید بھائی! لوگ گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوں گے، سن نہیں رہے ہو، مسلسل آوازیں آ رہی ہیں۔ جانے کیا کیا کچھ کر رہے ہوں گے ہمارے لئے۔''

اور اسی وقت لوگوں کی آوازیں بہت قریب سنائی دینے لگیں۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ چھت کی ٹوٹی ہوئی جگہ میں سے کسی نے جھانک کر دیکھا اور زور سے پکارا۔

''ادھر آؤ، ادھر آؤ، دیکھو کچھ بچے یہاں زندہ نظر آ رہے ہیں۔'' اس جملے نے حمزہ کے ساتھیوں کے چہروں پر خوشی بکھیر دی، مگر خود حمزہ کو یوں لگا، جیسے دوبارہ زلزلہ آ گیا ہو، جیسے وہ پھر کسی بھاری ملبے تلے دب گیا ہو، اس کا مطلب ہے صرف وہ اور اس کے یہ چند ساتھی زندہ بچے ہیں اور اس کی بھری پری کلاس اور پورے اسکول کے بچے...... وہ کیا ہوئے؟ اور اس کے اساتذہ اور خود اس کے بابا......'' یہ سوچ کر ہی اس کی آنکھیں پگھل گئیں۔

''دیکھو، بچو! فکر نہ کرنا، ہم ابھی تمہارے پاس آ رہے ہیں، شاباش، ہمت رکھو!''

کوئی شخص ٹوٹی ہوئی چھت میں سے جھانک جھانک کر بچوں کی ہمت بڑھانے لگا اور فرید سمیت سب ساتھی خوشی سے رو پڑے۔ لیکن حمزہ نے پھر اپنے آنسو پونچھ لئے۔

کوئی آدھے گھنٹے کے انتظار کے بعد آخر بانس کی ایک سیڑھی شکستہ چھت میں سے نیچے ڈالی گئیں، اس کے ذریعے ایک شخص نیچے اترا۔ ''آؤ ایک ایک کر کے چلو!''

اس نے سب کو اپنے بازوؤں پر لینا چاہا۔
"جاؤ خرم پہلے تم جاؤ!" حمزہ نے کہا اور خرم ایک نظر حمزہ پر ڈال کر چپ چاپ سیڑھی کی طرف بڑھ گیا، اس سے بمشکل چلا جا رہا تھا، رضا کار شخص نے اسے بازو سے پکڑ کر سیڑھی پر چڑھایا اور خود نیچے سے اسے سہارا دے کر اس کے ساتھ ساتھ اوپر چڑھنے لگا، سب لڑکے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھ رہے تھے، جیسے ہی خرم چھت کے آخر میں پہنچا تو باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے ایک زندہ سلامت طالب علم کو دیکھ کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

رضا کار دوبارہ آیا اور اس بار مرجان کو لے گیا۔ نعرہ پھر بلند ہوا، رضا کار نے گلریز کو لے جانا چاہا تو اس نے حمزہ کے بغیر جانے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا مجبوراً افرید کو جانا پڑا اور آخر میں حمزہ گلریز کو جو بالکل نڈھال ہو چکا تھا، سہارا دیتے ہوئے سیڑھی چڑھنے لگا، رضا کار اس کے پیچھے پیچھے تھا، لیکن حمزہ اس کے سہارے بغیر پوری ہمت سے پاؤں رکھتا ہوا اوپر کی طرف جا رہا تھا، یہاں تک کہ اس نے گلریز کو چھت پر پہنچا دیا۔ اللہ اکبر کی صدا پھر بلند ہوئی اور اسی گونج میں حمزہ نے سیڑھی ختم کر کے چھت پر قدم رکھا، پہلے کی طرح لوگوں نے اسے بھی سنبھال لیا اور جب وہ اسی سیڑھی کے ذریعے اتر کر نیچے پہنچا تو اس کی آنکھیں بے تابی سے کسی کو تلاش کرنے لگیں۔

"بابا...... میرے بابا کہاں ہیں؟" اس نے کمزور آواز میں پوچھا۔ کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ پھر اسی اندھیرے غار میں اتر گیا ہے جہاں سے کچھ دیر پہلے نکل کر باہر آیا تھا۔

امدادی کارروائیاں کرنے والے رضا کاروں نے اسے پانی پلانے کی کوشش کی تھی مگر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

☆......☆......☆

پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ میڈیکل کیمپ میں تھا، وہاں ڈاکٹر اور طبی امداد سے متعلق دیگر سب لوگ موجود تھے، مگر اس کے بابا وہاں بھی نہیں تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! میرے بابا...... میری امی......؟"

اس نے ہوش میں آتے ہی پوچھا، لیکن ڈاکٹروں کے پاس دوائیں یعنی علاج کا سب سامان موجود تھا، نہیں تھا تو اس کے سوال کا جواب کہ اس کے ماں باپ کہاں ہیں؟

"سب مل جائیں گے بیٹا سب آ جائیں گے، تم اس وقت بالکل بے فکر ہو کر آرام کرو...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

یہ وہ بہلاوا تھا جو اسے مسلسل دیا جا رہا تھا اور اسی لئے ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا اچھل گیا اور وہ دوبارہ نیند کی آغوش میں چلا گیا، نہیں معلوم یہ وہ نیند تھی جو دو دن سے گنوا آیا تھا یا ڈاکٹروں کے انجکشن کا اثر تھا۔

☆......☆......☆

اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو اکیلا پایا۔ "دوسرے لوگ کہاں گئے؟"

وہ ابھی اپنے ساتھیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر کا رضا کار ساتھی جلدی سے اس کے پاس آیا، اس کی خیریت دریافت کی، مگر حمزہ نے الٹا اس سے اپنے ہم جماعت ساتھیوں سے متعلق سوال کیا، تو اس نے بتایا کہ سب لڑکوں کے سرپرست، ضد کر کے انہیں اپنے ساتھ لے گئے ہیں، حالانکہ ڈاکٹر ابھی جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے، مگر لڑکوں کے والدین کا کہنا تھا کہ اللہ کا شکر ہے، ان کے بیٹے زندہ اور سلامت ہیں، لہٰذا وہ انہیں لے کر آسمان تلے بھی گزار سکتے ہیں جبکہ ان بستروں اور اسپتال کی زیادہ ضرورت ان کو ہے جو زخمی ہیں اور تکلیف میں ہیں۔

یہ سنتے ہی حمزہ نے بستر چھوڑ دیا۔

"مجھے بھی رخصت دیجئے ڈاکٹر صاحب!"

"لیکن، تم جاؤ گے کہاں بیٹا......؟"

"میں...... اپنے بابا اور امی کو تلاش کروں گا!"

"کہاں ڈھونڈو گے انہیں...... اس تباہی میں

تمہیں کہاں ملیں گے!؟"

"کہاں ملیں گے؟" حمزہ سوچ میں پڑ گیا، یکا یک اس کی آنکھوں کے سامنے ہولناک منظر گھوم گیا جب اچانک زمین زور زور سے ہلنے لگی تھی، کمرہ جھولے کی طرح ڈولنے لگا تھا، وہ اور اس کی کلاس کے ساتھی چیختے چلاتے باہر جانا چاہتے تھے کہ کمرے کی چھت ان پر آن پڑی اور دیواریں بیٹھ گئیں۔

"بابا......" وہ بے اختیار پکارا اٹھا...... "ڈاکٹر صاحب میرے بابا بھی وہیں تھے، اسی اسکول میں، وہ بھی اپنے کمرے میں ہماری طرح......"

"نہیں افسوس ہے بیٹا کہ اسکول کی عمارت میں تم اور تمہارے چار ساتھیوں کے سوا کوئی زندہ نہیں بچا......"

"زندہ نہیں بچا......؟" رضا کار کی زبانی سن کر وہ سکتے میں رہ گیا۔

"ہاں، افسوس اسکول کی تباہ شدہ عمارت میں سے تمام لاشیں نکالی جا چکی ہیں۔"

"نہیں...... کیا پتا وہ امی کو دیکھنے گھر چلے گئے ہوں!" حمزہ جیسے ابھی تک اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

"کاش ایسا ہی ہوتا بیٹا...... لیکن میں ماسٹر صاحب کی تدفین میں خود شریک تھا۔" رضا کار نے بتایا۔

"اور میری امی......؟ وہ تو گھر میں تھیں......"

"گھر کا اب کوئی وجود نہیں رہا...... کوئی عمارت باقی نہیں بچی، سب مٹی کا ڈھیر بن چکی ہیں اور ان میں رہنے والے ان میں دب کر بری طرح زخمی ہیں یا پھر......"

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، امی ضرور خیریت سے ہوں گی...... میں خود جا کر دیکھتا ہوں...... وہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

وہ پاگلوں کی طرح چیختا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کر جانا چاہتا تھا کہ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "نہیں بیٹا...... مسجد گلی کے کس بھی گھر میں، اب کوئی بھی انتظار کرنے والا نہیں رہ گیا...... سب چل دیئے، سب جا چکے۔"

"جا چکے...... سب......؟" حمزہ نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے شخص کی طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا جس کا زخمی چہرہ پٹیوں میں چھپا ہوا تھا۔

"کہاں جا چکے......؟" حمزہ کی آواز کانپ کر رہ گئی۔

"وہاں...... جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔"

"آپ کا مطلب مر گئے......؟ میرے بابا، میری امی دونوں......؟"

"دو نہیں بیٹا ہزاروں...... بلکہ ہزاروں سے بھی زیادہ...... نہ جانے کتنے باپ، کتنی مائیں اور کتنے بچے...... سب ایک ساتھ......"

"ایک ساتھ......! تو پھر مجھے کیوں چھوڑ گئے...... مجھے ساتھ کیوں نہیں لے گئے!" لگتا تھا جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے...... "آپ کا مطلب میں اکیلا رہ گیا، مگر میں اکیلا نہیں رہ سکتا...... اپنے بابا اپنی امی کے بغیر...... نہیں، مجھے جانے دو، میں ان کے پاس جانا چاہتا ہوں...... میں اکیلا نہیں رہ سکتا۔"

صبر سے کام لو بیٹا...... ہمت پکڑو...... تم اکیلے نہیں ہو، تمہاری طرح نہیں معلوم کتنے اکیلے رہ گئے ہیں...... مجھے دیکھو میں بھی اکیلا رہ گیا ہوں، دونوں بیٹے، دونوں بیٹیاں اور بیوی سب......"

زخمی شخص کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"پلیز جناب آپ اپنے بستر پر جایئے۔" ڈاکٹر نے اسے ٹوکا۔ "اس طرح بچہ اور زیادہ پریشان ہوگا۔" وہ زخمی شخص کا بازو پکڑ کر اس کے بستر کی طرف لے گیا۔

"اب تم بھی آرام کرو بیٹا...... تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے...... یہ لو تھوڑا سا جوس پی لو......"

ڈاکٹر حمزہ سے مخاطب تھا مگر حمزہ تو اب جیسے پتھر کا بن چکا تھا۔ وہ خیمے سے باہر، پتھرائی ہوئی آنکھوں سے، مسلسل دیکھے جا رہا تھا، جہاں دور تک زلزلے کی تباہی کے مناظر پھیلے ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

"اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت یعنی بھید ضرور ہوتا ہے۔ آدمی کی عقل بہت چھوٹی ہے وہ اس کے کاموں کو نہیں سمجھ سکتی۔" حمزہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی والدہ کہیں قریب سے ہی بول رہی ہے۔ پھر ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے ایک روشن اور پاکیزہ چہرہ چمکنے لگا۔ اس کی امی ایک رات سخت سردی کے موسم میں اسے اپنے پاس لٹا کر اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے حالات و واقعات سنا رہی تھیں۔

"آپ ابھی دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہ کا آپ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا۔ پھر آپ کی عمر شریف چھ برس تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی وفات پا گئیں اور وہ بھی سفر کے دوران، گھر سے دور، ایک ویران علاقے میں۔"

"ویران علاقے میں کیوں امی!" حمزہ نے پوچھا اور اس کی امی بتانے لگیں۔

"دراصل بیٹا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ صاحبہ حضرت آمنہؓ کا میکہ، مکے سے دو ڈھائی سو میل کے فاصلے پر یثرب میں تھا، یہی یثرب جو بعد میں مدینہ کہلایا۔ اسی شہر میں آپؐ کے والد حضرت عبداللہ کی وفات ہوئی کیونکہ وہ ملک شام تجارت کی غرض سے گئے تھے اور واپسی پر یہاں اپنی سسرال میں ٹھہرے تھے کہ اچانک بیمار پڑ گئے اور انتقال فرما گئے۔ حضرت آمنہؓ مکے سے وہاں اسی غرض سے گئی تھیں کہ اپنے شوہر کی قبر پر حاضری دے سکیں اور اپنے بیٹے کو ننھیال والوں سے ملا سکیں، تو ان دونوں کاموں سے فارغ ہو کر لوٹ رہی تھیں کہ مدینہ سے کچھ فاصلے پر ابوا کے مقام پر آپ کی وفات ہو گئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کل چھ برس کی تھی۔ تمہیں یہ بات اس لئے سنا رہی ہوں کہ تم سوچو اتنی چھوٹی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شہر سے دور تنہا رہ گئے، والد پہلے ہی نہیں تھے، اب ماں بھی ساتھ چھوڑ گئیں اور وہ بھی سفر کے دوران۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک خادمہ تھیں، جن کا نام ام ایمن تھا۔ وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ آئیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے آپ کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ اب تم سوچو، کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ دُرِ یتیم بچہ، کل دنیا کا سب سے بڑا انسان بنے گا!؟ بلکہ دادا بھی زیادہ عرصہ نہیں رہے، دو برس کے بعد ہی وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس تھی۔ دادا کی یوں تو کئی اولاد تھی لیکن انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو آپ کا سرپرست مقرر کیا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم چچا کی سرپرستی میں آ گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی، لیکن آپ خود کو یتیم سمجھ کر مایوس نہیں ہوئے بلکہ آپ نے بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر جاری رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کی بکریاں لے کر جنگل کی طرف نکل جاتے۔ وہاں بکریوں کو چرنے چھوڑ کر خود غور و فکر میں مصروف ہو جاتے۔ زمین و آسمان کا جائزہ لیتے، ان سب چیزوں کے بنانے والے کے بارے میں سوچتے، انسان پر غور کرتے کہ انسان تمام مخلوقات سے الگ اور افضل ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے خالق نے اسے دنیا میں کس کام کے لئے بھیجا ہے؟ بلکہ جب دنیا کی کوئی چیز اس نے بے مقصد نہیں بنائی ہے تو پھر انسان کو بنانے اور اسے دنیا میں بھیجنے کا بھی ضرور کوئی بڑا مقصد ہوگا؟

یہی غور و فکر کرنے کی عادت تھی، جس نے انہیں اس بات کا عادی بنایا کہ جب بڑے ہو کر آپ شادی بیاہ سے فارغ ہو گئے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بھی ہو گئی اور گھر بار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے فکری میسر آ گئی تو آپ اکثر مکے سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کی طرف چلے جاتے، جہاں ایک غار تھا جس کا

نام حرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غار کی تنہائی میں اللہ کی عبادت کرتے اور اس کے ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ کئی کئی دن کا کھانا باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن اور رات اسی غار میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت اور غور و فکر میں گزار دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تو زمین و آسمان اور اللہ کی بنائی ہوئی بے شمار چیزوں کے بارے میں سوچتے، دوسری طرف خود اپنے ماحول پر غور کرتے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود زندگی گزار رہے تھے، جہاں آپ کے چاروں طرف جہالت پھیلی ہوئی تھی، ہر طرف ظلم کا بازار گرم تھا۔ لوگ اللہ کو بھول کر پتھر کی مورتیوں کو پوجتے اور ان جھوٹے خداؤں سے مدد مانگتے اور ان کو اپنا حامی و مددگار سمجھتے تھے۔ ایک مکہ نہیں، سارے عرب میں ہی جوا، شراب، ناچ گانے اور بد اخلاقی کے سارے کھیل تماشے عام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حالت زار دیکھ کر دل ہی دل میں رنجیدہ ہوتے اور افسوس کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چہرہ اٹھا کر بار بار آسمان کی طرف دیکھتے کہ اللہ ان کو سدھارنے کا کوئی انتظام فرما دے۔ ایک رات آپ اسی جگہ اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر میں مصروف تھے کہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ وہ اللہ کا خاص فرشتہ جبرئیل (علیہ السلام) ہے اور اسے اللہ نے اپنا کلام دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے۔" اس کا مطلب تھا کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول منتخب کر لیا تھا کیونکہ فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل علیہ السلام، عام انسانوں کے پاس نہیں، اللہ کے نبی اور رسول کے پاس ہی آتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے کلام کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

"جی ہاں امی! وہ آیتیں مجھے یاد ہیں۔" حمزہ درمیان میں بولا۔

"اچھا، ماشاء اللہ سناؤ تو ذرا!" ماں نے خوش ہو کر کہا اور حمزہ بسم اللہ پڑھ کر قرأت کے انداز میں پڑھنے لگا۔

اقرا بسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق

"ماشاء اللہ، اب ذرا اس کا ترجمہ بھی سناؤ۔" ماں کے کہنے پر حمزہ نے آیتوں کا ترجمہ بھی فر فر سنا دیا۔

"پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے سب کچھ بنایا ہے، جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے۔"

"شاباش!" "اب بتاؤ میں نے آج تمہیں یہ باتیں کیوں یاد دلائی ہیں؟ حمزہ امتحان میں پورا اترا تو ماں نے مزید پوچھا۔ مگر پھر خود ہی کہنے لگیں۔" اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ بیٹا کہ تم جان سکو کہ انسان کو بڑا بننے کے لئے کسی بڑے خاندان، بڑے روپے پیسے اور بڑی حمایت اور طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ نیک ارادہ، ہمت حوصلہ اور اللہ پر بھروسہ ہو اور اللہ کی مدد شامل ہو تو ایک دریتیم بھی دنیا میں بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے اور انسان کی بڑائی اس میں ہے کہ وہ خود کو سب سے کمتر اور اپنے خالق یعنی اللہ کو سب سے بڑا سمجھے، اسی کے آگے سر جھکائے، اسی سے ہر چیز طلب کرے اور یہ کہ وہ دوسروں کے کام آئے، دکھی انسانیت کی خدمت کرے، لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا رہے۔"

"امی! کیا میں بھی بڑا آدمی بن سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں! ہر آدمی بڑا آدمی بن سکتا ہے، لیکن یہاں ایک بات اور یاد رکھو بیٹا، کبھی یہ مت سوچنا کہ میں بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں، بڑائی صرف خدا کے لئے ہے، جب بھی سوچو تو یہ ارادہ کرو کہ میں اچھا انسان بننا چاہتا ہوں اور اچھا انسان بننے کے لئے ہمیشہ اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے سوچنا چاہئے، دوسروں کے بارے میں فکر کرنی چاہئے جو شخص اوروں کی بھلائی کے کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اسے دنیا کی نظر میں بڑا بنا دیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے امی! میں بھی بڑا ہو کر ایسے ہی بھلائی

کے کام کروں گا، دوسروں کے کام آؤں گا اور......"

"بڑے ہو کر نہیں بیٹا، ابھی سے، اس لئے کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے، خاص کر دوسروں کے کام آنے کے لئے عمر اور وقت کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ اگر تم چاہو تو اب بھی دوسروں کے کام آسکتے ہو!" ماں نے سمجھایا۔

"میں تو ابھی چھوٹا ہوں امی، دوسروں کے کیا کام آسکتا ہوں؟"

"آسکتے ہو بیٹا! کیوں نہیں آسکتے۔" ماں نے ٹوکا۔

"تم دل لگا کر پڑھو، یہ سوچ کر پڑھو کہ اپنی پڑھائی اور تعلیم کے ذریعے دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچاؤ گے تو سمجھو تم نے ابھی سے دوسروں کے کام آنا شروع کر دیا۔ پھر تم اپنے ہم جماعت ساتھیوں کی پڑھائی میں اور ان کی دوسری ضرورتوں میں ان کا ہاتھ بٹا سکتے ہو، مثلاً تم اپنی جیب خرچی میں سے غریب بچوں کی مدد کر سکتے ہو۔"

"وہ تو میں اب بھی کرتا ہوں امی! جو چیز کھانے پینے کی لیتا ہوں، اپنے کسی نہ کسی کلاس فیلو کو اس میں شریک کر لیتا ہوں۔"

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید ہے بیٹا! تم اپنے بابا کو دیکھو، وہ اب بھی اپنے بچپن کے غریب ساتھیوں کی کسی نہ کسی بہانے مدد کرتے رہتے ہیں۔ اچھا اب وقت بہت ہو گیا ہے آج اتنا ہی رکھتے ہیں، یعنی ایک تو یہ کہ کبھی نہ سوچیں کہ ہمیں بڑا بننا ہے بلکہ یہ سوچیں کہ اچھا بننا ہے۔ بڑا صرف خدا کو جانیں اور اسی کی باتوں پر عمل کریں کہ اللہ خود اچھا کام کرنے والے کو بڑا بنا دیتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حالات چاہے کیسے ہی ہوں، کبھی اللہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ بڑا کارساز اور مددگار ہے، وہ ایک یتیم کو دنیا کا سب سے بڑا انسان بنا سکتا ہے۔"

نہیں معلوم اور کیا کیا گزری باتیں اسے یاد آتی رہیں، پھر اسی طرح وہ آہستہ آہستہ نیند میں کھو گیا۔

☆......☆......☆

اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ کتنی دیر سویا رہا تھا اس کا اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ دراصل ڈاکٹر نے اس کی دماغی حالت دیکھ کر اسے پھر نیند کا انجکشن لگا کر سلا دیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر غور غور سے دیکھا، خیمے کے اندر دھندلا سا اجالا پھیلا ہوا تھا، ڈاکٹر اور عملے کے دوسرے افراد میں سے کوئی بھی موجود نہیں تھا، وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے برابر دیگر تین بستروں پر مریض گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

وہ اپنے بستر سے نیچے اتر آیا اور یونہی بے ارادہ سا ایک طرف جانے لگا کہ اسی وقت اسپتال کا ایک کارکن اندر داخل ہوا اور اسے دیکھ کر فوراً اس کی طرف بڑھا۔

"کیا بات ہے بیٹا......؟" اس نے پوچھا۔ مگر حمزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس وہ خالی خالی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ "ابھی کچھ دیر آرام کرو......ڈاکٹر صاحب سحری کے بعد راؤنڈ پر آئیں گے۔"

"سحری!" حمزہ نے اس طرح چونک کر اس کی طرف دیکھا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یکایک یاد آگئی ہو......پھر وہ پھوٹ کر اور بلک بلک کر رونے لگا۔ "نہیں بیٹا نہیں"...... پختہ عمر کے طبی کارکن نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

"کیا ہوا...... خیر تو ہے؟" رونے کی آواز سن کر ڈاکٹر تیزی سے اندر آیا اور حمزہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ وہ مسلسل اس سے رونے کی وجہ معلوم کرتا رہا مگر وہ سوائے آنسو بہانے کے کوئی جواب نہیں دے پا رہا تھا۔ بتاتا بھی تو کیا کہ اس وقت اس کا زخم کس بری طرح چھل گیا ہے۔ سحری کا سن کر اسے اپنے ماں باپ کے ساتھ کی ہوئی آخری سحری کا منظر یاد آگیا ہے۔

"آؤ، ہمارے ساتھ کچھ کھا لو، ہم سحری کر رہے ہیں!" ڈاکٹر اس کا بازو پکڑے ہوئے دوسرے خیمے میں لے گیا۔

"یہ لو، قلی کر لو!" ڈاکٹر کے ساتھی نے اپنی کی بوتل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور وہ بڑی سی پانی کی بوتل اٹھائے ایک کونے میں چلا گیا، ڈاکٹر بڑی دلچسپی سے اسے وضو کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

وہ گھر میں سحری اور نماز سے فارغ ہو کر ماں باپ کے ساتھ تلاوت میں شریک ہوتا تھا۔ آج بھی اس کا جی تلاوت کو چاہنے لگا۔ لیکن اتفاق سے کیمپ میں کسی کے پاس قرآن مجید نہیں تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ صبح ہی قرآن کریم کا انتظام کرا دیں گے۔ انہوں نے روزہ چھوڑنے کے لئے بھی کہا تھا کہ ابھی کمزوری باقی ہے، پوری طرح طبیعت بحال ہو جائے تو پورا کر لینا مگر اس نے نہیں مانا اور ڈاکٹر صاحب کو بھی آخر اس کی ضد کے آگے مجبور ہونا پڑا۔

سورج نکلنے میں بہت وقت تھا اس لئے وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ساتھ ہی خیالوں نے اسے پھر گھیر لیا۔ اچانک زلزلے کی تباہی نے سب کچھ ہی بدل کر رکھ دیا تھا، ہنستے بولتے گھر خاموش کھنڈر میں تبدیل ہو گئے تھے۔ اسے اب تک یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ خوبصورت وادی اجڑ چکی ہے، اس کا گھر، اسکول اور محلے سب برباد ہو چکے ہیں اور......اور یہ کہ اس کے ماں باپ دنیا سے جا چکے ہیں اور وہ اس جہان میں اب اکیلا رہ گیا ہے، اسے لگا جیسے یہ سب خواب ہے۔ "خدا کرے ایسا ہی ہو!" یکایک اس نے سوچا۔ اگر ایسا ہوا تو کتنا اچھا ہوگا، صبح آنکھ کھلتے ہی وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اور امی اور بابا کو سامنے پا کر خوشی میں ان سے لپٹ جائے گا، انہیں خوب پیار کرے گا اور پھر ان کے درمیان بیٹھ کر یہ سارا قصہ، یہ بھیانک منظر انہیں سنائے گا، تب امی اپنی عادت کے مطابق اسے کوئی نہ کوئی قرآنی وظیفہ پڑھنے کو بتائیں گی اور بابا صرف لاحول پڑھنے کا مشورہ دے کر، الٹی سیدھی کہانیاں پڑھنے سے منع کریں گے۔

"تو کیا واقعی میں یہ خواب دیکھ رہا ہوں! ایسا بھیانک اور دردناک خواب!" وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے آس پاس کا جائزہ لیا، کیمپ زخمیوں سے بھرا پڑا تھا، اس کے قریب ہی وہ مریض جس کا چہرہ پٹیوں میں چھپا ہوا تھا، بستر پر لیٹا کراہ رہا تھا، معلوم نہیں وہ زخموں کی تکلیف سے ایسا کر رہا تھا یا کہ اپنے مرنے والوں کا غم اسے ستا رہا تھا؟

"اوہ! نہیں، نہیں، یہ خواب نہیں ہے سچ مچ ہے، سب کچھ سچ مچ ہے، جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے، وہی ہے سب کچھ......خواب تو وہ تھا جو اس نے اس وقت دیکھا تھا جب وہ اسکول کے ملبے تلے دبا ہوا تھا۔

اس خواب اور اس حقیقت میں کتنا فرق ہے، وہ موسم، وہ سبزہ، وہ پھل پھول اور درخت، وہ چہچہاتے پرندے اور وہ صاف شفاف پانی کی نہریں......اور وہ خوبصورت عالی شان محل......اور سب سے زیادہ دل خوش کر دینے والا منظر، اس کی امی اور اس کے بابا، کیسے خوش نظر آرہے تھے، کیسی پیاری جنت تھی وہ، جہاں اس وقت وہ موجود ہیں اور یہ......؟"

اس نے ایک بار پھر اپنے آس پاس نظر ڈالی، یہ وادی جو کبھی جنت کہلاتی تھی اب جہنم لگ رہی ہے، ہر طرف موت بکھری پڑی ہے۔

"تو میں یہاں اس دوزخ میں کیوں رہوں! وہاں جنت میں اپنے امی بابا کے پاس کیوں نہ چلا جاؤں!" یکایک اس نے سوچا اور اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا تھا کہ ماں کی آواز پر ٹھٹک کر رہ گیا، اسے لگا، کہیں قریب سے ہی وہ بول رہی ہیں۔

"انتظار!" وہ آپ ہی آپ بول پڑا......"کب تک انتظار کریں گے آپ؟ اور پھر مجھے بھی تو انتظار کرنا پڑے گا، پہلے بڑا ہونے کا پھر اچھے اچھے کام ختم کرنے کا، یہ انتظار تو بہت لمبا ہو جائے گا امی! نہیں، نہیں، میں ابھی اور اسی وقت آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں، ہاں امی، بابا مجھے اپنے پاس بلا لیجئے!"

"نہیں بیٹا، ایسا نہیں کہتے!" کیمپ کے کارکن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے سمجھایا...... "موت کی دعا مانگنا گناہ ہوتا ہے اور پھر تم تو ایک بہادر لڑکے ہو، نیک ماں باپ کی اولاد ہو، ہم سب تمہارے اپنے ہیں، ساری قوم آج تمہیں اپنی اولاد سمجھ رہی ہے، ہمت سے کام لو، پڑھو لکھو، وہ کام کرو جس سے تمہارے امی ابو کی روحیں خوشی سے جھوم اٹھیں۔ شاباش! آرام کرو، ابھی صبح ہونے میں کافی دیر ہے۔" کارکن نے اسے دوبارہ بستر پر لٹا کر کمبل اوڑھا دیا اور اس نے چپ چاپ اس امید پر آنکھیں بند کرلیں کہ بس وہ جلدی سے بڑا ہوکر جلدی جلدی وہ سارے اچھے کام ختم کرے گا جو اسے انجام دینے ہیں، پھر ان سے فارغ ہوکر اپنے بابا اور امی کے پاس پہنچ سکے گا۔ اسی سوچ میں گم اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆......☆......☆

حسین اور خوبصورت وادی سوگوار تھی۔

دور تک بکھرے ہوئے مکانوں کے کھنڈر، زلزلے کی تباہ کاریوں کی داستان سناتے نظر آتے تھے۔

زندہ بچنے والے، کھلے آسمان کے نیچے پڑے تھے۔

گزشتہ دنوں کی بارش نے سردی میں اضافہ کردیا تھا۔ آسمان پر اب بھی سفید سفید بادلوں کی ٹکڑیاں تیرتی پھر رہی تھیں مگر سورج کو نکلنے سے نہیں روک سکی تھیں۔

شروع دن کی سنہری دھوپ چاروں طرف پھیل چکی تھی، لیکن کچھ لوگ بہت پہلے سے ہی میڈیکل کیمپ کے باہر جمع ہوگئے تھے۔

"جیسا باپ تھا ویسا ہی بیٹا نکلا، بہت ہی نیک، بڑا بہادر۔"

"ہاں سچ مچ بڑی جرأت اور بہادری کا کام کیا ہے چھوٹی سی جان نے، نہ صرف اپنی بلکہ اپنے چاروں ساتھیوں کی جان بچالی، اللہ اس کی عمر دراز کرے۔"

وہ لوگ حمزہ سے ملنے آئے تھے اور اسے زندگی کی دعائیں دے رہے تھے اور حمزہ گرم کمبل کے اندر چپ چاپ لیٹا خود کو مردوں سے بدتر محسوس کررہا تھا۔

اس سے ملنے کے منتظر لوگ ان بچوں کے والدین تھے جو حمزہ کے ہم جماعت اور اسکول کے ساتھی تھے اور جو دو دن تک موت سے لڑتے رہے تھے اور اگر حمزہ ہمت نہ دکھاتا اور اپنے ساتھیوں کو حوصلہ نہ دلاتا تو وہ یہ جنگ ہار جاتے اور شاید امداد پہنچنے سے پہلے ہی ناامیدی کی موت مرجاتے۔

چنانچہ وہ اس وقت اپنے اسی محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہتے تھے کیمپ کا کارکن ان سے کہہ گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی اجازت کے بغیر وہ کسی کو مریضوں سے نہیں ملوا سکتا اور ڈاکٹر صاحب اس وقت ایک زخمی مریض کی پٹی بدل رہے ہیں۔"

جب سے اب تک یہ لوگ بڑی بے تابی سے انتظار کررہے تھے۔

ڈاکٹر نے فارغ ہوکر انہیں ملنے کی اجازت دے دی، مگر ایک وقت میں صرف ایک مل سکتا تھا، لیکن جیسے ہی حمزہ کو پتا چلا کہ اس کے ساتھیوں کے والدین اس سے ملنے آئے ہیں تو وہ کمبل سے نکل کر خود باہر کی طرف چل دیا، ڈاکٹر نے اسے منع بھی کیا مگر وہ نہیں مانا لہٰذا ڈاکٹر کو خود بھی اس کے ساتھ باہر آنا پڑا۔

لڑکوں کے ماں باپ اور سرپرست اسے دیکھتے ہی بے تحاشا اس کی طرف بڑھے اور والہانہ اسے پیار کرنے لگے۔ سب سے پیش پیش گلریز کے ماں باپ تھے جو بچارے خود بھی زخمی تھے۔ وہ حمزہ کو اس طرح چوم چوم کر پیار کررہے تھے جیسے ان کا کوئی گمشدہ بچہ اچانک آن ملا ہو۔ خرم، مرجان اور فرید کے والدین نے بھی اسے گلے سے لگا کر پیار کیا اور دعائیں دیں۔

"وہ خود کیوں نہیں آئے؟" حمزہ نے اداس لہجے میں پوچھا۔ بہت ضد کررہے تھے، مگر ہم نے ہی انہیں منع کیا کہ موسم ٹھیک نہیں ہے، ایک دو روز اور آرام کرلیں، پھر تم دوستوں کی ملاقات کرادیں گے......

"میرا خیال ہے، اب آپ لوگ تھوڑا سا وقت میڈیا کے لوگوں کو بھی دے دیں۔ یہ لوگ بہت دیر سے انتظار

کررہے ہیں۔"

ڈاکٹر نے کہا اور اسی وقت اخبارات اور ٹی وی کے نمائندوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ سوال پر سوال کرتے چلے گئے۔ حمزہ کے پاس ان کے ہر سوال کا جواب موجود تھا اور اس نے دیا بھی، بڑی تفصیل سے اپنے مصیبت میں گھیرنے اور باہر آنے تک کے حالات بیان کیے لیکن جہاں اسے چپ ہوجانا پڑا وہ یہ سوال تھا، جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ اب کہاں اور کس کے پاس رہنا پسند کرے گا، کیونکہ ریلیف کمشنر صاحب اور خود ہمارے پاس بھی، بہت سے لوگوں کے فیکس اور فون آرہے ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک بہادر لڑکا ان کا بیٹا بن کر رہے۔

"معاف کرنا، کیا آپ لوگ ایک اکیلے انسان سے اس کا آخری سہارا ابھی چھین لینا چاہتے ہیں؟"

حمزہ کا پڑوسی زخمی شخص ایک دم ان کے نزدیک آکر بولا۔ "مجھے امید ہے حمزہ اپنے غم زدہ چچا کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جائے گا۔" حمزہ نے چونک کر اپنا بھیگا چہرہ اٹھا کر دیکھا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا "ملک چاچا......؟"

"شکریہ کہ تم نے مجھے پہچان لیا اور اس کا بھی شکریہ کہ تم نے پھر بھی مجھے چاچا کہہ کر ہی پکارا......"

"لیکن آپ تو اپنے دشمن کی افطاری لینا بھی گوارا نہیں کرتے، پھر اس کے بیٹے کو آپ کیونکر......!"

"مجھے شرمندہ مت کرو بیٹا! تم جس کا شکوہ کررہے ہو وہ سکندر بخت مرچکا، اس بدبخت کو اس زلزلے نے منوں مٹی تلے دفنا دیا۔ یہ تو ماسٹر اورنگ زیب کا مجرم ہے، جو اس کے بہادر بیٹے کے آگے شرمندہ چہرہ جھکائے کھڑا ہے۔ میرا خیال ہے، مسجد گلی کا سب سے بڑا آدمی بلکہ پوری وادی کا عظیم انسان ماسٹر اورنگ زیب اس وقت موجود ہوتا تو وہ مجھے ضرور معاف کردیتا، کیونکہ قسمت مجھے پہلے ہی بہت بڑی سزا دے چکی ہے، میرا ابھرا پرا گھرانہ خاک میں مل گیا اور اب میں اکیلا رہ گیا ہوں......" یہ کہہ وہ اپنے زخمی چہرے پر ہاتھ رکھ کر بری طرح رونے لگا۔

سچ کہتا ہوں بیٹا تمہارا بابا بہت عظیم انسان تھا، جاتے جاتے بھی مجھ پر احسان کرگیا، بتا گیا کہ دنیا کی ہر چیز فانی اور ناپائیدار ہے، مٹی میں مل جانے والی ہے...... میں اس کا یہی قرض اتارنا چاہتا ہوں اس کی گواہی نے مجھے سچ کی راہ دکھائی تھی اور اللہ نے اس کی شہادت قبول کرلی۔"

"پلیز ہمارے پاس وقت نہیں ہے، ہمیں دوسرے کیمپوں میں بھی جانا ہے......" میڈیا کے ایک شخص نے سکندر بخت کو ٹوک دیا۔ "بیٹا آپ ہمیں یہ بتایئے کہ آپ کہاں اور کس کے پاس رہنا پسند کریں گے۔" اس نے دوبارہ وہی سوال کیا اور حمزہ کچھ لمحوں تک خاموش آنکھوں سے خلا کو گھورتا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور زخمی شخص کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ملک چاچا!" ......"بیٹا!"

ملک سکندر بخت نے جھک کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا، سب لوگ دیکھتے رہ گئے اور وہ دونوں غم زدہ کافی دیر تک آنسو بہاتے رہے۔ فوٹو گرافروں کے کیمروں کی فلیشیں دونوں پر روشنی برساتی رہیں اور ٹی وی کیمروں نے انہیں اپنی زد میں لے کر لاکھوں اسکرینوں پر اس منظر کو پیش کیا اور تبصرہ نگاروں نے اسے ایک بہادر لڑکا قرار دیا...... حمزہ بہادر

ختم شد

اے میری قوم کے بیٹے
مرے وطن کے سپوت
شہید ماں کی تمنا
عظیم باپ کے روپ
تجھے سلام، ترے گھر کی تربیت کو سلام
میں تیرے عزم کو، ہمت کو داد دیتا ہوں
ہاں اس کے ساتھ ہی اک بات تجھ سے کہتا ہوں
تو اپنے آپ کو ہرگز یتیم مت کہنا!
ہمارے ہوتے ہوئے سوگوار مت رہنا!
ہمارے دل بھی ہیں زخموں سے چور چور مگر
تو ان شکستہ دلوں کا سرور ہے بیٹا
تو ساری قوم کی آنکھوں کا نور ہے بیٹا

سانحہ لال مسجد کی یاد میں

پرویزی دور کا ایک عظیم اور یادگار کارنامہ

ا-ف

خدا کے ماننے والوں نے خدا کے گھر کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے، مسجد اور اس سے ملحق جامعہ کی عمارت میں دنیا کے سب سے خطرناک دہشت گرد مورچہ بند ہیں، جنہوں نے مسجد اور مدرسہ پر قبضہ کرکے وہاں مقیم شہریوں کو یرغمال بنا رکھا ہے، لہٰذا حکومت کی مشینری حرکت میں آگئی ہے اور عمارت اور شہریوں کو واگزار کرانے کے لئے کمانڈو ایکشن کا فیصلہ کیا ہے۔ البتہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ بار بار اعلان کرایا جارہا ہے کہ دہشت گرد اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کردیں، ورنہ انہیں مار دیا جائے گا۔ محصورین کے پاس پانی اور خوراک کا ذخیرہ ختم ہوچکا ہے، کیونکہ گزشتہ کئی دنوں سے عمارت کی بجلی اور گیس کے کنکشن منقطع کردیئے گئے ہیں، اس کے باوجود اندر دہشت گرد باہر آنے اور ہتھیار ڈالنے کو تیار نہیں۔ ا باہر مورچہ بند فوج کے بہادر جوان حملہ کرنے کے ل تیار ہیں۔ ان کی بے قراری اور بے تابی دیکھنے تعلق رکھتی ہے۔ یہ اسپیشل فورس کے جوان ہیں، ا ہی موقعوں اور خطرناک دشمنوں کی سرکوبی کے لئے ا کو تربیت دے کر تیار کیا گیا ہے۔

اچانک مواصلاتی نظام حرکت میں آجاتا اوپر سے پیغام ملتے ہی کمانڈو ایکشن شروع ہوجا ہے۔ پہلے آنسو گیس اور پھر اعصاب شل کرد والے گولے عمارت میں چھوڑے جاتے ہیں، اسپیشل فورس کے جوان باقاعدہ حملہ کردیتے ہیں

بھاری اور خودکار ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے، بہادر جوان دندناتے ہوئے مسجد و مکتب کے اندر داخل ہوجاتے ہیں، بھاری بوٹوں سمیت مسجد کے صحن کو روندتے ہوئے، خطرناک مجرموں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، چھوٹی عمر کی طالبات و طلبہ، برقع پوش طالبات، دین و ایمان کا علم رکھنے والے ہونہار طلبہ اور قرآن و حدیث کا درس دینے والے اساتذہ، خطرناک ترین مجرموں اور دہشت گردوں کے جسم گولیوں کا نشانہ بن بن کر گرنے لگتے ہیں، انسانی اعضا ٹوٹے سامان کی طرح چاروں طرف بکھر جاتے ہیں، در و دیوار چھلنی ہوجاتے ہیں، مسجد، مدرسہ اور دہشت گردوں کی کمین گاہیں خون سے سرخ ہوجاتی ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کا صفایا کردیا جاتا ہے۔ بہادر جیالے فتح کا نعرہ بلند کرتے ہیں، اظہار مسرت کرتے ہوئے وکٹری کا نشان دکھاتے ہیں۔ کمانڈوز کا ''سربراہ'' اس شاندار فتح پر اپنے بہادر جیالوں کو مبارک باد دیتا ہے، سربراہ کے کفش بردار بھی اس کامیاب سائلنس آپریشن پر صدائے آفرین بلند کرتے ہیں، روشن خیال باس کے ہم خیال، اندرون ملک اور بیرون ملک سے تہنیت کے پیغامات پہنچاتے ہیں، خصوصاً سربراہ کا گاڈ فادر اس تاریخی فتح پر اس کی کمر ٹھونکتا ہے۔ اپنے لاڈلے کمانڈو کو شاباشی دیتا ہے کہ وہ اس کی توقع سے بڑھ کر اس کے ایجنڈے کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔

پریس اور میڈیا اس جگہ کو دیکھنے کی خواہش کرتی ہے، جہاں دنیا کے خطرناک ترین مجرم پیشہ اور دہشت گرد بھاری اسلحہ کے ساتھ مورچہ بندی کئے ہوئے تھے۔ لیکن مسجد و جامعہ کے فاتح اپنے مفتوحہ علاقے میں آنے کی کسی کو اجازت نہیں دیتے۔ کیونکہ انہیں اپنی نیکیوں کو بھی تو چھپانا تھا، چنانچہ دو روز کے بعد، جب چھوٹی چھوٹی عمر کے مجرم بچے اور بچیاں، حجاب میں رہنے والی دہشت گرد طالبات اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے والے شدت پسند طلبہ اور ان سب کو مجرم بنانے والے پختہ عمر انتہا پسند اساتذہ کی لاشوں کو ٹھکانے لگا دیا جاتا ہے، چاروں طرف بکھرے ہوئے انسانی اعضا کے اسکریپ کو سمیٹ کر دو کمروں میں ڈمپ اور مقفل کردیا جاتا ہے، تب معائنے کا شاہی فرمان جاری ہوتا ہے اور پریس کو اپنی شاندار کارکردگی کی تفصیلات سے آگاہ کیا جاتا ہے اور اس شاندار فتح پر داد اور مبارکباد طلب کی جاتی ہے۔ میڈیا کے لوگ مختلف سوال کرتے ہیں، غیر ملکی دہشت گردوں کے متعلق، بھاری اسلحہ کے بارے میں۔ کچھ سامان حرب کی نمائش کی جاتی ہے اور باقی سوالوں کے جواب میں ایک ہی بات کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف حکومت کی یہ شاندار فتح ہے، اگر فوری ایکشن نہ لیا جاتا تو یہ دہشت گرد، جنہوں نے مکتب اور مسجد پر زبردستی قبضہ کیا ہوا تھا، پورے دارالحکومت، بلکہ سارے ملک کو اڑا دیتے، ملک کی سلامتی کو ان سے زبردست خطرہ لاحق ہوگیا تھا، بروقت کارروائی کرکے، ملک کو بچالیا گیا۔

''جی ہاں! بالکل درست فرمایا، ہمارے باس نے'' بادشاہ سلامت کے فرمان پر درباریوں کا ہاں میں ہاں ملانا ضروری ہوتا ہے، لیکن ان جی حضوریوں میں کچھ ایسے بھی تھے، جو مگرمچھ کے آنسو بہاتے دیکھے گئے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کس چیز پر آبدیدہ ہیں؟ دشمن کے مرنے پر، اپنے کچھ جیالوں کی شہادت پر یا اپنے گولے بارود کے قومی نقصان پر؟

یہ کسی فلم کا سین، کسی جاسوسی ناول کا حصہ یا دوسری جنگ عظیم کا قصہ نہیں اور جائے وقوع بھی اسرائیل یا ہندوستان کا علاقہ نہیں، بلکہ یہ مناظر اس سر زمین پاک پر رونما ہوئے، جسے پاکستان کہا جاتا ہے۔ یہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مملکت کے

دارالحکومت ''اسلام آباد'' پر جنم لینے والی خونچکاں داستان ہے۔

اسلام آباد جہاں آنٹی شمیم جیسی شریف اور زاہدہ عابدہ خواتین علمی درسگاہیں کھولے بیٹھی اور روحانی مراکز قائم کئے ہوئے ہیں اور جنہیں جامعہ حفصہ جیسے برائی کے اڈے والے ستانے اور انہیں اس کار خیر سے روکنے کا دخل دراندازی پولیس جرم کرتے تھے۔

بے چاری آنٹی شمیم عرف نیک پروین کا ان دہشت گردوں نے ناطقہ بند کر رکھا تھا، حالانکہ آنٹی اپنے چشمۂ فیض سے اپنے درجنوں بھائی بھتیجوں جن میں بڑے بڑے سفیر وزیر شامل ہیں، مستفید کرتی رہی ہیں، لیکن یہ لال مسجد، جی ہاں! لال مسجد جس کے خلاف غیرت مند حکومت کو آخر کمانڈو ایکشن کرنا پڑا، نیک پروین کے فلاحی کاموں میں رکاوٹ بن رہی تھی، مسجد سے ملحق جامعہ حفصہ کی حجاب پوش طالبات نے غریب آنٹی کا جینا حرام کردیا تھا، ایک دن تو ان برقع پوش دہشت گرد طالبات کمانڈو ایکشن کے ذریعہ اس غریب آنٹی کو اغوا کرکے اپنے ہاں لے آئیں اور گن پوائنٹ پر، اسے نیک عمل ترک کرکے، برے کام اپنانے پر مجبور کیا اور تو اور، اپنے جوار میں واقع ایک ''راحت کدہ'' سے جہاں انسانی جسموں کو مساج کے ذریعے راحت و آرام پہنچایا جاتا تھا، دو غیر ملکی مالشی خواتین کو پکڑ لائیں، ان بھولی عورتوں کا قصور یہ تھا کہ وہ خاتون ہوکر، مردوں کی کھلے عام مالش کیوں کرتی ہیں، اب بھلا بتائیے، کیا مالش کا عمل کپڑوں پر کیا جاتا ہے، نا کہ جسم پر؟ اس انتہائی ضروری کام کے لئے جو انسان کا بنیادی حق ہے، بے لباس تو ہونا ہی پڑتا ہے اور پھر مردوں کی مالش کیا مرد کریں گے؟ کتنی شرم کی بات ہے؟ اس کا قانون تو انسانی حقوق کی دستاویز میں صفحہ اول اور جلی قلم سے لکھا ہے کہ عورت کے لئے مرد اور مرد کے لئے عورت کا ہونا ضروری ہے، تب کہیں مساج کے تقاضے پورے ہوسکیں گے۔

واقعی لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے لوگوں کو ایسی ہی کڑی سزا ملنی چاہئے تھی، کیوں کہ وہ ہر شریفانہ کام میں کیڑے نکالنے لگے تھے، اسلام آباد جیسے مقدس شہر میں فروخت ہونے والی سبق آموز اور روح پرور آڈیو ویڈیو کیسٹس پر بھی ان کو اعتراض تھا، اس آبرو مندانہ کام کرنے والوں کو لال مسجد کے ان تخریب کاروں نے دھمکیاں دینی شروع کردی تھیں کہ اس پاکیزہ کاروبار کو چھوڑ کر کوئی اور آبرو باختہ دھندا اپنانا چاہئے، یہ روح افزا کاروبار کہیں تمہیں پارسا نہ بنادے، ایسا نہ ہو کہ خدا تم سے راضی ہوجائے!

جس قدر جلدی ہوسکے اس کا جائز کاروبار کو ختم کردو، ورنہ رزق حلال تمہاری اولاد کو بھی لے ڈوبے گا۔

لال مسجد والوں نے تو حد ہی کردی تھی، اعلان کرنے لگے تھے کہ اسلام آباد، بلکہ پورے پاکستان میں نیکی کے اڈے ختم نہ کئے تو ہم خود ان کا خاتمہ کردیں گے اور ان کی جگہ فحاشی اور بے غیرتی کے مراکز قائم کریں گے۔

لال مسجد کے دو بڑے کرتا دھرتا بھائیوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کردیا تھا، یہ درست ہے، بلاشبہ حدیث مبارکہ ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روکو، اگر اتنی طاقت نہیں تو زبان سے منع کرو، اس کی بھی استطاعت نہیں تو دل سے برا جانو، لیکن یہ ایمان کا آخری اور کمزور ترین حصہ ہے، لیکن دورِ پرویزی میں یہ باتیں انتہا پسندی میں شمار ہوتی ہیں اور پھر حکومت کی رٹ بھی کوئی چیز ہے، مگر یہ دونوں برادران حکومت کی رٹ کو چیلنج کرنے لگے تھے، ہر وقت ملک سے برائیوں اور بدعنوانیوں کے انسداد کے اعلان کرتے رہتے، فن، آرٹ اور عالمی گلیمر کو ختم کرنے پر تل گئے تھے۔ اسلام آباد جیسی جنت کو دوزخ میں بدل دینا چاہتیت ھے۔

افسوس! انہیں غیر ملکی مہمانوں کی دل لگی اور دل

بستگی کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ دارالحکومت میں قائم کلب، عشرت کدوں اور تفریح گاہوں کو نگاہ بد سے دیکھتے تھے۔ انہیں ختم کرنے کی باتیں کرتے تھے۔

اور سنئے! ملک میں برائی کا نظام نافذ کرنے چلے تھے، کیا غلط کار اور برے ذہن کے لوگ تھے۔ بھلا یہ ملک لال مسجد اور حفصہ جیسے برائی کے اڈوں کو قائم کرنے کے لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں مسجدیں اور مدرسے بناتے رہیں گے؟

لوگوں کی روحانی اور اخلاقی تربیت کا کوئی ارادہ نہیں ہوگا۔ غریب عوام کے لئے کلب، سنیما، ناچ گھر اور قہوہ خانوں کا کوئی انتظام نہ کیا جائے گا۔ بے چاری عورتیں اپنے جسم کی نمائش تک نہ کرسکیں گی۔ لوگ ناچ گانوں کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم رہیں گے۔ بھوکے ننگے عوام جی بھی نہ بہلاسکیں گے۔

آخر خدا کیسے راضی ہوگا؟ قوم کے نوجوان کس طرح شریف، مہذب اور متمدن بن سکیں گے؟ کس طرح ترقی یافتہ کہلاسکیں گے؟

عجب سرپھرے تھے یہ لال مسجد والے بھی! ان کا سرغنہ تو بالکل ہی عاقبت نااندیش تھا، غازی کہلاتا تھا، لیکن نہایت بودا اور ڈرپوک تھا، چند ہزار پولیس، رینجرز، فوج اور بکتر بند گاڑیوں سے گھبرا کر اپنی بوڑھی ماں کی گود میں جا چھپا تھا، جدید اسلحہ، آنسو گیس، اعصاب شل کردینے والے گولوں اور اسپیشل فورس کے چند کمانڈوز سے خوف زدہ ہوکر ہتھیار ڈالنے اور باہر آنے کی ہمت ہار بیٹھا تھا، بالکل ہی بے عقل و بے شعور تھا، دورِ پرویزی کی ہر خوبی کو برائی سمجھتا تھا، بے حیائی، عریانیت، بے غیرتی اور بے ضمیری جیسے معزز اور شریفانہ کاموں کے انسداد کی باتیں کرتا تھا، پکا تخریب کار تھا، حکومت کی روشن خیالی کے خلاف ہرزہ سرائی کو اپنی عادت بنالیا تھا۔ ملک کے بادشاہ سلامت کی پارسائی اور تقوے کو بھی شک کی نظر سے دیکھتا تھا، ان کے مقدس اور اعلیٰ خیالات ونظریات پر لب کشائی کی جرأت کرتا تھا، اس گستاخ اور گناہ گار کا یہی انجام ہونا تھا۔

ڈھیٹ مرتے مرتے مرگیا، لیکن اپنی باتوں سے باز نہ آیا، اس میں آخر حرج بھی کیا ہے کہ آنٹی شمیم جیسی فلاحی امور کی ماہر عورتیں، اسلام آباد جیسے شریف اور پاکیزہ شہر میں، اپنے مقامی اور غیر ملکی معززین کی خدمت بجالاتی ہیں، یہ عریانیت اور فحاشی بھی کوئی ایسی بڑی برائی ہے کہ اس کے خاتمے کے لئے انسان اپنی قیمتی جان کی بھی پروانہ کرے۔ مجھے تو آنٹی شمیم کے پڑوسیوں پر بھی حیرت ہے کہ وہ اس کے نیک کاموں پر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور اس فلاحی ادارے کو اپنے علاقے سے بے دخل کرانے کے لئے حفصہ اور لال مسجد کے دہشت گردوں سے مدد مانگ لی۔

لال مسجد والے تو پہلے ہی ان اچھی باتوں کے مخالف تھے، فوراً اپنی تخریبی کارروائیاں شروع کردیں، وزیروں اور سفیروں کی لاڈلی آنٹی شمیم کے پیچھے پڑ گئے، پھر ان کی بدعنوانیاں اتنی بڑھیں کہ ملک میں نفاذ اسلام کا مطالبہ کر بیٹھے، بلکہ اسلامی نظام کا اعلان بھی کردیا۔ بھلا! بتائیے ان چیزوں کا پاکستان سے کیا تعلق! اسلام نافذ کرنا ہے تو ہندوستان یا پھر اسرائیل میں جائیے، وہاں جا کر نافذ کیجئے، یہ ڈیڑھ ہزار سال پرانا قانون یہاں اس روشن خیال سرزمین پاک سے اس کا کیا واسطہ! کیا ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں نے اس لئے اپنی جانیں قربان کی تھیں کہ اس مملکت خداداد کو برسوں پرانے قانون سے چلایا جائے گا اور پھر یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ایسے مجرمانہ خیالات کا اظہار کرکے اپنے دوستوں اور خاص کر اپنے گاڈ فادر کو ناراض کردیا جائے!!

بہت اچھا کیا، اس روشن خیال، صالح اور شریف گورنمنٹ نے جو اس برائی کے داغ کو پاکستان کی پیشانی سے مٹادیا اور اتنی سرعت اور عجلت کے پاس کہ

اس کی داد و تحسین کے لئے الگ سے ایک نشست درکار ہے۔

تاہم سلام ہو اس بارودی جرنیل پر جس نے لال مسجد کے قابضین اور وائٹ ہاؤس والوں کے درمیان ''سیز فائر'' کرانے والے چوہدریوں کو چٹکی بجاتے ہوئے یہ نعرۂ حق بلند کیا کہ ''میرے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے، مجھے صرف ہاں یا ناں میں جواب چاہئے، یا تو دہشت گرد ہتھیار ڈال کر خود کو ہمارے حوالے کردیں، یا پھر ہمارے سربراہ کے بقول، مار دیئے جائیں گے۔''

اللہ اللہ! یہ عجلت!! یہ فرض شناسی!! یہ ایمانی جذبہ اور جوش! اپنے مجاہدین میں کہاں ہم نے دیکھا اور سنا تھا۔ ملک میں مدت سے لوٹ کھسوٹ جاری ہے، چوری، ڈاکے اور اغوا برائے تاوان کی وارداتیں زوروں پر ہیں، رشوت کا سرطان نیچے سے اوپر تک پھیل چکا ہے، مہنگائی، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ کے کالے دھندے عام ہیں، لیکن ہمارے جیالوں کی وادی پر ایسا کوئی دھبہ نہیں کہ کبھی انہوں نے چٹکی بجا کر ہاں یا ناں کا الٹی میٹم دیا ہو۔ ظاہر ہے، یہ چھوٹے چھوٹے کام، ان کے شایان شان اور حیثیت کے مطابق نہیں؟

بھلا ہمارے روشن خیال کمانڈو کی یہ سریع الحرکت فورس کوئی سماج سدھار پارٹی یا ملک بچاؤ تحریک ہے! یہ تو حکم کے غلام ہیں، اپنے سربراہ کی رٹ کے محافظ ہیں اور اب تو سربراہ نے انہیں اپنے گاڈ فادر کے حکم پر نیا ٹاسک سونپا ہے، ملک میں سب سے بڑے مجرم ملاؤں کو کنٹرول کرنے کی ذمہ داری بخشی گئی ہے، پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ غریب عوام کی خون پسینے کی کمائی سے حاصل کردہ رقم سے پالے ہوئے، ان جوانوں کا اصل کام کیا ہے! ان پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرکے، اس لئے تربیت یافتہ کیا گیا ہے کہ یہ ملک میں مسجدوں اور مدرسوں جیسے برائی کے مراکز پر نظر رکھیں انتہا پسندوں کو روکیں اور گن پوائنٹ پر انہیں باز رکھنے کی کوشش کریں کہ وہ نئی نسل کو پورا مسلمان نہ بنائیں تاکہ انتہا پسندی اور شدت پسندی میں اضافہ نہ ہو، ان ملاؤں سے کہیں کہ وہ قرآن وحدیث کی بجائے، اپنے شاگردوں کو علامہ بش اور مفتی مش کے فتوے پڑھائیں، انہیں ایمان کی تاریکی سے نکال کر مغرب کی روشن خیالی سے متعارف کرائیں، انہیں اعتدال پسند اور ماڈریٹ، یعنی آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنائیں ان ہونہار طلبہ کو بسنت منانا، پتنگ اڑانا سکھائیں ناچنے گانے کی تربیت دیں، ان میں شعور پیدا کریں کہ مردوزن سب ایک ساتھ مل کر میراتھن ریس جیسے اجتماعات میں حصہ لیں۔ نہیں بتائیں کہ یہ شرم وحیا کی فرسودہ رسموں کو بالائے طاق رکھ کر نئے دور کا ساتھ دینے میں ہی دونوں جہاں کی کامیابی ہے۔

ان ملاؤں کو چاہئے کہ اگر بش ومش کی خوشنودی درکار ہے، تو معاشرے سے حجاب اور پردے کی ممانعت کو ختم کرائیں، کفایت شعاری کا درس دیں، تاکہ نوجوان نسل میں کم سے کم لباس پہننے کی عادت پڑے، نئے زمانے کے تقاضوں کو سمجھیں اور دیکھیں کہ دوسری قوموں نے کس طرح ترقی کی ہے اور دن رات آگے سے آگے بڑھتی چلی جارہی ہیں، بتائیں کہ ترقی کا راز کیا ہے، وہ سنہری اصول جنہیں اپنا کر آج مغرب ارتقا کی انتہائی منزلوں پر ہے، وہ یہ کہ زیادہ سے زیادہ بے غیرتی و بے حیائی کے مظاہرے کئے جائیں، عریانیت اور ہم جنس پرستی کو رواج دیا جائے، شراب وشباب کی محفلیں گرم رکھی جائیں۔

دوسری طرف انسان کو مارنے کے نئے نئے سامان پیدا کرتے رہیں، دوسرے ملکوں میں مداخلت کو اپنا شیوہ بنایا جائے، غریب اور کمزور عوام کو دبا کر رکھا جائے، مختلف حیلے بہانوں سے اپنے سے چھوٹے

ملکوں پر حملہ کرکے بے گناہ عوام کا قتل عام کیا جائے، بے دریغ خون بہایا جائے، جیسا کہ روشن خیال گورنمنٹ نے لال مسجد پر حملہ کرکے عملاً ثبوت پیش کیا ہے کہ اس عظیم کارنامے اور عمل خیر کے نتائج روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

سانحہ لال مسجد کے ساتھ ہی ملک بھر میں امن و امان کی صورت حال مثالی ہوگئی ہے۔ جرائم کی شرح ایک دم گر کر صفر پر آگئی ہے، مہنگائی کا سرے سے خاتمہ ہوگیا ہے، بازار میں ہر چیز خالص اور اعلیٰ درجے کی دستیاب ہے۔ تعلیمی نظام حیرت ناک طور پر بہتر ہوا ہے، صحت وصفائی کے انتظامات معیاری ہوگئے ہیں، دفتروں میں حاضری سو فیصد ہونے لگی ہے، رشوت کا نام بھی سننے میں نہیں آتا، فائلوں کے پیر نہیں پر لگ گئے ہیں، عوام کی مشکلات راحت میں بدل گئی ہیں، پولیس واقعی عوام کی خادم بن گئی ہے، رشوت کا نام بھی زبان پر نہیں لاتی، شہروں اور دیہاتوں میں چوری ڈاکے، قتل اور اغوا کی وارداتیں ماضی کا قصہ بن گئی ہیں، بجلی کی لوڈشیڈنگ بھی یاد رفتہ ہونے لگی ہے، پانی کی قلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عوام وخواص صاف وشفاف پانی سے سیراب ہونے لگے ہیں۔

عہد کرتے ہیں کہ اس پاک سرزمین پر امریکی اڈے ہزار بنیں، لیکن لال مسجد اور جامعہ حفصہ جیسے برائی کے اڈے ہرگز نہیں بننے دیں گے اور اس کے ساتھ ہی روشن خیال حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ سانحہ لال مسجد کے عظیم کارنامے کو یاد رکھنے کے لئے، اس دن کو سرکاری طور پر منانے کا اعلان کیا جائے تاکہ ہر سال، اس روز عام تعطیل ہو اور اس خوشی اور جشن کے موقع پر عوام، خصوصاً نوجوانوں میں یہ شعور پیدا کریں کہ وہ روشن خیال مجاہد بن کر اپنے اندر مسجد شکنی کا جذبہ پیدا کریں، غازی شہید کی طرح مسجد ومکتب کی حرمت پر اپنی جان کو ضائع نہ کریں۔

جئے دور پرویزی
جئے روشن خیال پاکستان

☆......☆......☆

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے شوق شہادت
یہ حسان، انعام، عطا اور غازی — جنہیں تو نے بخشا ہے رتبہ شہادت
یہ طیبہ، یہ اسما، یہ حفصہ کی پریاں — جنہیں تو نے بخشا ہے جذبہ شہادت
یہ لال مسجد کے محراب ومنبر — جنہیں تو نے بخشا ہے خون شہادت
یہ شربت شہد کا یہ دو دو کھجوریں — جنہیں تو نے بخشی ہے شیریں شہادت
یہ حفصہ کی بلڈنگ یہ اوراق قرآن — جنہیں تو نے بخشی ہے شان شہادت
یہ لحدوں سے تلاوت، لہو سے یہ خوشبو — جنہیں تو نے بخشا انعام شہادت
یہ مشکل تو ہے پر گزارش ہے خدایا — ہمیں بھی عطا ہو یہ ذوق شہادت

(معلّمہ، گل، گجرات)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں

واصل عثمانی

اگر انسانیت کی پوری تاریخ کھنگالی جائے اور ماں کی محبت، تقدس، احترام، خلوص اور ایثار کا جائزہ لیا جائے تو حضرت ہاجرہ کا کردار بے مثل، ان کی محبت بے پناہ اور بچے کی نگہداشت کا کوئی اور واقعہ اتنا مہتمم بالشان نظر نہیں آئے گا۔ اگر ماؤں کی تاریخ مرتب کر کے رقم کی جائے تو صرف حضرت ہاجرہ کا تذکرہ اس پورے تذکرہ پر اس طرح حاوی ہو جائے گا کہ دوسری تمام مائیں اس کی ضیا سے فیضیاب ہوتی نظر آئیں گی۔ عرب کا تپتا ہوا ریگستان، دور دور تک سبزے کا فقدان، تپتی چٹانیں، آگ اگلتی ہوئی پہاڑیاں جن پر نگاہ ڈالنے سے آنکھوں میں بھی تپش اور جلن سی محسوس ہونے لگے اور پھر تند و تیز شعاعیں اپنی حدت سے پہاڑی وادیوں کو تنور بنائے ہوئے ہوں تو اس وادی میں انسانی وجود کا تصور اور وہ بھی کیسے انسان، ایک بچہ شیر خوار اور اس کی ماں جسے صنف نازک کہا جاتا ہے اس میں اس طرح بیٹھے ہوں جنہیں اپنے پروردگار کی قدرت پر پورا یقین اور ایمان ہو۔

شریک حیات، روٹی کے چند ٹکڑے، پانی کا ایک مشکیزہ رکھ کر واپس جا رہا ہوں۔ ہاجرہ پوچھ رہی ہو کہ اے ابراہیم یہ سب کیا کر رہے ہو۔ پانی کا ایک مشکیزہ اور روٹی کے چند ٹکڑوں پر ہمارا کیسے گزر ہوگا اور پھر اس کے بعد ہمارا کیا ہوگا اور وہ یہ کہتے ہوئے جا رہے ہوں کہ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ میں اس کے حکم سے تم دونوں کو یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ماں کا صبر و شکر دیکھئے، اپنے اوپر نظر نہیں کرتی، بچے کی معصوم صورت پر نظر ڈال کر اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کا تصور سامنے ہو تو اس وقت ماں کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ ماں کی ممتا کو جوش آ رہا ہو مگر پیکر تسلیم و رضا بنی ہوئی اپنے جگر گوشہ کو سینے سے چپکائے ہوئے قدرت خداوندی کے کرشمے کی منتظر ہے۔ آخر وہی ہوا، پانی کا ایک مشکیزہ آخری قطرہ بھی اپنے شکم سے انڈیل کر اپنی بے چارگی کا اظہار کر رہا ہے، شرمندگی سے آنکھیں خشک ہو گئی ہیں اور تراوٹ و تازگی کا نام بھی باقی نہیں ہے۔ مشکیزہ اپنی بے

چارگی اور بے بسی پر ماتم کناں ہے۔ کاش اس وقت ندامت کے کچھ آنسو ہی مشکیزہ سے ابل پڑتے کہ ننھے کی جان بچ جاتی۔ حضرت ہاجرہ بے قرار اور بے چین ہو جاتی ہیں، پانی کی تلاش میں ادھر ادھر نظر دوڑاتی ہیں ادھر پانی کا وجود نہیں ادھر بچے کا وجود معرض خطر میں پڑ رہا ہے۔ پانی کی جستجو میں دوڑی جاتی ہیں تو بچہ چھوڑے نہیں بنتا اور اگر بچہ کو لئے بیٹھی رہتی ہیں تو پانی کہاں سے لائیں۔ سامنے ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے سوچتی ہیں چلو اس پر چڑھ کر دور کہیں نظر دوڑائیں شاید پانی نظر آ جائے، صفا پر جاتی ہیں پانی نظر نہیں آتا البتہ تھوڑی دور ایک پہاڑی نظر آ رہی ہے جو صفا کے سامنے ہے دوڑتی ہیں اور اس پہاڑی پر جا کر نظر دوڑاتی ہے اسی طرح صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کی دوڑ ہو رہی ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے رہا ہے کہ دیکھو غور کرو اس ماں کی محبت کی یہ ادا ہمیں تمام امت مسلمہ کے لئے فرض کرنا ہے میں آنے والی نسلوں کو قیامت تک یونہی دوڑتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ ماں کی بیقراری کا یہ انداز کتنا پیارا ہے، حفیظ جالندھری کے الفاظ میں سنئے۔

پیمبر نے دعا کے بعد اس وادی سے رخ موڑا
جناب ہاجرہ کو اور بچے کو یہیں چھوڑا
جناب ہاجرہ بیٹھی تھیں اس وادی وحشت میں
سنبھالے طفل عالی شان کو آغوش الفت میں
وہاں صحرا ہی صحرا تھا چٹانیں ہی چٹانیں تھیں
جناب ہاجرہ یا ایک بچہ دو ہی جانیں تھیں
نہ دانا تھا نہ پانی تھا بھروسہ تھا فقط رب پر
بڑھی جب دھوپ کی گرمی تو جاں آنے لگی لب پر
زمیں کا ذرہ ذرہ مہر کی صورت چمکتا تھا
بہت بیتاب تھی ماں گود میں بچہ بلکتا تھا
عطش سے کرب و بے چینی جو دیکھی اپنے جائے میں
لٹایا خاک پر بچے کو ایک پتھر کے سائے میں
صفا مروہ پہ ہر سو وہ تلاش آب میں دوڑیں
بلند و پست پر فکر شے نایاب میں دوڑیں
کبھی اس سمت جاتی تھیں کبھی اس سمت جاتی تھیں
خیال آتا تھا بچے کا تو فوراً لوٹ آتی تھیں
تڑپتے دیکھ کر بچہ کو بڑھ جاتی تھی بے تابی
ٹپک پڑتی تھی اشک یاس سے پانی کی نایابی
بہت ڈھونڈھا نہ کچھ آثار پانی کے نظر آئے
جدھر اٹھی نظر جھلسے ہوئے ٹیلے نظر آئے
یوں ہی بس سات بار آئی گئیں پانی نہیں پایا
چٹانیں سرخ پائیں دشت شعلہ آفرین پایا
قیامت کی گھڑی تھی پڑ گئے تھے پاؤں میں چھالے
چلی جاتی تھیں آنکھیں آب میں بچے میں دل ڈالے
سنی آواز ننھے کی بلکنے اور رونے کی
تڑپ اٹھیں کہ ساعت آ گئی ہے جان کھونے کی

اس کے بعد ہی ماں کی بے قراری پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آتا ہے اور یکبارگی حضرت اسماعیل کی ایڑیوں کی رگڑ سے پتھر کا دل موم بن جاتا ہے چشمہ آب شیریں کا ابل پڑتا ہے جس میں سے پانی بہتا ہوا نظر آتا ہے وہ پانی نہیں وہ آب حیات تھا۔ صرف ان ماں بیٹے کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی ان نسلوں کے لئے جنہوں نے ملة ابیکم ابراهیم پڑھنے کا عہد کیا ہے۔ حضرت ہاجرہ زم زم کہہ کر اسے روکتی ہیں، بچے کو یہ پانی پلا کر اللہ کا شکر بجا لاتی ہیں۔ مینڈھ باندھی جا چکی ہے، پانی کو روک لیا گیا ہے طائران خوشنوا اڑتے ہوئے پانی کی تلاش میں ادھر آتے ہیں، قبیلہ جرہم پرندوں کو اڑتا ہوا دیکھ کر آ کر یہیں قیام پذیر ہو جاتا ہے یہ قبیلہ شاید اسی لئے آیا تھا کہ ان ماں بیٹے کی نگہداشت کرے۔

ماں کی محبت، ایثار اور قربانی کا یہ واقعہ تاریخ کے سیکڑوں صفحات میں اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ ہر صفحہ سے ماں کا تصور اس طرح ابھرتا ہے کہ آدمی ماں کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ پاتا۔

☆......☆......☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی اور رضاعی والدہ



صدیقہ فاطمہ بنت محمد شعیب مدنی

حضرت آمنہؓ:...... حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہؓ جو بڑی پرہیزگار اور خدا پرست تھیں۔ قریش کا خاندان جو عرب کے تمام قبائل میں معزز قبیلہ تھا، اس سے تعلق رکھتی تھیں۔ والد وہب بن عبد مناف بن کلاب تھے اور والدہ برۃ بنت عبد العزیٰ بن کلاب تھیں۔ حضرت عبدالمطلب کے پیارے بیٹے عبداللہ سے نکاح ہوا۔ نکاح کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت عبداللہ تجارت کے لئے شام روانہ ہوئے جب وہاں پہنچے تو بیمار ہوگئے اور بیماری کی حالت میں واپس آرہے تھے کہ یثرب سے گزرتے ہوئے والد کے ننھیال میں ٹھہر گئے اور وہیں وفات پائی۔ 20 اپریل 571ھ بروز پیر صبح کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہؓ کو ایک بیٹا عطا کیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے پوتے کی خوشی میں قربانی کے لئے اونٹ ذبح کئے اور سارے عرب میں غریبوں کو کھانا کھلایا۔ اس موقع پر تمام قبائل کے بڑے بڑے سرداروں نے بھی بچے کو دیکھا اور حضرت عبدالمطلب مبارک باد دی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دا حضرت عبدالمطلب نے بچے کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی تعریف کیا گیا) رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت عرب میں یہ رواج تھا کہ پیدائش کے بعد شرفاء اپنے دودھ پیتے بچے کو اچھی تربیت اور پرورش کے لئے صحرا دیہات میں دایہ کے حوالے کر دیتے تھے۔ تاکہ بچے با کی کھلی اور صحت بخش اور تازہ ہوا میں پرورش پا سکیں۔ سیدہ آمنہؓ نے سات روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، شرفائے مکہ پیدائش کے سات دن کے بعد بچے دودھ پلانے والی کے حوالے کر دیا کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا ابولہب کی لونڈی، جس کا نام ثو

تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے اور دیکھ بھال کرنے لگی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ ماہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کر دیا گیا۔ ۲ سال بعد حلیمہ سعدیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس مکہ حضرت آمنہؓ کے پاس لائیں مگر شہر میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے حضرت آمنہؓ نے اپنے لخت جگر کو دوبارہ حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کر دیا تاکہ چند دن اور شہر سے باہر کھلی اور صاف ہوا میں پرورش پا سکیں۔ تقریباً چھ سال بعد مائی حلیمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں واپس لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحت مند دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ بہت خوش ہوئیں۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔ حضرت آمنہؓ کو اپنے پیارے بیٹے کا بڑا خیال تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت 6 برس کی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر یثرب (مدینہ) میں گئیں۔

حضرت عبداللہؓ کے انتقال کے بعد حضرت آمنہؓ ہر سال ان کی قبر کی زیارت کو مدینہ تشریف لے جاتیں۔ مدینہ میں ایک ماہ کے قیام کے بعد جب واپس تشریف لا رہی تھیں تو مدینہ اور مکہ کے درمیان مقام ابواء پر وفات پائی اور وہیں دفن ہوئیں۔

حضور کی رضاعی مائیں:...... دیہاتی عورتیں امراء کے بچوں کو دودھ پلانے اور ان کی پرورش کرنے کا فقط معاوضہ نہیں لیتی تھیں۔ ایسے معاوضہ کی کوئی شرح بھی مقرر نہیں کی جاتی تھی کہ ماہانہ اتنا معاوضہ ہوگا، ایسا کرنا وہ اپنی توہین سمجھتی تھیں۔ کسی بچے کو دودھ پلانے والی خاتون اور اس کی اولاد کے درمیان ایک قسم کا رشتہ قائم ہو جاتا تھا جو زندگی بھر قائم رہتا تھا۔ عربوں میں خون کے رشتے کے ساتھ ساتھ دودھ کے رشتے کی بھی بہت اہمیت تھی، دیہاتی خواتین امراء کے جن بچوں کو دودھ پلاتی تھیں اور تربیت کرتی تھیں، ان بچوں کے والدین دودھ کے اس تعلق کی وجہ سے ان خواتین کے خاندان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ ضروریات زندگی کی جو چیزیں صحراؤں میں نہیں ملتی تھیں، وہ انہیں فراہم کرتے رہتے تھے جس بچے نے کسی خاتون کا دودھ پیا ہوتا تھا، وہ جوان ہو کر اس کا اور اس کے بچوں کا خیال رکھتا تھا، اس طرح سے ایک قسم کی دودھ کی رشتہ داری قائم ہو جاتی تھی۔

حضرت ثوبیہؓ:...... ابولہب کی لونڈی ثوبیہؓ نے چند ہفتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، مگر وہ جب تک زندہ رہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حسن سلوک فرماتے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کر لی، تو وہ ثوبیہؓ کی عزت اور خدمت کرتی رہیں اور کوشش کی کہ ثوبیہ کو آزاد کرا دیا جائے، اس کے لئے انہوں نے ابولہب سے کہا کہ وہ جتنی رقم چاہیں لے لیں اور ثوبیہؓ کو ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اسے آزاد کر دیں، مگر اس نے انکار کر دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں سے بھی ثوبیہؓ کے لئے کپڑے اور نقد ار پیسے سال فرمایا کرتے تھے۔ 7 ہجری میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثوبیہؓ کی وفات کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے مسروح کے حالات معلوم کئے تاکہ ضرورت ہو تو اس کی مدد کی جائے، مگر معلوم ہوا کہ وہ بھی فوت ہو چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ، ام المومنین حضرت زینبؓ کے بھائی حضرت عبداللہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہؓ نے بھی انہی ثوبیہؓ کا دودھ پیا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہؓ:...... بنی سعد بن بکر کی جس خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا، ان کا نام حلیمہ تھا، ان کے شوہر کا نام حارث تھا۔ حلیمہ سعدیہؓ بنی سعد کی دیگر خواتین کے ہمراہ مکہ آئیں اور حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے ساتھ لے گئیں۔ بنی سعد بن بکر کی ایک خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو دودھ پلایا تھا۔ ایک بار اس خاتون نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ اس حوالے سے حضرت حمزہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں رضاعی بھائی کا رشتہ بھی قائم ہو گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے بھی حلیمہ کا دودھ پیا تھا اور اس کے خیمے میں پرورش پائی تھی، اس طرح وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ بھائی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کی عمر تک بنی سعد بن بکر کے قبیلہ میں رہے۔ دو سال تک دودھ پلانے کی مدت پوری ہو گئی تو حلیمہ سعدیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ لائیں، سیدہ آمنہؓ نے چاہا کہ وہ اپنے پیارے بیٹے کو پاس رکھ لیں، لیکن حلیمہؓ کا دل چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا، وہ چاہتی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ ان کے پاس رہیں۔ انہوں نے سیدہ آمنہؓ سے کہا کہ مکہ میں طاعون کا خطرہ ہے، اس لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں چھوڑنا نہیں چاہتیں، سیدہ آمنہؓ راضی ہو گئیں اور حلیمہ سعدیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لے گئیں۔

حلیمہؓ کی ایک بیٹی جذامہ تھیں جو شیما کے نام سے مشہور رہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لے کر لوری دیا کرتی تھی اور کھلایا کرتی تھی۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات پر مچل کر شیما کو اس زور سے کاٹا کہ اس کے کندھے پر ساری عمر اس کا نشان رہا، آگے چل کر یہ نشان شیما اور اس کے خاندان کے لئے رحمت ثابت ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوڑنے بھاگنے کی عمر کو پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی سعد کے بچوں کے ساتھ کھلے صحرا میں شام کو کھیلتے ہوں گے، بکری کے بچوں کے ساتھ بھاگتے ہوں گے، نیلے آسمان پر چمکتے چاند ستاروں کو دیکھ کر ان کے سفر اور خالق و مالک کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوں گے، بکریاں چرانے والوں ہمراہ جاتے ہوں گے۔ ایک دفعہ حلیمہؓ عکاظ کے میلے گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے گئیں۔ عرب کے ان میلوں میں قسم قسم کے لوگ آتے تھے۔ وہاں ایک دست شناس بھی تھا، حلیمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اسے دکھایا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقبل سے بھی ایسی ہی دلچسپی رکھتی تھیں۔ جیسی ماں اپنے حقیقی بچوں کے مستقبل کے بارے میں رکھتی ہیں۔

کتب سیرت میں حلیمہ سعدیہ کی زبانی چند واقعات کا ذکر ملتا ہے، آئیے حلیمہ سعدیہ کی زبانی سنتے ہیں۔ فرماتی ہیں: ”جب بنی سعد کی دیگر خواتین کے ساتھ مکہ آ رہی تھیں تو میری چھاتیوں میں دودھ اتنا کم تھا کہ میرا اپنا بچہ بھی سیر نہیں ہوتا تھا اور رات کو بھوک کی وجہ سے سوتا نہیں تھا، لیکن جیسے ہی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود لیا، میری چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں۔“ جب مکہ آ رہی تھیں، تو میری گدھی اتنی کمزور تھی کہ سب سے پیچھے تھی، لیکن واپسی کے سفر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گدھی پر سوار ہوئی تو وہ سب سے آگے تھی۔ میری ساتھی خواتین حیرانی سے پوچھتی تھیں کہ حلیمہ کیا یہ تیری وہی گدھی ہے؟ فرماتی ہیں، جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبیلہ میں لے کر پہنچیں تو میری بکریاں بہت زیادہ دودھ دینے لگیں، خشک سالی بہت زیادہ تھی مگر میری بکریاں جدھر بھی جاتیں، پیٹ بھر کر آتیں۔

سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد فوت ہو چکے تھے اور سیدہ آمنہ غریب تھیں، اس لئے حلیمہؓ سمیت کوئی دودھ پلانے والی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جانے پر تیار نہ تھی، لیکن جب حلیمہؓ کو کوئی بچہ نہ ملا تو اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ باقی سب خواتین تو قریش کے بچے لے کر جا رہی ہیں، میں خالی ہاتھ جاتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہوں اس لئے اسی یتیم کو لے آتی ہوں، ان کے خاوند نے اجازت دے دی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کے لئے لے گئی اور اس کے نتیجے میں وہ خوش اور خوشحال ہو گئیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیمہ سعدیہؓ کے ساتھ حسن سلوک:...... حلیمہؓ قناعت پسند اور پیار کرنے والی خاتون تھیں، انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پیار تھا۔ اس کا سبب ننھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی پیاری عادات بھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی عمر بھر حلیمہؓ کا احترام کرتے رہے۔ ایک دفعہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھتے ہی میری ماں! میری ماں! کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے، اپنی چادر بچھا کر حلیمہؓ کو اس پر بٹھایا۔ ایک دفعہ حلیمہؓ مکہ آئیں تو بتایا کہ ان کے علاقہ میں سخت خشک سالی ہے اور ان کے مویشی بھوک سے مر گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔ فتح مکہ کے وقت حلیمہؓ کی بہن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حلیمہؓ کی وفات کے بارے میں بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ واپس جانے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو سو درہم، نئے کپڑے اور سواری کے لئے کجاوے سمیت اونٹ عطا فرمایا۔

غزوہ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی۔ یہ جنگ بنو ہوازن کے خلاف لڑی گئی تھی جس کی بہت سی شاخیں تھیں، بنو سعد بھی اسی قبیلے کی ایک شاخ تھی، جنگی قیدیوں میں بنو سعد کے مرد اور خواتین بھی تھے جن میں شیما بھی تھی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں کھلایا کرتی تھی اور لوریاں سنایا کرتی تھی، اس نے جب مسلمانوں کو بتایا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دیکھو اس کے کندھے پر دانت سے کاٹنے کا نشان ہے؟ نشان کی موجودگی کی خبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلب فرمایا، اس سے بڑی شفقت فرمائی اور عزت کے ساتھ اس کے خاندان میں پہنچانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

شیما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن سلوک دیکھ کر اس کے قبیلہ کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! جنگی قیدیوں میں وہ خواتین بھی ہیں جو بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلایا کرتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہؓ سے تعلق کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی خالائیں بھی قیدی ہو کر آئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں بھی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتی تھیں، ان کے عزیز و اقارب بھی قیدیوں میں شامل ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کرم فرمائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ چھوڑ دیا۔

پھر جس کسی نے سنا، اس نے اپنے حصہ کے قیدی رہا کر دیئے، اس طرح چھ ہزار جنگی قیدی تاوان جنگ کے بغیر چھوڑ دیئے گئے اور ان کا مال و اسباب بھی واپس کر دیا گیا جس کی مالیت کروڑوں درہم تھی۔ امرائے مکہ کے سارے بیٹوں نے مل کر بھی اپنی رضاعی ماؤں اور ان کے خاندانوں پر اتنا احسان نہ کیا ہوگا جتنا عبداللہ کے اس در یتیم نے اکیلے کیا جس کے بارے میں زیب داستان کے لئے کہا گیا کہ بنی سعد کی دودھ پلانے والیاں اس کی یتیمی اور ماں کی غربت اور دادا کے بڑھاپے کی وجہ سے اسے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہیں تھیں۔

حلیمہؓ کا بیٹا عبداللہ اور بیٹی شیما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی زندگی بھر اس خاندان سے حسن سلوک اور تکریم سے پیش آتے رہے۔

☆......☆......☆

ایک پیغام

امتِ مسلمہ کی ماؤں کے نام

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ



آج میں ایک سوانح نگار کی حیثیت سے کہتا ہوں کوئی تعریف کی بات نہیں لیکن ذرا اپنی بات کا وزن پیدا کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حیثیت کے مطابق کہ جو کچھ لکھنے کے موضوعات ہیں اور ان میں سے خاص سوانح نگاری کے موضوع پر مجھے ذوق عطا ہوا ہے اور مجھے سعادت حاصل ہے کہ میں نے بزرگان دین کی سوانح عمریاں، بہت پڑھی ہیں، عربی میں بھی فارسی بھی اور اردو میں بھی، اور ان کے حالات اور یہ تمام وہ لوگ تھے جن پر تمام دنیا کا اتفاق ہے کہ یہ مقبولان بارگاہِ الٰہی تھے اور یہ امت کے ہیرے جواہرات کہنا یہ ان کی توہین ہوگی، کہا جائے کہ امت کے مفاخر میں سے ہیں اور یہ امت کی اور دین کی صداقت کی دلیلیں ہیں، ان میں جتنے بھی بڑے نام لئے جاسکتے ہیں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام، ہندوستان میں آیئے تو خواجہ نظام الدین اولیاء کا نام بھی آتا ہے، میں انہیں دوناموں پر اکتفا کرتا ہوں، ان دونوں کے حالات میں نے پڑھے ہیں، ان کے ان مستند ماخذوں میں جن سے زیادہ ماخذ نہیں ہوسکتے اور میرا تعلق چونکہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہے اور اس کے کتب خانے سے ہے، اس لئے مجھے ان کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا، جس کی بڑے بڑے فضلا کو نوبت نہیں آتی ہے اس کے خاص اسباب تھے، ان دونوں کے متعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ ان پر جو بنیادی اور سب سے زیادہ اثر پڑا ہے وہ ان کی مائیں ہیں۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بغداد کا رخ کیا تا کہ وہاں آکر دینی تعلیم حاصل کریں، بغداد جو اس وقت ساری دنیائے اسلام کا صرف خلافت کا مرکز ہی نہیں تھا بلکہ سب سے بڑا دارالعلوم، دارالعلم تھا، دارالفضل تھا، روحانیت کا مرکز تھا، چوٹی کے مرشدین، مربین وہاں پائے جاتے تھے، وہاں تعلیم کے ایسے انتظامات تھے جو کہیں اور نہیں ہوسکتے تھے اور خلافت کا وہاں سایہ تھا، یہ

واقعہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی چلنے لگے تو ان کی والدہ نے کہا کہ دیکھو بیٹا ایک نصیحت کرتی ہوں کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا، چنانچہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ جب وہ قافلہ چلنے لگا، وہ قافلوں کا زمانہ تھا اور رہزنی بھی ہوتی تھی، راستے میں ڈاکے بھی پڑتے تھے تو چوروں کی ایک ٹولی نے قافلہ پر حملہ کیا، چور ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ سب کہتے تھے کہ کچھ نہیں ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں پھر وہ ٹٹولتا تھا اور دیکھتا تھا بڑی دولت نکلتی تھی وہ سب پر قبضہ کرتا تھا اور اس آدمی کی توہین بھی کرتا تھا اور سزا بھی دیتا تھا۔

چنانچہ یہی ہوتا رہا یہاں تک کہ کچھ ڈاکو حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آئے اور کہا کہ کچھ ہے تمہارے پاس؟ آپ نے کہا ہاں ہے، ہمارے پاس کچھ اشرفیاں ہیں جو ہماری والدہ نے سی دی تھی وہ موجود ہیں۔ تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ صرف اسی ایک جملے سے وہ سب تائب ہوگئے کہ یہ لڑکا! سب جھوٹ بولتے ہیں اور یہ سچ بول رہا ہے کہہ سکتا تھا کہ ہمارے پاس بھی کچھ نہیں ہے اور اس کی صورت شکل سے، لباس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کسی بڑے گھرانے کا لڑکا نہیں ہے لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے پاس اتنی دولت ہے، انہوں نے دولت بھی چھوڑ دی اور اپنا طریقہ بھی چھوڑا اور ایمان لائے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، آپ تقریباً ہر بزرگ کے حالات میں دیکھیں گے کہ ان کی تربیت میں سب سے بڑا حصہ ان کی ماں کا ہے، ان کی بڑی بہنوں کا، ان کے گھر والوں کا ہے۔ حضور پاک علیہ السلام سے ایسی محبت کہ جو کسی ہستی کے پاس نہ ہو، ان کے نام پر ہر آدمی کا بے چین ہو جانا اور ان کا انتہائی ادب کے ساتھ نام لینا اور اسے مبارک سمجھنا یہ سب گھر کے ماحول سے ہوتا ہے، ایسے ہی خلفائے راشدین کی عقیدت اور یہ کہ وہ مستحق تھے خلافت کے، ترتیب صحیح ہے یہ بھی عقیدہ گھر ہی میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد برائی سے دوری اور نفرت یہ بھی کوئی اخلاقی تعلیم نہیں پیدا کرسکتی، یہ بھی گھر کی تعلیم پیدا کرتی ہے کسی کا دل نہیں توڑنا چاہئے اور ناانصافی نہیں کرنی چاہئے، کسی بزرگ یا بڑے کی بے ادبی نہیں کرنا چاہئے اور کوئی ایسا کام جو شریعت کے خلاف ہو نہیں کرنا چاہئے، یہ چیزیں وہ ہیں جو کسی دلیل اور فلسفہ سے نہیں ہوتیں یہ گھر کے ماحول سے پیدا ہوتی ہیں، اور ماں باپ کے کہنے سننے سے پیدا ہوتی ہیں، ان میں سب سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ یہ کہ شرک سے نفرت ہونی چاہئے ہر شکل میں، کوئی بھی شکل ہو شرک کی جس میں خدا کے علاوہ کسی کو قادر سمجھا جائے، متصرف فی الکائنات سمجھا جائے، مالک سمجھا جائے نفع وضرر کا، یہ بات محض دلائل سے نہیں نکلتی، جذباتی طور پر، حسی طور پر، باطنی طور پر اس طرح کی گھر میں باتیں ہوں، بچپنے سے ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے واقعات کہ آپ نے ہر قسم کے شرک کو رد کر کے آگ میں کود جانا پسند کیا جسے خدا نے ان کے لئے رحمت بنا دیا۔

یہ واقعات اس طرح سے سنائے جائیں کہ بچے کے دل پر نقش ہو جائیں اور اسے شرک سے نفرت ہو پھر اللہ اور توفیق دے، تو بدعت سے نفرت ہو، اسراف سے نفرت ہو، کسی کا دل توڑنے سے نفرت ہو، آج ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا یونیورسٹیاں نہیں ہیں؟ کیا اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم نہیں ہے؟ کیا انگریزی کا رواج نہیں ہے؟ کیا وہ لوگ نہیں جو یورپ وامریکا جاتے رہتے ہیں اور وہاں کی ترقیاں دیکھتے رہتے ہیں لیکن اردو زبان تھوڑی دیر کے لئے کرناٹک کے ریڈیو سے نشر کی جائے، کچھ خبریں اردو میں دی جائیں اس پر اتنا غصہ آئے کہ اس پر چالیس آدمی قتل ہو جائیں، یہ ذہن کہاں سے پیدا ہوا؟ کہاں گئیں وہ یونیورسٹیاں، کہاں گئے وہ فلاسفی کے ایتھکس کے ڈپارٹمنٹ؟ کہاں گئیں وہ تصنیفات، یورپ کے بڑے بڑے اخلاق دانوں کی

اور ہندوستان کے بڑے بڑے لکھنے والے سنیاسیوں کی؟ اردو زبان کے بولے جانے اور اس کے کان میں پڑنے پر یہ سزا دی گئی کہ کئی لوگوں کا خون بہہ گیا اور حکومت کو مجبور ہو کر روکنا پڑا اور اس طرح کے جو واقعات ہیں، بچوں پر ہاتھ اٹھانا، بچیوں پر ہاتھ اٹھانا اور یہاں تک کہ وہ چیز جو زبان سے کہنے کی نہیں، وہ سب ہو جانا اور یہ جو فسادات ہو رہے ہیں، ان میں جو سفا کی ،خونریزی اور انسان دشمنی کی بو آتی ہے، یہ سب کس کا نتیجہ ہے، میں صاف کہتا ہوں کہ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں چاہے مسلمانوں کے ہوں یا ہندوؤں کے ہوں، انہیں وہ تعلیم نہیں دی جا رہی ہے، وہ ایمانی تربیت اور وہ اخلاقی تربیت نہیں کی جا رہی ہے جس سے جب بچے گودوں میں پل کر جوان ہوں تو ان کے ذہن میں وہی سب بیٹھا ہو اور گھٹی میں پاک چیزیں ڈالی جائیں جس سے برائی سے نفرت پیدا ہو، ظلم وسفا کی سے نفرت پیدا ہو، انسان کا دل توڑنے سے آدمی کانپ جائے اسی ملک کے فقراء و بزرگان دین گزرے ہیں ان کے حالات پڑھئے کہ یہ بیج سب سے پہلے اور شروع میں ان کے گھر میں پڑا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ایسے خاندان پیدا کئے شرفاء کے خاندان پیدا کئے اور علماء کے خاندان پیدا کئے جہاں شروع سے ان باتوں سے رغبت پیدا کی جاتی ہے۔ میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ میرے بچپن سے جن دو چیزوں کا لحاظ رکھا گیا، میری تربیت میں، میں اس کا ممنون احسان ہوں اور میں نے "کاروان زندگی" میں اس کو لکھا بھی ہے اور آپ سے بھی کہتا ہوں کہ ایک تو یہ کہ کوئی حرام لقمہ نہ جانے پائے اور دوسری بات یہ کہ ہم کسی کے دل کو نہ دکھانے پائیں، آج اسی کی کمی ہے، آپ جو کچھ دیکھتے ہیں اور اس ملک کا بگاڑ دیکھتے ہیں، وہ اقدامات اور وہ تحریکات تک جو انسانیت کے منافی ہیں، جو شرافت کے منافی ہیں جو فطرت انسانی کے منافی ہیں، یہ سب جو کچھ ہو رہا ہے یہ اس کا نتیجہ ہے کہ گھروں کی تعلیم ختم ہو گئی اور اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں پر انحصار رہا، اخباروں سے سیکھو جو کچھ سیکھنا ہو کالجوں میں اور یونیورسٹیوں میں سیکھو اور پڑھو، گھر میں کوئی بات اخلاق کی ایسی نہیں کہی جاتی ہے (الا ماشاء اللہ)، لیکن شاید دس یا پانچ فیصدی ایسے گھر نکلیں گے جو بچپن سے عقیدہ درست کرنا، اللہ سے ڈرنا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا کرنا اور انسان کا احترام کرنا اور جھوٹ سے، فریب سے بچنے کی تعلیم دینا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، مانگنا، اسی کو کارساز سمجھنا اور انسان کو کسی مذہب کا انسان ہو کسی طبقہ اور حیثیت کا انسان ہو اس کا دل نہ دکھانا، اور اس کی مدد کرنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو اٹھ گئی ہیں۔ پہلے آپ دیکھئے کہ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ تصدیق کرنا مشکل ہوتا ہے کہ بچہ اپنا کھانا دوسرے کو پیش کر دے اور کھلا دے کہ یہ زیادہ بھوکا ہے اور ایثار کے واقعات جو خانقاہوں میں ملنے چاہئے تھے یہ سب گھر کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

عورتیں اس کا خیال رکھیں کہ نئی نسل کی تربیت کرنا ہے، اس کے عقائد بھی درست کرنے ہیں، اس کی عادتیں بھی ٹھیک کرنی ہیں اور اس کا مزاج بھی بنانا ہے، دیکھئے مزاج بنانے کی بات ہے میں نے گھٹی کی جو بات کہی ہے ایک چیز ہوتی ہے دماغ بننا اور ایک چیز ہوتی ہے دل بننا اور مزاج بننا، اصل حکومت جس کی ہے اور دنیا میں جو خیر و شر پیدا کرتی ہے وہ دماغ بننا نہیں، دماغ بنانے والے لوگوں کی میں نے تاریخ پڑھی ہے، میں نے یونان کی تاریخ پڑھی ہے، ایران کی تاریخ پڑھی ہے، انتہائی عروج کے زمانے کی کیا حالت تھی اخلاقی، کوئی بیان نہیں کر سکتا ہے۔

لیکن اصل میں عقائد ان کے پیوست کرنا ہے اور اچھے اور برے ہونے کا احساس فطری طور پر پیدا کرنا ہے اس میں تکلیف کی ضرورت نہ ہو، خود بخود دھن آئے کہ کس چیز کا تم نے نام لے لیا، توبہ توبہ، اب آئندہ نہ کہنا یعنی بچہ بچے سے کہے، دوست دوست سے کہے کہ تم نے اب نام لے لیا اب آئندہ میں سن نہ سنوں گا تم نے چوری کا نام لیا ہے، تم نے ظلم کا نام لیا، تم نے خنجر گھونپنے کا نام لیا، تم نے توہین کرنے کا نام لیا، میں سن نہیں سکتا، ان باتوں کو۔

اور ایسی عورتیں ہوں جن کو خود بھی گناہوں سے نفرت ہو اور غلط عقائد سے نفرت ہو اور یہ بھی جذبہ ہو کہ جب بھی موقع ملے گا اس کی نفرت اور اس کی برائی پیدا کریں گی۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے اور کامیاب بنائے۔

☆......☆......☆

گھر کا ماحول عورتوں ہی سے بنتا ہے:...... ہمارا پورا نظام معاشرت بلکہ نظام زندگی و نظام مذہبی بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا کہ بیبیاں اور بچیاں بھی اسلام سے واقف ہوں اور گھر میں جو کچھ ماحول ہوتا ہے وہ تو بیویوں اور بیٹیوں ہی کا ساختہ پرداختہ ہے اگر گھر کے اندر اسلامی فضا نہیں ہے، دینی تعلیمات نہیں ہیں، اسلامی اخلاق نہیں ہیں تو پھر اس نسل کی اسلامی پرورش ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا اور امت کا طبقہ نسواں بھی ہمیشہ نہ صرف یہ کہ علم سے واقف بلکہ علم پھیلانے والا بھی رہا اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسی بیویوں کے نام ملتے ہیں جو بڑی فاضلہ عالمہ تھیں اور جن کی وجہ سے خاندان کے خاندان بلکہ اس زمانہ میں ملت کا پورا حصہ دین سے واقف تھا اور دین پر کاربند تھا، ان کے کارنامے آپ دیکھیں بلکہ بعض خاندانوں کا ایمان بچایا ہے مستورات نے، کہ انہوں نے شروع سے بچیوں کی ایسی تربیت کی اور اسلامی اور دینی غیرت کا اظہار کیا اور نقش کر دیا اور سچ پوچھئے تو دل کی بھٹی میں، دل کی خاک میں اور دل کے کشت زار میں تخم مائیں ڈال سکتی ہیں، گھر کی مستورات ہی ڈال سکتی ہیں اور یہ تخم جب پک جاتا ہے تو پھر اس کو حکومتیں بھی نہیں اکھاڑ سکتی ہیں اور اس کی ہزارہا مثالیں ہیں کہ ماں اور بہنوں سے پڑھا ہوا سبق، ان سے سیکھا ہوا دین، ان کا بیدار کیا ہوا جذبہ بڑے بڑے مجاہدین کی استقامت اور ان کی ثابت قدمی کا ذریعہ بنا اور اگر آپ ان کی تحقیق کریں اور ذرا ریسرچ سے اور سراغ رسانی سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ اصل جو اس میں ثبات و استقامت اور جذبہ پیدا ہوا ہے وہ ماں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کی کثرت سے مثالیں ہیں کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء اسلام میں ایسے گزرے ہیں جن پر سب سے زیادہ ان کی ماؤں کا اثر پڑا ہے اور ان کی ماؤں نے ان کو اخیر تک اسلام پر قائم رہنے کی ہمت اور حوصلہ دیا ہے اور اس کے لئے مستقل کتابیں ہیں اور ہماری تاریخ میں مستورات کے طبقہ کی مستقل کتابیں ہیں کہ بعض اوقات انہوں نے اللہ کے راستے میں جان دینے پر آمادہ کیا اور اپنے لخت ہائے جگر کو انہوں نے خطرے میں ڈالا، ان کی ہمت بڑھائی بلکہ ان میں غیرت پیدا کی کہ دین کے لئے کیوں کام نہیں کرتے؟ دین کے لئے قربان ہو جانا چاہئے اور سب کچھ قربان کر دینا چاہئے، اس کی مثالیں ہماری تاریخ میں ملتی ہیں، بعض بڑے بڑے اکابر اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے ہیں کہ اول اول ان کے اندر جو جہاد کا جذبہ پیدا ہوا، اسلام کے لئے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا اور اسلام پر نثار اور قربان ہو جانے کا جو حوصلہ پیدا ہوا وہ ان کی ماؤں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اکثر اہل اللہ کے حالات میں اور مجاہدین کے حالات میں اور فاتحین کے حالات میں ان کی ماؤں کا بنیادی حصہ ملے گا اور انہوں نے خود اعتراف کیا کہ سب سے پہلے ہمارے کان میں یہ بات ہماری ماں کے ذریعہ سے پڑی، انہوں نے ہمارے اندر دینی غیرت پیدا کی اور بعض موقعوں پر تو دینی حمیت پیدا کرنے میں ہماری خواتین کا حصہ زیادہ ہے۔

☆......☆......☆

میری والدہ ماجدہ رحؒ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی اپنی والدہ ماجدہ کی وفات پر لکھی گئی تحریر، جس کے ہر ہر لفظ سے والدہ کی شفقت و محبت، ان سے جدائی کا صدمہ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر رضا مندی کا اظہار ہورہا ہے۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

23 رجب کی شام کو احقر کی والدہ ماجدہ (رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً) اس دارفانی سے رحلت فرما کر اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد احقر کی نجی زندگی کا سب سے بڑا سہارا اور سب سے بڑا سرمایہ والدہ ماجدہ کی ذات تھی، ایک طویل عرصے سے صاحب فراش اور دکھوں سے چور ہونے کے باوجود ان کی شفقتوں کی چھاؤں ہمارے ہر دکھ درد کا مداوا تھی اور ان کی ایک نظر شفقت غم حیات کی ساری تلخیوں کو بھلا دیتی تھی۔ یہ سایہ سر سے اٹھ گیا، یہ دولت بے بہا واپس چلی گئی اور سکون وعافیت کی دنیوی جنت کا یہ باب بند ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون

انسان ناشکرا ہے اور اسے نعمت کی صحیح قدر اس کے زوال کے بعد ہوتی ہے، آج سوچتا ہوں کہ ماں زندگی کے ہر مرحلے پر کتنی عظیم نعمت ہے اور جن لوگوں کو یہ نعمت میسر ہے وہ کتنے خوش نصیب ہیں، یہ وہ ذات ہے جس کے چہرے پر محبت کی ایک نگاہ حج بیت اللہ کا ثواب رکھتی ہے، جس کے قدموں کے نیچے سے جنت کو راستہ جاتا ہے اور جس کی خدمت کی بدولت حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے محروم ہونے کے باوجود صحابہ کرامؓ کے لئے بھی باعث رشک ثابت ہوئے۔ یہ دولت اللہ تعالیٰ اس دنیا میں تقریباً ہر انسان کو بخشتا ہے، کسی کو یہ دولت کم عرصے کے لئے ملتی ہے اور کسی کو زیادہ عرصہ کے لئے، لیکن جب تک یہ انسان کو حاصل رہتی ہے، وہ اس کی قدر نہیں پہچانتا، قدر اگر کچھ ہوتی ہے تو اس وقت جب دیکھتے ہی دیکھتے یہ نعمت رخصت ہو جاتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم تھا کہ اس نے عمر کے اڑتیس سال والدہ کی آغوش شفقت و رحمت میں بسر

کرنے کی سعادت بخشی اور پیدائش سے لے کر وفات تک بفضلہ تعالیٰ مسلسل انہیں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کی توفیق عطا فرمائی، لیکن آج جب رحمتوں کا یہ پیکر عمر بھر کے لئے رخصت ہو چکا ہے، تو ان کے خالی کمرے میں اپنی غفلت شعاری اور ناقدری پر حسرتوں کے انبار کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اب خیال آتا ہے کہ اڑتیس سال کی اس طویل مدت میں کتنا وقت ان کی خدمت میں صرف کرسکا؟ اب ان کی شفقتوں کے مقابلے میں اپنی غفلتیں اور ان کے الطاف وعنایات کے مقابلے میں اپنی کوتاہیاں ایک ایک کر کے یاد آرہی ہیں اور دل چاہ رہا ہے کہ اس کائنات کے ہر مسلمان سے جسے ماں کی نعمت میسر ہے، یہ التجا کروں کہ خدا کے لئے اس نعمت کی قدر کرو اور اپنی آخرت کا سامان کرلو۔

من نہ کردم ، شما حذر بکنید

اس روئے زمین پر ماں کس کو عزیز نہیں ہوتی؟ اور کون ہے جسے اس نعمت کے زوال پر صدمہ نہ ہو؟ لیکن میری والدہ ماجدہ...... اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ کر ابدی راحتیں نصیب فرمائے۔ اس قرن کی ماؤں میں سے تھیں جن کی آغوش بچے کے لئے صرف ایک گہوارہ نہیں، بلکہ تعلیم وتربیت کا موثر ترین مرکز بھی ہوتا تھا۔ جہاں کتابوں کے بجائے عمل کے ذریعے آداب زندگی سکھائے جاتے تھے۔ وہ کسی کالج، یونیورسٹی یا کسی مدرسے کی تعلیم یافتہ نہیں تھیں بلکہ ان کی تعلیم گھریلو طور پر قرآن مجید اور اردو دینیات کی حد تک محدود تھی، لیکن سیرت وکردار کی جو عظمتیں، تعلیم وتربیت کا جو انداز اور ملک وملت کے مسائل سے جو تعلق ان کو حاصل تھا، وہ آج کل اونچی اونچی ڈگریاں رکھنے والی خواتین میں بھی نایاب ہے۔ صبر وقناعت، محنت اور جفاکشی، ایثار وخود داری اور ہمت اور بلند حوصلگی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ کی پوری زندگی دین کے لئے جہد وعمل سے عبارت تھی، والدہ ماجدہ (رحمہا اللہ تعالیٰ) نے ہر طرح کے سرد وگرم حالات، تنگی وترشی اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گوناگوں مصروفیات میں جس طرح ان کا نہ صرف ساتھ دیا، بلکہ گھریلو مسائل سے ان کے ذہن کو بڑی حد تک فارغ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان شاء اللہ اس کے ذریعے حضرت والد صاحب قدس سرہ کے تمام اعمال حسنہ اور صدقات جاریہ میں ان کا معتد بہ حصہ ضرور ہوگا۔

اولاد پر ماں باپ کے احسانات کو کون شمار کرسکتا ہے؟ ہم نے تو انہیں جب بھی دیکھا ہمارے ہی کسی نہ کسی فائدے کے کام میں مصروف دیکھا۔ لیکن بحیثیت ماں کے ان کے جو بے شمار احسانات احقر پر ہیں، ان کے علاوہ میری استاذ بھی تھیں، میرے بچپن میں جب حضرت والد صاحب قدس سرہ پاکستان تشریف لائے تو یہاں کوئی باقاعدہ دینی درس گاہ نہیں تھی، اس لئے احقر کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی اور اس دوران والدہ صاحبہ (قدس سرہ) سے احقر نے سیرت خاتم الانبیاء اور بہشتی گوہر کا معتد بہ حصہ پڑھا اور یہی دو کتابیں میری اردو کی تعلیم کی کل کائنات تھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد احقر نے اردو زبان درساً کبھی نہیں پڑھی، اس لحاظ سے بھی حرف شناسی کی جو کوئی مقدار احقر کے پاس ہے، وہ بنیادی طور پر والدہ صاحبہ ہی کے واسطے سے ہے اور انہی کی رہین منت ہے۔

والدہ ماجدہ (رحمہا اللہ تعالیٰ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے بیعت تھیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عبادت کا ذوق عطا فرمایا تھا، جب تک بیماریوں نے انہیں بستر سے لگا نہیں دیا، اس وقت تک روزانہ تلاوت، مناجات مقبول، اذکار و تسبیحات اور نوافل کا معمول کبھی قضا نہیں ہوا۔ وہ صبح کو تڑکے سے لے کر نصف شب تک بغیر کسی وقفے کے گھر کے کاموں، اولاد کی دیکھ بھال حضرت والد صاحبؒ کی ضروریات کی انجام دہی، ضعیف ساس کی خدمت اور

دوسرے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتی تھیں اور رات گئے تک فرصت و آرام کا ان کی زندگی میں کوئی خانہ نہیں تھا، لیکن ان تمام مصروفیات کے باوجود ان کے معمولات میں فرق نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو مرتبہ حج اور ایک مرتبہ عمرے کی سعادت سے نوازا اور وہاں انہوں نے بڑی والہیت کا مظاہرہ فرمایا۔ آخر عمر میں بھی انہوں نے عمرے کے لئے کچھ رقم جمع کی ہوئی تھی کہ ذرا بیماریوں سے مہلت ملے تو ایک مرتبہ پھر اس سعادت سے سرفراز ہوں، لیکن پھر موقع نہ مل سکا۔

عمر کے آخری تیرہ سال والدہ صاحبہؒ نے تقریباً مسلسل صاحب فراش رہ کر گزارے۔ ان ایام میں بھی ان کی عبادت کے معمولات جاری رہے، البتہ فالج کے حملے کے بعد جب بالکل معذور ہوگئیں تو شاید مکلّف بھی نہ رہی ہوں، لیکن صوم صلوٰۃ کا فدیہ ادا فرماتی رہیں اور اب کچھ عرصے سے نماز کے وقت قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتیں، جتنا کچھ پڑھ سکتیں، پڑھ لیتی تھیں۔ دوشنبہ ۲۰ رجب کو پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی بہت پیا گیا، یہاں تک کہ پیٹ میں غیر معمولی نفخ ہوگیا، اسی اضطراب کی حالت میں عشاء کی اذان ہوگئی تو انہوں نے لیٹنے سے پہلے حسب معمول قبلہ رو ہونا چاہا اور قبلے کی طرف مڑتی ہوئی اچانک بستر پر گر گئیں۔ برادر محترم جناب محمد رضی صاحب مدظلہم نے، جن کے گھر میں وہ اس وقت مقیم تھیں، اٹھانا چاہا تو اندازہ یہ ہوا کہ فالج کا دوبارہ حملہ ہوا ہے، اسی دوران متعدد بار قے آئی اور بولنے کی طاقت سلب ہوگئی۔ ابھی یہ عالم اضطراب جاری تھا کہ اچانک والدہ کے ہاتھوں میں حرکت ہوئی، ایسا محسوس ہوا جیسے وہ تکیے کے نیچے کچھ تلاش کرنا چاہتی ہیں، تکیے کے نیچے ان کی تسبیح رکھی رہتی تھی، احقر نے تسبیح ان کے ہاتھ میں دی تو معلوم ہوا کہ اسی کی تلاش تھی۔ زبان میں تو حرکت نہ رہی تھی، لیکن ہاتھ سے انہوں نے جلدی جلدی تسبیح کو گھمایا اور اس طرح تسبیح پڑھتے پڑھتے بے ہوگئیں۔ عالم ہوش و حواس میں ان کے جسم کی آخری اختیاری حرکت نماز کے لئے اور ہاتھوں کی آخری حرکت تسبیح کے لئے تھی، اس کے بعد ڈاکٹروں کے مشورے سے انہیں ڈیفنس میڈیکل سینٹر میں داخل کیا گیا، وہاں دو دن رات قیام رہا، اس دوران مختلف ڈاکٹر صاحبان نے اپنی امکانی حد تک تدبیر و علاج میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن والدہ صاحبہ طویل عرصے تک دنیا کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد اس دنیا سے منہ موڑ چکی تھیں، پیر سے جمعرات تک بے ہوشی ہی کا عالم رہا، جمعرات کے دن چار بجے کے قریب اچانک ان کے سانس میں غیر معمولی اتار چڑھاؤ شروع ہوا۔ انداز بتا رہا تھا کہ یہ غم دنیا سے رہائی پانے کی آخری جدوجہد ہے۔ ڈاکٹر اپنی تدبیریں کرتے رہے، احقر نے سرہانے کھڑے ہو کر سورہ یٰسین کی تلاوت کی اور سورت کی آخری آیات ابھی زبان پر تھیں کہ والدہ صاحبہ نے آخری ہچکی لی اور سالہا سال کی تکلیفوں میں مرجھائے ہوئے چہرے پر اچانک ابدی سکون چھا گیا۔ والدہ صاحبہ اس غمکدے کی سرحد پار کر چکی تھیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وفات تقریباً ساڑھے چار بجے ہوئی تھی، عصر کے قریب انہیں دارالعلوم کورنگی لایا گیا، مغرب کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی۔ عشاء کے بعد احقر کے شیخ و مربی عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہم صدر دارالعلوم کراچی نے نماز جنازہ پڑھائی اور رات بارہ بجے سے پہلے ہی والدہ صاحبہ احقر کے والد ماجد قدس سرہ کے مزار مبارک کے برابر اپنی آرامگاہ میں پہنچ گئیں۔

اگرچہ نماز جنازہ اور تدفین رات کے وقت ہوئی اور بہت سے متعلقین کو وفات کی اطلاع وقت کی کمی کے باعث نہ ہو سکی، لیکن اس کے باوجود اطراف شہر سے ایک بڑا مجمع نماز میں پہنچ گیا تھا اور علماء، صلحاء اور دیندار مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت نے نماز جنازہ میں شمولیت فرمائی۔

یہ ساری باتیں اس بات کی علامت ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ان کو مقبولیت سے نوازا ہے، تیرہ سال کی صبر آزما تکالیف اور بیماریوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے پاک صاف کر کے انہیں اپنے پاس بلایا ہے اور ان شاء اللہ اب ہر طرح کی تکلیفوں سے نجات پا کر وہ راحت و سکون اور عافیت و اطمینان کے ساتھ دار قرار میں پہنچی ہیں۔ انہیں "سکون" کی بڑی آرزو تھی، وہ کسی دوسرے کو بھی دعا دیتیں تو یہ کہتیں "اللہ تعالیٰ تمہیں سکون عطا فرمائے" ان شاء اللہ اب انہیں سکون مل گیا ہے۔ یا اللہ! تو اپنی اس بندی پر فضل و رحمت کا خاص معاملہ فرما، اس دنیا میں اس نے لوگوں کی جو خدمت کی، جو صدمات اٹھائے اور جو تکلیفیں برداشت کیں، ان سب کا بہترین صلہ اپنی رحمت خاص سے عطا فرما، انہیں قبر سے لے کر جنت کے داخلے تک ہر مرحلے پر اپنی نصرت سے نواز دیجئے، ان کو مقامات قرب میں پیہم ترقی درجات عطا فرمائیے، ان پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائیے اور انہیں آخرت میں اپنے صالح پیش رووں کے ساتھ بعافیت ملحق فرما دیجئے۔ یا اللہ! ہم پر ان کے جو بے شمار احسانات ہیں، ان سب پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائیے اور ان کی خدمت میں ہم سے جو کوتاہیاں اور غفلتیں ہوئی ہیں ان کو اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ یا اللہ! ان سے راضی ہو جائیے اور ان کو اپنی رحمتوں سے خوش کر دیجئے۔ آمین ثم آمین

اس دنیا میں ماں باپ کی محبت و شفقت کا کوئی بدل نہیں ہے، یہاں پر ہر ایک محبت میں کوئی نہ کوئی غرض ضرور شامل ہوتی ہے، لیکن اولاد کے لئے صرف ماں باپ کی محبت ایسی ہے جو بالکل بے غرض ہوتی ہے۔ اس دنیا میں کوئی کسی کے دکھ درد پر اس خلوص کے ساتھ نہیں تڑپ سکتا جس خلوص کے ساتھ ماں باپ اپنی اولاد کے لئے تڑپتے ہیں۔ اس سائے سے محرومی کوئی معمولی محرومی نہیں اور آج جب یہ تصور کرتا ہوں کہ اب ہمیں "بیٹا" کہنے والا باقی نہیں رہا تو نگاہوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا نظام ہے، اس نظام کی حکمتیں ہماری انفرادی خواہشات سے بالاتر ہیں۔ یہاں ہر وصال کا انجام فراق ہے، یہاں ہر ملاقات کی انتہاء جدائی پر ہوتی ہے۔ کوئی نہیں ہے جو اس قانون سے مستثنیٰ ہو۔ طبعی صدمہ انسان کی فطرت بھی ہے اور جانے والے کا حق محبت بھی، چنانچہ شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی، لیکن اگر دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان ہوں تو یہ سارے واقعات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اگر دنیا کی حقیقت تمہارے سامنے ہوتی تو یہ صدمات تمہارے لئے ناقابل برداشت نہ ہوتے۔ یہ دنیا تو تمہارے راستے کی ایک منزل ہے، راستے کی منزلوں میں تو مسافروں کے اترنے اور چڑھنے کا سلسلہ رہتا ہی ہے۔ ابدی وصال اگر کہیں مقدر ہے تو وہ اس سفر کے اختتام پر صرف جنت میں ممکن ہے، جس کے بعد جدائی کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا۔ تم نے یہ سمجھا ہی کیوں کہ یہ دنیا ٹھہرنے اور رہنے بسنے کی جگہ ہے؟ روزانہ اپنی آنکھوں سے اپنے پیاروں کو چھوٹتے ہوئے دیکھتے ہو، انہیں اپنے ہاتھوں سے مٹی دے کر آتے ہو پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں کہ ایک دن تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے والا ہے۔ ایک دن تمہیں بھی تمہارے عزیز و اقارب اور دوست احباب کاندھے پر اٹھا کر قبرستان میں تنہا چھوڑ آئیں گے۔ ایک دن تمہاری اولاد بھی تمہیں گڑھے میں رکھ کر پر مٹی ڈال دے گی۔ اگر یہ حقائق تمہارے ذہن میں مستحضر ہوں تو یہ جدائی کوئی جدائی نہیں ہے، تیاری اس کی کرو کہ زندگی کا یہ سفر بخیر و خوبی انجام پذیر ہو اور جب تمہیں قبر میں رکھ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں تمہیں ڈھانپ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حقائق پر غور کرنے اور ان کے مطابق زندگی استوار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆

ماں!

بنت مولانا عبدالمجیدؒ

بے کیف مئے ناب ہے معلوم نہیں کیوں
پھیکی سی شب مہتاب ہے معلوم نہیں کیوں؟
دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے لیکن
کشتی سی تہہ آب ہے معلوم نہیں کیوں؟

ماہنامہ "حیا" کے آخری صفحہ پر جگمگاتے عنوان کو دیکھتے ہی کچھ دیر کو دل ودماغ پر خاموشی چھا گئی۔ ماں! ...... بھلا اس عنوان پر کوئی لکھے گا؟؟ ...... یہ تو دو دلوں کا گہرا رشتہ ہے، اسے الفاظ کیا سمجھیں گے؟ کیا کوئی پیمانہ ایجاد ہو گیا ہے جو ان جذبات کو جان سکے جو دلوں میں ماؤں کے لئے مچلتے ہیں؟ میں نے دھیمی سی آواز میں کہا تو میرے برابر بیٹھی ساجدہ نے مزے دار قہقہہ لگایا، میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھی...... ماں تو اچھی ہی ہوتی ہے، اس کے لئے ماں نمبر نکالنے کی کیا ضرورت ہے......!! پتہ ہے بھئی کہ سب کی امیاں اچھی ہیں، یہ کہہ کر وہ رسالے کے صفحات پلٹ کر کہانی ڈھونڈنے لگی اور ایک افسانہ پاتے ہی اس میں مگن ہو گئی جبکہ میرا ذہن بار بار ماں ماں کی تکرار کر رہا تھا، اسی اثناء میں چھٹی کی بیل بج گئی اور سب طالبات اپنی ماؤں کے آغوش کو روانہ ہونے لگیں، میں گھر جانے کے لئے راہداری سے گزرنے لگی کہ اچانک میری نظر خالی کمرے میں بیٹھی تنہا لڑکی پر پڑی، یہ یہاں تنہا کیا کر رہی ہے؟ میں نے سوچا اور کلاس میں داخل ہو گئی، درس گاہ کے کونے میں گھٹنے میں سر دیئے اپنے اردگرد بڑی سی چادر لپیٹے بیٹھی لڑکی کو میں نے پکارا۔

السلام علیکم!!

جواباً خاموشی ہی رہی تو میں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آپ نے کھانا کھایا ہے؟

میرے کہنے پر اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تربتر اور آنکھیں رونے کی وجہ سے سوج چکی تھیں۔

اوہ! یہ آپ ہیں؟ میں نے اسے پہچان لیا، یہ نو مسلمہ حفصہ تھی، اسلام قبول کر کے گھر کو خیر باد کہہ چکی تھی اور اب یہاں رہ رہی تھی۔

میں اسرار کرتی رہی، مگر اس کے سلے ہوئے لب کھولنا بہت مشکل تھا۔ میری ہر بات کا جواب وہ صرف سر اثبات اور نفی میں ہلا کر دے دیتی۔

حفصہ! مجھے اپنی بہن سمجھو! جو بھی پریشانی ہے، مجھ سے ذکر کر دو، میں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے، تب کہیں جا کر اس کے ہاتھ ذرا سا سرکے اور اس نے پھیلی ہوئی چادر سمیٹ کر اس کے نیچے دبی ہوئی چھوٹی سی ڈائری نکالی۔

اچھا تو آپ داستان غم رقم کر رہی تھیں......!! میں نے دل میں سوچا اور ڈائری اس کے ہاتھ سے لے کر پڑھنے لگی۔

میری ماں! پیاری ماں! آپ کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں مجھے کچھ نہیں معلوم!!! لیکن آپ کی یاد میرے دل میں بسی ہے...... میں آپ کے لئے تڑپ رہی ہوں مگر آپ......!!! ہاں ماں جی آپ سوچتی ہوں گی کہ میری بیٹی میری عزت داغ دار کر گئی ہے! آپ کو لوگ کہتے ہوں گے کہ تیری بیٹی نے عشق لڑا لیا ہے اور وہ......!!! نہیں امی جی نہیں۔ میں اپنی عزت اور آخرت کا تحفظ کرنے نکلی تھی اور میرا مقصد پورا ہو گیا...... میں کلمہ پڑھ کر دامن اسلام میں پناہ لے چکی ہوں...... امی جی میں دنیا کو بھلا چکی ہوں، مگر آپ کو نہیں بھلا سکی...... میری نظر نظر میں آپ ہیں...... میری سانس سانس میں امی امی کی آواز اور خوشبو رچی بسی ہوئی ہے...... جب بہن ڈانٹتی تھی تو آپ اسے جھڑک دیتی تھیں کہ میری بیٹی کو نہ ڈانٹو...... امی جی میں کالج سے اگر ذرا بھی دیر سے گھر پہنچتی تھی تو آپ دروازے پر کھڑی ہو جاتی تھیں...... امی جی......!! مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ پیاری ماں...... دروازے سے نظریں ہٹا لیں...... میری یاد کو سلا دیں...... میں نہیں آؤں گی...... کبھی بھی نہیں آؤں گی......!! اگر غلط کیا ہے تو مجھے معاف کرنا...... مگر آپ کو کیسے بھلاؤں امی، آپ کی صورت میری نگاہوں سے کسی پل بھی نہیں ہٹتی...... میں اللہ کے لئے سب کچھ برداشت کروں گی...... ماں میری ماں میں آپ سے آخرت میں ملوں گی ضرور...... میں دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کو اسلام کی دولت سے سرفراز کرے اور ہمیں ایک چھت تلے جمع کر دیں۔

نہ شکوہ کرتی ہوں، نہ گلہ کرتی ہوں
ماں سلامت رہے یہ دعا کرتی ہوں

اس کے بعد ڈائری کے صفحے آنسوؤں سے بھیگ چکے تھے...... میں نے شرمندہ سی نظریں اٹھا کر حفصہ کو دیکھا جو مسلسل زمین میں نظریں گاڑی بیٹھی تھی! حفصہ غم نہ کریں......! جب اتنی قربانی دی ہے تو تھوڑا سا اور برداشت کر لیں...... ان شاء اللہ آپ کا دل لگ جائے گا اور پھر آپ کو معلمات وناظمات ماں سے بڑھ کر لگیں گی۔

میں صرف اپنی امی جی کو ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں، صرف ایک نظر......!!! اس کے انداز میں التجا اور میرے چہرے پر بے بسی چھائی ہوئی تھی، میری خاموشی کو محسوس کر کے اس نے ہاتھوں کو چہرے پر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر زار وقطار رونے لگی۔

سینوں میں تپش ہے، کبھی شورش ہے سروں میں
کیا چیز بسا دی گئی، مٹی کے گھروں میں

☆......☆......☆

درس گاہ کے کونے میں سرخ آنکھیں اور تپتا جسم لئے مہرین بیٹھی تھی، کل سے اسے شدید بخار تھا، ساتھی طالبات اس کے لئے جوس بسکٹ، اور ڈبل روٹی وغیرہ لا رہی تھیں اور وہ صبر واستقامت سے سب کو یقین دلا رہی تھی کہ اس کی طبیعت ٹھیک ہے لیکن اس کی آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں، میں جب اس کی عیادت کے لئے قریب گئی اور رسمی جملے کہہ کر پیچھے ہٹ گئی تو اسے دیکھ کر سوچنے لگی کہ...... یہ مہرین اور صائقہ امریکا سے یہاں حصول علم کے لئے آئی ہوئی ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ اس عرصے میں انہیں بیماریاں بھی آتی ہوں گی اور خوشیاں بھی آتی ہوں گی اور اتنے عرصے میں اپنے چہروں میں وہ ماں کا چہرہ تلاش کرتی ہوں گی کہ امی جی ذرا تسلی دیں، محبت سے دوا دیں، میری خیریت پوچھیں اور فون پر بھلا کون حقیقت بتا کر ماں کو پریشانی میں مبتلا کرے گا۔

اف!!! کتنا سہتی ہوں گی یہ...... ماں سے سچی محبت کا ادراک انہی کو ہو گا اور اس کا اندازہ تو اس وقت ہوتا ہے جب سالوں بعد یہ پریاں اپنے آشیانوں کو لوٹنے لگتی ہیں، تو ان کے چہرے پر بے پناہ خوشی اور سرور کے اثرات آتے ہیں...... ہاں ماں تیری قیمت ان ہی کو معلوم ہے۔

☆......☆......☆

یہاں کا یہ چہرہ ہر دم ماں کو تراشتا ہے...... میرے جامعہ کی دور دراز کی طالبات کتنی مشقت اور قربانی کے بعد یہاں ماہ وسال بتاتی ہیں، کبھی بلوچستان کی ہاجرہ اور

ثاقبہ، تو کبھی نور جہاں، کبھی کشمیر کی ثوبیہ، کبھی افریقہ کی زینب، کبھی لاڑکانہ کی حفصہ اور کبھی کشمیر کی لائبہ......

جب اپنے مسائل خود سلجھانے بیٹھتی ہیں تو میں بے اختیار سوچتی ہوں کہ ماں کے موجود ہوتے ہوئے بھی یہ اتنی ذمہ دار اور باشعور ہیں، لیکن ان تمام بیتے ہوئے ایام میں ان کے دل جو ماں کی جدائی اور فراق سے غمزدہ ہیں کوئی اسے نہیں جھانک سکا...... یہ یقیناً دین اسلام کی حقانیت ہے کہ ماں کے درد محبت کو بڑی خوبصورتی سے سینے میں چھپائے، لبوں پر تبسم اور چہرے پر بے فکری و بے نیازی سجائے یہاں رہتی ہیں۔

دل قفس میں لگ چلا تھا
پھر پریشاں کردیا
ہم سفیرو! تم نے کیوں
ذکر گلستاں کردیا

☆......☆......☆

جائے نماز پر کھڑی ساجدہ نے سلام پھیرا تو زوردار چیخ کے ساتھ وہ بیٹھتی چلی گئی اور اپنے پاؤں پر جھک گئی، اس کے پاؤں میں کانچ کا ٹکڑا چبھ گیا تھا اور وہ بڑے ضبط کے ساتھ اسے نکالنے میں مگن تھی، خون بہتا دیکھ کر سب طالبات اس کے اردگرد جمع ہوگئیں اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرکے دل بہلانے لگیں اور ساتھ ساتھ اس کے پاؤں کی پٹی بھی کردی۔

کتنا فضل ہے رب کا کہ اتنی اچھی ساتھی طالبات دیں ورنہ ساجدہ کے دل میں کتنی شدت سے ماں کی یاد مچلی ہوگی کہ امی جی!! میرے پاؤں میں کانچ لگ گیا ہے اور امی جی اس کے پاؤں پر پٹی کرکے اسے پلنگ پر بٹھا دیتیں اور اس وقت تک ہنسنے نہیں دیتیں جب تک کہ زخم ٹھیک نہ ہوجاتا۔

وہ لوگ بھی ہیں جو ساحل پر
طوفان سے سہمے بیٹھے ہیں
کچھ ایسے شناور بھی ہیں
جنہیں ہر موج میں ساحل ملتا ہے

میں جو "ماں نمبر" کے متعلق سوچ رہی تھی تو مجھے اس جواب مل گیا تھا کہ ماں کی سچی عظمت ان کے دل میں ضرور جاگزیں ہوئی جو ماؤں کو سات سمندر پار چھوڑ آئے ہیں، ان طالبات کی قربانیاں ہم جیسے کوتاہ عملوں کے لئے مشعل راہ بن جاتی ہیں اور ہمارے دل میں ماں کی محبت بڑھا دیتی ہیں۔

الٰہی!! تو میری اور ان سب کی ماؤں کو سلامت رکھنا ہماری ذات سے ہماری ماؤں کو خوشیاں اور سکھ پہنچانا۔

مولا......!! ہمیں اپنی ماؤں کا حق ادا کرنے والا بنا۔ یہ مائیں جب اپنے جگر گوشوں کو دور دراز حصول علم کے لئے بھیجتی ہیں تو خود ان کے دلوں پر کیا بیتتی ہوگی، وہ وقت جب ہمیں ان کی خدمت کرنی تھی مگر وہ ہمیں حصول علم کے لئے فارغ کردیتی ہیں اور پھر بڑھاپے و کمزوری کی مشقتوں کے ساتھ ساتھ ہماری جدائی کو بھی سہتی ہیں۔

اپنے غموں کو دل میں چھپالینا
یہ حوصلے تو ہیں صرف ماؤں کے

ان سب کو ماؤں کی یاد میں تڑپتے دیکھ کر میں ندامت کے مارے سر بھی نہیں اٹھا سکی......! یہ دور رہ کر بھی ماؤں کے قریب ہیں اور میں قریب رہ کر بھی ماں سے دور!!...... کتنی بار میں نے ماں کو جھڑکا ہوگا؟ کتنی بار میں نے ماں کے سامنے آواز بلند کی ہوگی......؟؟ الٰہی تو معاف فرما دے...... میری امی کی عمر میں ہزاروں برکتیں فرما کر انہیں میری ذات سے راحت و سکون پہنچے۔

کر دعا میری الٰہی مستجاب
بخش دینا مجھ کو تو روز حساب
مغفرت ماں باپ کی بھی میرے کر
کر مسلمانوں سے بھی تو درگزر
جیسے بچپن میں میرے ماں باپ نے
رحمت و شفقت سے پالا ہے مجھے
تو بھی ان پر یا الٰہی رحم کر
ان کو رحمت کا صلہ دے سربسر!

☆......☆......☆

ایک زندگی ایک کہانی

ماں کے خدشات



ام حیات ہنگورا

عنبرین نے اپنی بڑی بہن ثمرین باجی کے لئے اپائمنٹ لیا تو مجھے کافی حیرانگی ہوئی، عنبرین میری بہت ہی گہری سہیلی ہونے کے ساتھ ساتھ میرے حضرت والا سے بیعت تھی جبکہ ثمرین باجی کا تعلق کسی شیخ سے تو نہیں تھا، مگر عنبرین کی وجہ سے وہ بھی ایک باشرع اور دیندار خاتون تھیں، میں نے فون پر عنبرین سے مسئلہ معلوم کرنے کی کوشش کی تو عنبرین نے جواباً کہا کہ باجی اپنا مسئلہ تم سے خود بیان کریں گی۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔" ثمرین باجی نے اندر داخل ہوتے ہی سلام کیا۔ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی ہاتھ ملایا۔

"کیسی ہو؟" انہوں نے دریافت کیا۔ "الحمدللہ ٹھیک ہوں، مگر آپ کو یہاں دیکھ کر حیرت ہورہی ہے، میں نے مسکراتے ہوئے بات پوری کی۔

"واہ بھی واہ، گھوڑے نے بھی گھاس سے دوستی کرلی ہے۔" ثمرین باجی پُرمزاح لہجے میں بولیں۔

"کچھ گھاس اتنی اچھی ہوتی ہے کہ انہیں صرف دیکھنے کا دل کرتا ہے، کھانے کا نہیں۔" میں نے برجستہ جواب دیا۔

"تم سے بات کرکے دل خوش ہوجاتا ہے، اس لئے آگئی۔" انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ کی محبت ہے باجی۔" میں نے انکساری سے جواب دیا۔ "مگر یہاں پر تو مریض آتے ہیں۔" میں نے کمرے کا حوالہ دیا۔ "ہم بھی مریض ہوگئے ہیں، بقول عنبرین کے اسی نے بھیجا ہے۔" وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولیں۔ "میرے چھ بچے ہیں ماشاءاللہ تم کو معلوم ہے۔" وہ پوچھنے لگیں۔

"جی مجھے معلوم ہے، طٰہٰ، لبنیٰ، طلحہ، طفیل، اقصیٰ اور بشریٰ۔" میں نے نام گنوادیئے۔ "اور تم کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ طٰہٰ اور لبنیٰ اب شادی کے قابل ہوگئے ہیں۔" انہوں نے بتایا۔ "جی کچھ عنبرین ذکر کررہی تھی کہ لبنیٰ کے دو تین اچھے رشتے آئے ہوئے ہیں۔" میں نے جواباً کہا۔

"اسی طرح طٰہٰ بھی شادی کے قابل ہے، مگر میں ان لوگوں کی شادی کرنے سے بہت ڈرتی ہوں۔" وہ افسردہ سی بولیں۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات، آپ اگر تفصیل سے اپنے دل کی بات بتائیں گی تو بہتر ہوگا۔" میں نے ان کو سمجھایا۔

"میرا مشاہدہ ہے کہ جب ماں اپنے بچوں کی

شادیاں کردیتی ہے، وہ پھر ماں نہیں رہتی، وہ پھر یا تو ساس بن جاتی ہے یا پھر عورت، وہ ماں نہیں رہتی، ایک عرصے تک وہ اپنے بچوں کو جتنی قربانیوں اور مشقت سے پالتی ہے، مگر ان کے بڑے ہونے کے بعد وہ خود غرض ہوجاتی ہے، وہ پھر ان کی مجبوریوں اور ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتی، بس پھر انہیں صرف اپنی پرواہ رہ جاتی ہے، میں کیسے سمجھاؤں، میں نے عنبرین سے سب سے پہلے ذکر کیا کہ مجھے ان کی شادیوں سے ڈر لگتا ہے، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ ان کی شادیاں نہ کروں، میں اور میرے بچے اسی طرح ساری زندگی گزار لیں، بیٹی کی شادی کرتی ہوں تو نہ جانے اس کو کیسا سسرال ملے۔ اسی طرح بہو لاتی ہوں تو وہ نہ جانے کیسی نکلے اور میری ہنستی بستی گر بستی اجڑ نہ جائے اور پھر میں......" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔ "اور پھر کیا، کیا کہنا چاہ رہی تھیں آپ۔" میں نے مکمل بات جاننا چاہی۔

"میں ساس بن کر ساس بن جاؤں گی، ماں نہیں رہوں گی، اس لئے میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی۔" وہ اتنا کہہ کر پھر خاموش ہوگئیں۔

"ثمرین باجی یہ صرف آپ کی ذاتی سوچ ہے، ورنہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔" میں نے ان کو سمجھایا۔ "معمولی سا ہی فرق ہوتا ہے، دیکھو تو صرف انگوٹھا جدا ہوتا ہے جو پانچ میں ایک ہوتا ہے۔" وہ ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولیں۔

"بہت اچھی بات کہی، مگر انگوٹھا تو ہوتا ہے ناں الگ۔" میں ان کی بات سن کر لاجواب ہوگئی تھی۔

"پھر وہ انگلی نہیں رہتا۔" انہوں نے پھر لاجواب کردیا۔ "اچھا آپ کا مشاہدہ کیا کہتا ہے جس کی وجہ سے آپ کی سوچ میں ماں کے متعلق الجھن ہے۔" میں نے بات آگے بڑھائی۔

"میرے مشاہدات سن کر یقیناً تم بھی میری ہمنوا بن جاؤں گی، تو پھر مجھے لوگوں کو سمجھانا آسان ہوجائے گا کہ میں اپنے بچوں کی شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی۔" انہوں نے جواباً کہا۔

"آپ نے یقیناً یہ سب عنبرین کے ساتھ بھی شیئر کیا ہے۔" میں نے کنفرم کیا۔

"ہاں! مگر وہ سب سننے کے بعد کہتی ہے کہ میں غلطی پر ہوں اور جب وہ مجھے نہ سمجھا سکی، پھر اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں تم سے مل لوں۔" انہوں نے کہا۔

"اچھا۔" میں نے اچھا کو کھینچا۔

ایک دین دار باشرع عورت کو کیا سمجھاؤں گی، حالانکہ وہ مجھ سے زیادہ سمجھدار تھیں، میں نے دل میں سوچا۔

"میرے ایک جاننے والے ہیں، ان کی ایک ہی اکلوتی بیٹی تھی، انہوں نے جہاں اپنی بیٹی کو بیاہا، وہ بھی اکلوتا تھا، اس کی ساس نے اپنے بیٹے کی بہت اچھی تربیت کی، پڑھایا، لکھایا، ڈاکٹر بنایا، مگر پتہ ہے انہوں نے اپنی بہو کے ساتھ کیا کیا؟......" اتنا کہہ کر انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور جملہ مکمل کیا۔

"انہوں نے اس کو زندہ جلادیا۔" یہ کہہ کر ثمرین باجی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"اور پتہ ہے کیوں؟ کیونکہ ان کے بیٹے کی توجہ بٹ گئی تھی اور وہ یہ نہ برداشت کرسکیں۔" ثمرین باجی نے بات مکمل کی۔

"یہ ضروری تو نہیں کہ انہوں نے ہی اپنی بہو کو جلایا ہو، کوئی حادثہ بھی تو ہوسکتا ہے، آپ صرف ایک رخ سے کیوں سوچتی ہیں۔" میں نے کہا۔

"حادثہ بہو ہی کے ساتھ کیوں ہوتا ہے، گھر کے کسی اور فرد کے ساتھ کیوں نہیں ہوتا۔" انہوں نے مجھے پھر لاجواب کردیا اور پھر آگے کہنے لگیں۔ "میں لڑکی کے گھر والوں کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"اس کی ساس اور شوہر سے بھی کچھ معلوم ہوا، کیا وہ لوگ جیل میں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"جیل میں ہیں، اس کی ساس کہتی ہے رات کو گیس

کھلی رہ گئی تھی اور صبح بھی سب سے پہلے اس دن اسی نے چولہا جلایا۔ وہ روز کہتی تھیں کہ مین والو بند کرکے سویا کرو، مگر وہ ان کی سنتی کب تھی، ہاں! ان کے بہانے، ان کو جیل میں کون رکھے گا۔ ثبوت نہیں ملا، اس لئے چھوٹ گئے ماں بیٹے۔" وہ دکھی لہجے میں بولیں۔

"میں اب بھی آپ سے یہی کہوں گی کہ آپ صرف ایک طرف کا سن کر فیصلہ کرتی ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، یہ میں نے سنا تھا، مگر جو میرے ذاتی مشاہدات ہیں، ان کے متعلق کیا کہوگی۔" وہ یہ کہہ کر خاموش ہوگئیں۔ "مجھ سے شیئر کرلیں۔" میں گویا ہوئی۔

"تم ہی سے شیئر کرنے تو آئی ہوں، سب سے پہلے جب میں اپنے بچپن کو یاد کرتی ہوں تو اپنی دادی کا خاکہ ذہن میں آتا ہے، میری دادی تہجد گزار عورت تھیں، مگر زبان کی بہت تیز، کھڑے کھڑے لمحوں میں امی کو بے عزت کردیتیں۔ میری امی کبھی بھی رات کو ان کے پاؤں دبائے بغیر سوتی نہیں تھیں۔ میری امی فجر کے ساتھ اٹھتیں تو رات عشاء تک ایک پاؤں پر کھڑی رہتیں۔ شکر ہے اس وقت رات کو دیر تک جاگنے کا زمانہ نہیں تھا، ورنہ تو دادی ان کو ساری رات جگا کر رکھتیں۔" اتنا کہہ کر ثمرین باجی طنزیہ ہنسی۔

"آپ کی دادی کی کوئی اور بہو نہیں تھی، یا صرف آپ کی والدہ کے ساتھ ایسا سلوک رکھتیں تھیں۔" میں نے سوال کیا۔

"نہیں، صرف میری والدہ کے ساتھ ایسا تھا اور امی سب سے چھوٹی تھیں، پانچ بیٹے تھے میری دادی کے، سب الگ رہتے تھے، وہ ہمارے ساتھ رہتیں تھیں۔" انہوں نے کہا۔

"آپ کو کیسے پتہ کہ صرف آپ کی امی کے ساتھ ایسا سلوک رکھتی تھیں اور باقی سب کے ساتھ ٹھیک تھا۔" میں نے سوال کیا۔

"میرا مشاہدہ تھا۔" وہ گڑبڑا گئیں۔

"آپ کی امی نے کبھی آپ سے ایسا کہا۔" میں نے پوچھا۔ "کچھ خاص یاد نہیں۔" وہ بولیں۔

"ثمرین باجی یہ تمام عام سی باتیں ہیں، یہ کس گھر میں نہیں ہوتیں۔ یہ ایسا بڑا مسئلہ تو نہیں ہے۔" میں نے ان کی بات سن کر کہا۔

"میں بھی تو یہی چاہتی ہوں کہ یہ عام سی باتیں میرے گھر میں نہ ہوں، میری ماں بھی کسی کی بیٹی تھی، مگر ان کے ساتھ میری دادی کا سلوک انتہائی تزہیک آمیز ہوتا تھا، مگر میری پھوپھیوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔" وہ اتنا کہہ کر چپ ہوگئیں۔

"آپ کو کم عمری ہی سے یہ سب محسوس ہوتا تھا۔" میں نے پوچھا۔ "ہاں، جب میں 10، 14 سال کی ہوئی تو سب سمجھ میں آنا شروع ہوا، دادی کے انتقال کے بعد امی نے بہت اچھا وقت گزارا، مگر پھر اب جب ان کی بہویں آئیں تو انہوں نے جو میری امی کے ساتھ کیا کہ میری امی مکمل گوشہ نشین ہوگئیں، نہ کہیں آتی ہیں، نہ جاتی ہیں، بس ہم ہی مل کر آجاتے ہیں، ٹوک ٹوک کر بھابھیوں نے ان کو بالکل ختم کردیا ہے، بے چاری ساری زندگی پستی رہیں، پہلے ساس کے ہاتھوں اور پھر بہوؤں کے ہاتھوں۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

"طٰہٰ اپنی شادی کے متعلق کچھ نہیں کہتا؟" میں نے سوال کیا۔ "گھر میں بہنیں چھیڑتی ہیں اس کو کہ تمہاری بیوی آئے گی تو پتہ چلے گا، اس قسم کے مذاق چلتے رہتے ہیں۔" انہوں نے جواباً کہا۔

"آپ یہ سمجھتی ہیں کہ بچوں کی شادیاں نہ کرکے آپ اس طرح بہترین زندگی گزار لیں گی تو یہ آپ کی صرف خوش فہمی ہے، میرا اندازہ ہے کہ چونکہ آپ نے اپنے بچوں کی بہت اچھی تربیت کی ہے، اس لئے وہ ان معاملات میں آپ سے ڈسکس نہیں کرتے، ورنہ آپ صرف اپنے ارادوں کی بھنک ان کے کانوں تک

پہنچادیں، پھر دیکھئے گا، یہی بچے اپنے حقوق کے لئے آپ سے الجھنے لگیں گے اور یہی آپ کی گھر ہستی جہنم کا نمونہ پیش کرنے لگے گی، آپ فطرت کے خلاف بات کرر ہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے نکاح انسان کی فطرت میں رکھا ہے، آج کے زمانے میں نکاح مشکل اور زنا آسان ہوگیا ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مرد شادی کرتے ہوئے ڈرتے ہیں اپنی ماؤں سے، ہاں، مائیں اپنے بیٹوں کی شادیاں کر کے ان سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتیں، ثمرین باجی کبھی بھی وقت ایک سا نہیں رہتا، کبھی کا دن بڑا ہوتا ہے، کبھی کی راتیں۔ ٹھیک اسی طرح آپ کی والدہ نے سخت اور مشکل وقت بھی گزارا اور اچھا بھی اور اب بھی وہ یقیناً بہت سو سے بہتر اچھا وقت گزار رہی ہیں، نئے آنے والے کو جگہ دینی پڑتی ہے، باپ کی جگہ بیٹا کمانے لگے تو ہم بخوشی جگہ دے دیتے ہیں، مگر کچن بہو کو سونپنا پڑ جائے تو یہاں پر جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ کی والدہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ سکون اور عافیت میں ہیں، ورنہ اولڈ ہوم ہمارے معاشرے میں رواج پانا شروع ہو چکا ہے، اسی طرح اب ہم بھی انگریزوں کی طرح سال میں ایک دفعہ ماں کا دن منانے کی کوشش شروع کر چکے ہیں، حالانکہ یہ تو وہ لوگ مناتے ہیں جو سال میں ایک دن ماں سے ملتے ہیں اور الحمدللہ ہمارے یہاں ابھی تک ایسا نہیں ہے۔" میں نے بات مکمل کی۔

"تم میری بات سمجھ ہی نہیں رہیں، بچے کیا کر سکتے ہیں، اگر میں ان کی شادیاں نہ کروں، زیادہ سے زیادہ دو چار دن ہنگامہ رہے گا، پھر سب خود ہی خاموش ہو جائیں گے اور پھر روٹین کی زندگی شروع ہو جائے گی۔" انہوں نے میری بات کو قابل غور ہی نہ سمجھا، وہ اپنی بات پر جمی ہوئی تھیں۔

"اچھا آپ کے مشاہدات میں اور کیا کیا شامل ہے؟" میں نے اب ڈائری کھول کر پوائنٹ نوٹ کرنا شروع کئے۔ میں ثمرین باجی کی باتوں کو معمولی سمجھ کر ہینڈل کرر ہی تھی اور میں سمجھ رہی تھی کہ ایک ہی نشست میں ان کا مسئلہ حل ہو جائے گا، مگر اب مجھے ثمرین باجی ٹیڑھی کھیر نظر آنا شروع ہوگئیں تھیں۔

"میں تم کو اپنی ساس کے متعلق بتاؤں گی تو تم آٹھ آٹھ آنسو رونا شروع کر دو گی۔" انہوں نے جتاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے یہ اپنی والدہ سے بھی شیئر کیا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہر لڑکی اپنی ماں سے شادی کے شروع کے سالوں میں دکھ سکھ کہتی ہوگی، پھر آہستہ آہستہ جب وہ سیٹ ہو جاتی ہے تو پھر وہ کم ہی بات کرتی ہے، میں نے بھی اس طرح کیا اور پھر آہستہ آہستہ "سب اچھا ہے" کا ورد شروع کر دیا، بعض دفعہ تو ہم چھپانا بھی چاہیں تو کچھ چیزیں چھپ نہیں سکتیں۔" وہ اتنا کہہ کر رکیں۔ تو میں نے سوال کیا۔

"آخری بات کا کیا مطلب ہے۔"

"یہ جب آپ میری داستان سنیں گی تو سمجھ میں آجائے گا۔" انہوں نے جواباً کہا۔ پھر آگے کہنے لگیں۔

"ویسے مجھے معلوم ہے کہ یہ سب غیبت ہے اور غیبت کو زنا سے زیادہ اشد قرار دیا گیا ہے، ابھی بھی میرا مقصد خود کی کیفیات کو سمجھانا ہے نہ کہ کسی کی برائی کرنا۔" انہوں نے مجھے تفصیل سے وضاحت کر دی۔

"ثمرین باجی آج تو کافی وقت ہو گیا ہے، جمعرات کو اس مسئلے کو ڈسکس کرتے ہیں۔" میں نے شیڈول دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، میں آجاؤں گی، مجھے نیند میں بھی بہت ڈر لگتا ہے، اکثر میں خواب میں بھی ڈر جاتی ہوں، وہ ساری یادیں میرے ذہن سے چمٹی رہتی ہیں جو وقت میں نے ساس کے ساتھ گزارا اور اس کے علاوہ بھی بہت ساری باتیں ہیں جو ہر وقت کانوں میں گونجتی رہتی ہیں۔" اتنا کہہ کر ان کی آواز بھرا گئی۔

"یہ میں دوائی آپ کو لکھ کر دے رہی ہوں، آپ کو نیند بھی آجائے گی اور اللہ کی ذات سے امید ہے آپ پرسکون رہیں گی۔" میں نے دوائی کا پرچہ ان کی طرف بڑھایا۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" ثمرین باجی نے آتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیسی ہیں آپ۔" میں نے پوچھا۔

"بہترین ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"دوائی سے افاقہ ہوا۔" میں نے پوچھا۔

"تھوڑا بہت، کچھ خاص نہیں، فارغ وقت ہوتا ہے آپ کے پاس؟" میں نے نوٹ بک کھول لی۔

"لبنیٰ نے پچھلے سال بی اے کیا ہے، اس کے بعد سے تو میں فارغ ہی فارغ ہوں، ماشاء اللہ پورا گھر سنبھالتی ہے۔" انہوں نے خوشدلی سے جواب دیا۔

"اور یہ راتوں کو ڈرنا، خوابوں میں یہ کب سے ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آٹھ، نو مہینے تو ہو ہی گئے ہوں گے۔" انہوں نے اندازاً کہا۔

"انہی خوابوں کے بعد ہی تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سب سے بہتر ہے کہ میں بچوں کی شادیاں نہ کروں، ورنہ پہلے میں نے ایسا کبھی سوچا بھی نہ تھا۔" انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

سارا کمال ان کی فراغت کا ہے میں نے دل میں سوچا۔

"باجی آپ Shut the door behind you کیوں نہیں کر دیتیں۔"

"میں سمجھی نہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اگر آپ پلٹ کر پیچھے دیکھتے جائیں گی تو جھانک جھانک کر وہی گندی مندی گڑی پڑی چیزوں کو اکٹھا کرتے رہیں گی، اگر آپ وہ دروازہ ہی بند کر دیں گی آپ کی زندگی روشن اور چمک جائے گی۔" میں نے سمجھایا۔

"مگر یہ تو میرے حواسوں پر سوار ہے، یہاں پر کوئی دروازہ ہی نہیں ہے۔" انہوں نے بات سمجھ لی۔

"ٹھیک ہے سنائیے آپ کے حواسوں پر جو سوار ہے۔"

"یہ وجہ علاج ضرورتاً ایک طبیبہ سے مذاکرہ کیا جارہا ہے تاکہ غیبت کا پہلو نہ بنے۔" میں نے ان کو سمجھایا۔

"جی بالکل میں جانتی ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"مجھے تفصیل سے بتائیے گا تاکہ میں اس کا علاج اور تزکیے کی سعی کروں۔" میں نے پھر سمجھایا۔

"میری ساس ہر ماں کی طرح اپنے بچوں کی بہترین ماں تھیں۔ روکھا سوکھا کھا کر انہوں نے میرے شوہر زاہد کو پڑھایا لکھایا اور باہر بھیج دیا کیونکہ زاہد کی پانچ بہنیں تھیں اور وہ اکلوتے تھے، میں شادی کر کے آئی تو میری تین نندیں بیاہی جا چکی تھیں، میرے میاں کئی سال سے دبئی میں تھے جبکہ میرے سسر نے زاہد کے باہر جاتے ہی ریٹائرمنٹ لے لی تھی، منگنی کے وقت میرے والدین سے کہا گیا تھا یا تو یہ باہر جائے گی یا پھر زاہد واپس آجائے گا، مگر ان دونوں میں سے وہ کسی ایک بات پر بھی قائم نہ رہے، شادی کے دوسرے مہینے جب یہ واپس جانے لگے تو مجھے علم ہوا کہ انہوں نے وہاں سے چھٹیاں لیں تھیں اور ابھی ان کا مجھے ساتھ لے جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا، حالانکہ ان کی دو بہنیں ابھی کنواری تھیں، اس کے باوجود بھی مجھے یہ اپنے والدین کی خدمت کے لئے چھوڑ گئے۔ مہینے میں چار دن کے لئے وہ آتے، ان دنوں میری ساس ان سے میری اتنی شکایتیں لگاتیں کہ وہ مجھ سے خفا ہو کر باہر ہی سوتے۔" اتنا کہہ کر انہوں نے آنکھوں سے آنسو صاف کئے۔

"آپ کے سسر، آپ کی نندیں کوئی بھی آپ کی فیور نہیں کرتا تھا۔" مجھے واقعی ان کی داستان سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔

"دراصل شادی کے شروع کے دنوں میں زاہد نے میرا اتنا خیال کیا کہ وہ لوگ سمجھے کہ ان کا بیٹا بیوی کا غلام ہوگیا، حالانکہ ایسا نہیں تھا، زاہد ہر ممکنہ کوشش کرتے اور سب کا خیال کرتے، مگر ظاہر ہے میرے آنے سے کچھ تو فرق پڑے گا، پہلے وہ ہر کام کے لئے بہنوں کو آواز دیتے، اب بیوی کو دینے لگے، کیونکہ بیوی کے ہوتے بہنوں سے کام لینا بھی صحیح تو نہ تھا۔" وہ یہ کہتے کہتے خیالوں میں گم ہوگئیں۔

☆......☆......☆

"زاہد گھر میں جوان بہنیں اور تم ثمرین کے اس طرح چونچلیں کرتے ہو کہ ہمیں شرم آتی ہے۔" صائمہ زاہد پر بگڑ بیٹھیں۔

"امی جان آئندہ دھیان کروں گا۔" زاہد ثمرین کے سامنے شرمندہ ہوگیا۔

☆......☆......☆

"سوگئی ہو ثمرین۔" زاہد نے کمرے میں آتے ہی ثمرین سے پوچھا۔ "جی وہ بہت تھک گئی تھی۔" ثمرین اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"آج تمہاری ماں نے میری ماں سے کیا کہا تھا کہ زاہد اس کو ساتھ لے جائے۔" زاہد نے غصے سے پوچھا۔

"مگر امی نے۔" ثمرین اگر میرے معاملے میں تمہاری ماں بولی تو بہت برا ہوگا، زاہد غصے سے کمرے سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

"مائرہ سے تم نے کیا کہا تھا۔" ثمرین کچن میں کھانا پکا رہی تھی جب اس کی ساس کچن میں آگئی۔

"مائرہ سے" "میں نے کچھ بھی تو نہیں کہا۔

"تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" صائمہ غصے میں چلائیں تو زاہد بھی کچن میں آگیا۔

"مگر امی میں نے ایسا کچھ بھی مائرہ سے نہیں کہا۔" ثمرین نے رو رو کر یقین دلانا چاہا۔

"میری امی کو آگے سے جواب دیتی ہو۔" زاہد غصے میں چنگھاڑا اور پھر اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے جھگڑے ہوتے اور اکثر وقت ثمرین کا زاہد کو منانے میں لگ جاتا، جتنے دن وہ اسلام آباد میں رہتا۔

☆......☆......☆

"تمہارا بیٹا کوئی آسمان سے اترا ہے کہ ابھی دو دن پہلے تم گئے تھے اور فوراً چلے آئے۔" صائمہ کو طٰہٰ کی پیدائش پر زاہد کا چلے آنا بہت ناگوار گزرا۔ "ابھی پرسوں ہی تو گئے تھے، آنا جانا اتنا سستا نہیں ہے۔"

"امی جان کماتا کس لئے ہوں، آپ کو تو معلوم ہے مجھے بھائی کا کتنا ارمان تھا، اب اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا ہے تو مجھ سے رہا نہ گیا۔" زاہد کا خوشی سے برا حال تھا اور وہ پورا ہفتہ بھر رہ کر دھوم دھام سے عقیقہ منا کر گیا۔

☆......☆......☆

زاہد کے جاتے ہی میری ساس نے مجھے میکے بھجوادیا اور زاہد سے کہا کہ بیٹے کے پیدا ہونے پر میں بہت فخر میں آگئی ہوں، اس لئے لڑ کر چلی گئی، پہلے ہی ماں بیٹیاں دعا کرتی تھیں کہ زاہد کے گھر بیٹا ہو، مگر بیٹا ہونے پر تو وہ اذیتیں سہی کہ بس، بڑی مشکلوں سے میرے والدین نے مجھے واپس بھیجا، کتنی ہی منتیں کیں۔ کتنی معافیاں مانگی، کتنی ذلتیں اٹھائیں میرے والدین نے، اب تم بتاؤ ہم اپنے والدین سے کیا چھپاتے کہ ہم خوش ہیں، اس کے باوجود یہ حال ہے، میں نے کہا تھا ناں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ماں باپ کو یا تو سب پتہ چل جاتا ہے یا حالات ایسے ہوجاتے ہیں کہ بتانا پڑتا ہے۔" ثمرین باجی اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔

صحیح کہہ رہیں تھیں ثمرین باجی کہ بچیاں والدین سے کیا چھپائیں، ساتھ ہی میں ثمرین باجی کے تاثرات بھی نوٹ کر رہی تھی، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کو تسلی دوں یا ان کو شاباشی دوں یا ان کو کہوں کہ یہ کمال نہیں یہ تو ہمارے معاشرے میں عورتوں کو برداشت کرنے کی عادت ہے، میں ابھی انہی خیالوں میں مستغرق تھی کہ

ثمرین باجی کہنے لگیں۔

"طٰہٰ کی پیدائش کے بعد زاہد میں تبدیلی آنا شروع ہوئی، وہ میرا خیال کرنے لگے اور خرچے کے لئے الگ سے پیسے دینے لگے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ میرے بچے کے اور میرے کپڑوں کا کیا حال ہوتا ہے اور انہی دنوں......" وہ پھر سوچ میں گم ہوگئیں۔

☆......☆......☆

"بھابی بھائی کہہ رہے تھے کہ تمہاری بھابھی کو کہو دانت صاف کیا کرے۔" کرن کے منہ سے یہ بات سن کر ثمرین کی طبیعت اچاٹ ہوگئی۔

"آپ کو کچھ کہنا تھا مجھ سے کہہ لیتے کرن سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔" ثمرین نے رات کو زاہد سے شکایت کی۔

"میں نے کیا کہنا ہے کسی کو، میں تو ویسے ہی تم کو دو دن سے دیکھ دیکھ کر کڑھ رہا ہوں، تم ماں بچے کے پاس دو جوڑے ڈھنگ کے نہیں ہیں۔" وہ الٹا اسی پر برس پڑے۔

"مجھے کون سا کہیں جانا ہوتا ہے اور طٰہٰ بھی گھر میں ہی ہوتا ہے۔" ثمرین بولی۔

"مگر میں امی کو تمہارے لئے الگ سے پیسے بھیجتا ہوں۔" زاہد بولا۔

"ہوسکتا ہے وہ مائرہ کی شادی کے لئے جمع کر رہی ہوں۔" ثمرین نے وضاحت دی۔

"مگر میں مائرہ کے الگ، تمہارے الگ اور گھر کے خرچ کے لئے الگ پیسے بھیجتا ہوں۔" اور پھر خود ہی کہتے کہتے رک گئے اور پوچھنے لگے۔

"تم سے کیا کہا کرن نے۔"

"وہ کہہ رہی تھی کہ آپ اس سے کہہ رہے تھے کہ میں دانت بھی صاف نہیں کرتی اور میرے منہ سے بو آتی ہے۔" ثمرین نے کہتے ہوئے آنکھیں جھکالیں، یہ سننا تھا کہ زاہد کمرے سے باہر نکل گیا اور باہر جا کر اس نے کرن کی خوب ڈانٹا، ثمرین ڈرتے ڈرتے کمرے سے باہر آئی تو صائمہ ثمرین کو کوس رہی تھی۔

"اس نے میرا بیٹا چھینا ہے، اللہ اس کا بیٹا چھینے، ہائے میرے لعل نے کبھی ایسے اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ نہ جانے کیا گھول کر پلادیا ہے، بچی جھوٹی سن کر ہم سے لڑنے آگیا، ہائے ہائے آتے ہی سسر کو کھا گئی، جو مجھ پر بیتی ہے، اس پر بیتے تو پتہ چلے۔" اور پھر زاہد کے جانے کے چار دن بعد طٰہٰ بہت شدید بیمار ہوگیا کہ اسے ایڈمٹ کرنا پڑا اور پھر......

"آپ نے ہمارا بھائی چھینا تھا، دیکھ لیا کیا ہوا آپ کے ساتھ۔" پانچوں بہنیں اسپتال میں طٰہٰ کو دیکھنے آئیں تو طنز سے باز نہ رہ سکیں۔ یہ کہہ کر ثمرین باجی رونے لگیں۔

"تو کیا اب بھی آپ کو ان کی فضول باتوں سے ڈر لگتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"تو کیا نہ ڈروں۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اور یہی خوف آپ کو بچوں کی شادیاں کرنے سے روک رہا ہے۔" میں نے پھر پوچھا۔

"میں نے تم کو بتایا ناں کہ میں راتوں کو بھی اٹھ کر ڈر کر بیٹھ جاتی ہوں، مجھے کبھی ایسا لگتا ہے زاہد واپس چلے گئے ہیں، میں اکیلی رہ گئی ہوں، میرے بچے جدا ہوگئے ہیں، اتنے خوفناک خواب دیکھتی ہوں کہ اکثر راتیں کروٹیں بدلتے بدلتے گزر جاتی ہیں۔"

"زاہد بھائی کو آپ کی اس کیفیت کا علم نہیں ہے۔" میں ان کی بات کاٹی۔

"بس تھوڑا بہت علم ہے، زیادہ کہہ کر میں ان کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ ویسے بھی ہمارے پریشان ہونے کے لئے اور بھی کافی مسئلے ہیں، وہ تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔

"میں آپ کو اب بھی وہی کہوں گی جو پچھلے بار میں نے آپ سے کہا تھا کہ shut the door behind you، آپ زندگی کو لے کر آگے چلیں۔

ایک مرتبہ اس پر عمل کرکے دیکھیں، اگر آپ اسی طرح ماضی کو اٹھائے پھریں گی تو جسمانی عارضے بھی آئیں گے، روحانی عارضے بھی آئیں گے اور نفسیاتی بھی۔“ میں بولی۔

”یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ مرا“

ثمرین باجی نے برجستہ شعر پڑھا۔

”جب آپ ماضی سے نکلنے کی کوشش کریں گی پھر میں آپ کو سمجھاؤں گی کہ اصل مسئلہ کیا ہے اور ماں کیا ہے، آپ نے دوائی کا استعمال کرنا ہے اور روزانہ دن میں ایک دفعہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی تسبیح پڑھنی ہے اور جب بھی یہ فضول سوچیں دماغ میں کلبلائیں تو یہی ورد شروع کردینا ہے۔“ میں نے سمجھایا۔

”ٹھیک ہے وہ تھکے تھکے لہجے میں بولیں، پھر مجھ سے پوچھنے لگیں۔

”تم نے خواتین کے اسلام میں ایک کہانی قسط وار ”بی بی سٹر“ پڑھی تھی۔“

”کیوں خیریت کیا یاد آگیا آپ کو“ میں نے دریافت کیا۔

”تمہیں وہ کہانی یاد ہے یہ بتاؤ۔“ انہوں نے اصرار کیا۔

”بہت اچھی طرح، بہت ہی اچھی کہانی لکھی تھی۔“ میں نے اعتراف کیا۔

”میرا ایسا حال ہوگیا تو۔“ انہوں نے جھٹ اپنی الجھن بتائی تو میں گڑبڑا گئی۔

”وہ کہانی تھی باجی۔“ میں نے جتایا۔

”تو کیا کہانیاں جھوٹی ہوتی ہیں۔“ انہوں نے پوچھا۔

”نہیں، مگر ان میں مبالغہ آرائی ہوتی ہے۔“ میں نے ان کو سمجھایا۔

”نہیں، وہ سچی کہانی تھی، میرا اندازہ ہے اور اب یہ تو عام سی بات ہے کہ ساس کو بے بی سٹر بنایا جائے۔“

”کوئی عام سی بات نہیں ہے باجی بس غلط نام سے پکار رہی ہیں آپ، پہلے کی دادیاں صرف دادیاں نانیاں نہیں ہوتی تھیں وہ اپنے پوتے، نواسوں کی مالشیں کرتی تھیں، ان کو اپنے ہاتھوں سے کھلاتی پلاتی، اپنے ساتھ سلاتی، بڑے ہونے پر ان کو قرآن کی تعلیم دینے والی غرض کہ گھر کے بڑے اپنے نسلوں کی پرورش کرتے تھے اور ان کی بہو بیٹیاں گھر گھرہستی سنبھالتی تھیں تو وہ بھی سب اپنے بچوں کی خدمت گار یں تھیں، باجی معاشرے میں اتنی تبدیلی آچکی ہے کہ پہلے ساسیں بہوؤں کے آنے پر اپنے گھر کی چابیاں ان کے حوالے کرکے خود گھر کے انتظام کو صرف دیکھتی تھیں، اب ساس بہوؤں کے ساتھ ساتھ مقابلہ کرتی ہیں۔“ میں نے ان کو سمجھایا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

☆......☆......☆

ثمرین باجی پھر ایک ہفتے بعد آئیں۔ ”کیسی ہے اب آپ کی طبیعت۔“ میں نے آتے ہی ان سے خیریت دریافت کی۔

”بہت بہتر، بہت اچھا ورد ہے، سوچیں جب آتی ہیں اور میں یہ پڑھتی ہوں تو تمام منفی خیالات ذہن سے محو ہوجاتے ہیں۔ دوائی نے بھی اثر دکھایا ہے۔“ وہ خوشگوار لہجے میں بولیں۔ ”اب تم مجھے سمجھاؤ ماں کیا ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔ ”ماں کے تین حرفی لفظ میں م سے محبت، ا سے ایثار اور ن سے ناز شامل ہے اور ان چیزوں کے ساتھ ماں اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے، ماں مثل ایک سائبان ہے جو خود سختیاں جھیل کر اپنی اولاد کو تمام مشکلوں اور پریشانیوں سے بچانے کی کوشش کرتی ہے، ماں ہمیشہ بے مثال ہوتی ہے، بچے تو جانور بھی پیدا کرتے ہیں، درند اور پرند بھی بچوں کی افزائش میں انسانوں سے زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہوتے ہیں مگر تربیت میں اصلاح کا فقدان انہیں بہائم میں شامل کردیتا ہے، ماں ایک مقدس رشتہ ہے، صرف اس وقت تک

جب تک وہ اپنا تزکیہ کرتی رہتی ہے، صرف ماں ہی نہیں ہر رشتہ تب تک رشتہ ہے جب تک وہ اپنے تزکیئے سے خود کی اصلاح کرے اور لوگوں کو آسانیاں فراہم کرے، ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کا تزکیہ ہی تو کیا تھا کہ وہ صحابہ کی جماعت کہلائی، وہ اپنا سب کچھ قربان کرکے بھائی چارے اور ایثار کا نمونہ بنے، اصل چیز تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا تزکیہ کرے، ہمارا دین تو ہم کو گمان کرنے سے منع کرتا ہے اور حدیث مبارکہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، مگر ہم نے زبان سے لوگوں کو کس طرح ایذا پہنچانے کا کام شروع کر رکھا ہے، دین اسلام اسے مسلمان ہی نہیں سمجھتا جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچے تو پھر یہ ماں، بہن، بھائی، بیٹے، بیٹی یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں، ایک ماں کا مقدس رشتہ اس وقت قابل احترام اور باعث افتخار، عزت و وقار ہوگا جب وہ مسلمان ہونے کی شرائط پر پورا اترے گی، ماں کو ماں کا درجہ دین اسلام ہی نے دیا ہے، آپ خود کو ماں ثابت کریں تا کہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک مثال قائم ہو۔“ میں نے ان کو تفصیل سے جواب دیا۔

”مگر میں ایک اچھی ماں کیسے بن سکتی ہوں۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئیں۔ ”کہیئے ناں باجی رک کیوں گئیں۔“ میں نے ان کو دیکھا تو وہ بہت افسردہ دکھائی دیں۔

”مجھے تو ساری زندگی یہ احساس دلایا گیا ہے کہ نہ میں کبھی اچھی بہو، اچھی بھابی، اچھی بیوی اور نہ ہی اچھی ماں بن سکی، پھر میں اچھی ساس کیسے بن سکتی ہوں۔“ انہوں نے کہا۔

”پچھلی دفعہ ہم نے جہاں سے بات چھوڑی تھی، ہم پہلے وہیں سے بات نہ شروع کریں۔“ میں نے ان سے کہا۔ میں چاہتی تھی کہ وہ سرا تلاش کروں جہاں سے ڈور الجھنا شروع ہوئی تھی۔

”شادی کے دس سال بعد زاہد کو مجھ میں اتنا شروع ہوگیا تھا کہ ان کی ماں بہنوں کو صرف پیسے سے غرض ہے کیونکہ مائرہ اور کرن دونوں بیاہی جاچکی تھیں اور طٰہٰ کے بعد لبنیٰ اور طلحہ بھی پیدا ہوچکے تھے، میں ان سے اب اصرار کرنے لگی تھی کہ مجھے باہر لے جائیں یا خود واپس آجائیں جبکہ یہاں پر میری ساس اکیلی رہ جاتیں اور وہ ہمارے ساتھ باہر چل کر رہنے کو تیار نہیں تھیں، اس کی بھی کئی وجوہات تھیں، ہم باہر چلے جاتے تو میری نندوں کو جو مالی سپورٹ میری ساس کرتی تھی، وہ بند ہوجاتی اور زاہد مجھے بچوں کے ساتھ اکیلا بلوانے کو تیار نہیں تھے، پھر میں نے ان سے کہا کہ میں چٹنی روٹی کھالوں گی، مگر اب آپ کے بغیر نہیں رہوں گی تو آہستہ آہستہ زاہد نے اسلام آباد سٹیل ہونے کی کوشش شروع کردیں ان دس سالوں میں، میں جو اکیلی برداشت کرچکی تھی، میں سمجھتی تھی کہ زاہد کے آتے ہی وہ تمام پریشانیاں درر ہوجائیں گی، مگر افسوس، میری ساس نے میرے بچوں کے سامنے مجھے ذلیل کرنا شروع کردیا۔“

”یہ پکایا ہے تم نے اسے تم ہی کھالو۔“ انہوں نے دسترخوان پر پلیٹ کو دھکا دیا تو زاہد بھی ناراض ہونے لگے۔

”امی جان رزق کی بے ادبی تو نہ کریں۔“ ”ہاں تم کو تو ہر بات میں، میں غلط لگتی ہوں، اتنے سارے سالوں کی پرورش اس لڑکی کی وجہ سے تم بھول چکے ہو، تم کو پڑھانے لکھانے کے لئے میں نے کیا جتن نہیں کئے اور اب یہ عیش کررہی ہے، اب تم لوگ چاہتے ہو کہ میں گھر میں بولوں بھی ناں۔“ صائمہ دسترخوان سے کھڑی ہوگئیں، وہ گھر میں مجھ سے یا ان سے ناراض ہوجاتیں اور پھر کسی بیٹی کے گھر چلی جاتیں اور پھر ہم بڑی منتوں سے معافیاں مانگ مانگ کر ہم ان کو واپس لاتے، سارے خاندان میں چہ میگوئیاں ہورہی تھی، انہی دنوں میں نے شرعی پردہ اور زاہد نے شرعی داڑھی رکھ لی اور وہ جو نوکری کررہے تھے، وہ انہوں نے چھوڑ دی، کیونکہ اس

...میں کچھ غیر شرعی پہلو بھی تھے، جیسے سود کا کچھ حساب کتاب وغیرہ بلکہ یکے بعد دیگرے اگلے دو تین سالوں میں انہوں نے دو تین نوکریاں بدل لیں، دو اور بچے ہو چکے تھے اور مالی حالات کافی مایوس کن تھے جبکہ میری نندیں اچھی سیٹ ہو چکی تھیں، پھر زاہد نے سوچا کیوں نہ کاروبار شروع کیا جائے تاکہ رزق حلال کے سلسلے میں پریشانی نہ ہو، ہم نے گھر بیچ دیا مگر اس کے باوجود ہمیں مزید کچھ پیسوں کی ضرورت تھی، ان دنوں میری ساس کا بھی انتقال ہو گیا، سب سے بڑی بہن ان کی ثوبیہ تھی اور انہوں نے چاہا کہ وہ ثوبیہ سے قرض لے لیں مگر پھر...... ”بھائی میں مانتی ہوں آپ پریشان ہیں مگر اس میں سراسر آپ کا قصور ہے۔“ ثوبیہ نے زاہد سے کہا۔ ”میں سمجھا نہیں آپی۔“ زاہد نے حیرانگی سے کہا۔

”ہم کو اور اماں کو جو آپ سے امید تھیں آپ اس پر پورا نہیں اترے، آپ نے اپنے فرائض پورے نہیں کئے۔“

زاہد ہونق بنا ثوبیہ آپا کی شکل دیکھ رہا تھا کہ ان لوگوں کے لئے میں نے اور میری بیوی نے جو قربانیاں دی وہ کسی کھاتے ہی میں نہ تھیں۔ ”صرف داڑھی اور برقعے سے کچھ نہیں ہوتا، دل صاف ہونا چاہئے، دیکھئے ہمارے دل صاف ہیں ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ہیں، ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔“ بڑی بہن ثوبیہ کے منہ سے اپنے متعلق ایسی باتیں سن کر زاہد ایک عرصے تک ڈیپریس رہے۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ ”اور اب بھی جب ہم میاں بیوی ان کی باتوں کو یاد کرتے ہیں تو گھنٹوں ڈیپریس رہتے ہیں، اتنے سال گزرنے کے باوجود بھی۔“ وہ مزید گویا ہوئیں۔ تو میں جواباً بولی۔

”پہلے تو میں آپ کو اس بات کی وضاحت کرتی ہوں کہ جو لوگ شریعت پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اگر وہ اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے تو پھر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، جب ہم دین پر چلنے کی سعی کرتے ہیں تو اس قسم کے طعن و تشنیع لوگوں کی طرف سے بلکہ اپنے قریبی رشتوں کی طرف سے زیادہ ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شیطانی وساوس کی بھی بھرمار رہتی ہے، بس ہمیں اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرتے رہنا چاہئے، رہی بات داڑھی، ٹوپی اور برقعے سے کچھ نہیں ہوتا تو یہ راہ راست سے ہٹانے کا پہلا حربہ ہے، آپ کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ آپ شریعت والی زندگی چھوڑ کر سب کو خوش کرنے میں لگ جائیں اور ان کی خوشی مقصود بن جائے جبکہ ہمیں اپنے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے کو مقدم رکھنا ہوگا، لوگوں کے غیر شرعی تقاضے رسم و رواج کی خاطر ہم اپنے ہاتھوں سے شرعی احکامات کو پامال نہیں کریں گے، ہم کو صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا ہم پورے اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ان سب غیر شرعی عوامل سے اجتناب کرتے ہیں یا پھر لوگوں کو خوش کرنے کی فکر اور ان کے لعن طعن کی فکر میں پڑ جاتے ہیں، حضرت والا کے خلیفہ مجاز حضرت خالد اقبال تائب صاحب دامت برکاتہم کے یہ اشعار اس بات کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں:

اس راہ میں کیا ہوگا یہ ہم سوچ چکے تھے
کب کون جدا ہوگا یہ ہم سوچ چکے تھے
خاطر میں نہیں لانا کسی کو تیری خاطر
کیا اس کا صلہ ہوگا یہ ہم سوچ چکے تھے

مفتی رشید احمد بھی کیا خوب کہتے ہیں:

سارا جہاں خلاف ہو پروانہ چاہئے
مد نظر تو مرضی جاناں نہ چاہئے
پھر اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے

دوسری بات یہ کہ جن لوگوں کے پاس مال اور اسباب کی فراوانی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہے، سورۃ کہف میں یہی مضمون قرآن کریم نے پیش کیا ہے، جس میں ایک شخص دعویٰ

کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوب مال و اسباب اور اولاد دی ہے وہ مجھے آخرت میں بھی دے گا اور اس کا جواب آگے اللہ تعالیٰ خود بیان فرماتے ہیں کہ دنیا کے مال اور اولاد دنیا کی زینت ہیں، باقی رہ جانے والی چیز صرف اعمال صالحہ ہیں، یعنی دنیا کے مال اور اسباب، آرائش و زینت اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ آخرت میں بھی کامیاب ہوگا، بشرطیکہ تقویٰ اختیار نہ کرے اور تقویٰ نام ہے گناہوں سے بچنے کا۔“ میں خاموش ہوئی اور ثمرین باجی کے چہرے کو بغور دیکھا تو اس پر طمانیت کے آثار تھے۔

”اب بند کر رہی ہیں ناں دروازہ۔“ میں نے دریافت کیا۔ ”کوشش کروں گی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

☆......☆......☆

پھر 15 دن بعد ثمرین باجی میرے پاس تشریف لائیں۔ ”کیسی ہیں آپ۔“ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

”الحمدللہ، لبنیٰ کی بات طے کر دی ہے۔“ انہوں نے جواباً کہا۔ ”بہت بہت مبارک ہو آپ کو، طٰہٰ کی کب کر رہی ہیں۔“ میں نے پوچھا۔ ”اس کے لئے ابھی بھی ڈر لگتا ہے۔“ وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

”یہ بھی ایک حقیقت ہے ثمرین باجی کہ بیٹے کی ماں جب بیٹے کی شادی کرتی ہے تو وہ بہت سارے خدشوں میں گھری ہوئی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بعض دفعہ اس سے زیادتیاں ہو جاتی ہیں اور کچھ مائیں اتنی سمجھدار ہوتی ہیں کہ وہ معاملات کو بخوبی ہینڈل کر لیتی ہیں، مسلمان وہ ہے جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہ دوسرے کے لئے بھی کرے مگر یہاں پر ماں جو چیز اپنی بیٹی کے لئے پسند کرتی ہے وہ بہو کے لئے نہیں کرتی، کچھ گھر ایسے بھی ہیں جہاں بہو کے لئے قوانین نرم اور بیٹی کے لئے سخت ہو جاتے ہیں یہ ہمارے معاشرے کا بگاڑ یہی عدم توازن ہے، اگر ایک ماں اپنی بیٹی کے لئے چاہتی ہے کہ وہ سسرال والوں سے علیحدہ رہے، مگر وہ اپنی بہو کے لئے ہرگز نہیں چاہے گی، اگر بیٹی کے سسرال والے ان کی بیٹی سے زیادہ خدمت لیں تو ظلم ہو جاتا ہے اور وہ بہو سے کروائیں تو وہ بہو بیٹے کا فرض ہو جاتا ہے، اس طرح تحفے تحائف کا معاملہ آتا ہے تو بیٹی کو بہو سے زیادہ ہی نہیں، اکثر سارا دے دیا جاتا ہے اور وراثت کے معاملات آتے ہیں تو انہی بیٹیوں سے حق چھین لیا جاتا ہے، کیوں؟ وجہ جانتی ہیں؟ وجہ دین سے دوری اور تزکیہ نفس کی نفی ہے، میں نے بات مکمل کی۔ ”دین کو ہم نے دنیا کے معاملات سے علیحدہ کر دیا ہے، اسی لئے یہ ساری پریشانیاں ہیں۔“ انہوں نے مجھ سے سنجیدہ لہجے میں کہا اور پھر آگے کہنے لگیں: ”اور اسی لئے میں بھی ڈر رہی تھی۔“

”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے، اس بات کا خیال ہمیں رکھنا ہے، بڑے چھوٹے کا فرق کئے بغیر، ہم ساس، نندوں میں اس بات کی بہت بے احتیاطی پائی جاتی ہے، اسی طرح بیٹی کے والدین کے ساتھ بھی بہت حقارت کا سلوک کیا جاتا ہے، یہ ہمارے دنیاوی معاملات ہیں، جن میں دین کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا اور یہ چیلنج ہم لوگوں کو لے کر آنا ہے، میں نے سمجھایا۔

”ضرور ضرور ان شاء اللہ۔“ ثمرین باجی بولیں۔

”خوابوں کا سلسلہ جاری ہے۔“ میں نے دریافت کیا۔

”آج کل اتنی مصروف ہوں کہ رات کو تھک کر سو جاتی ہوں تو فجر پر ہی اٹھ پاتی ہوں، دوائی وغیرہ سب ایک طرف ہو گئی ہے۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔ ”یعنی سارا کمال فراغت کا تھا۔“ میں نے آخر کہہ ہی دیا۔ ”ہو سکتا ہے مگر تم سے شیئر کر کے میرے خدشات ختم ہو گئے ہیں اور مجھے ماں کی بھی سمجھ آ گئی۔

☆......☆......☆

”ماں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کے لئے ایک عظیم نعمت ہے اور یہی میرا پیغام بھی۔“ آپ کی باجی فردوس

☆......☆......☆

والدین کے حقوق

ڈاکٹر محمود انصاری

والدین کا چونکہ اولاد سے سب سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اس لئے ان کے حقوق میں ان کا درجۂ احترام و محبت، اطاعت وخدمت، حسن سلوک، دعائے مغفرت اور ان کے اقرباء سے سلوک سب سے زیادہ رکھا جاتا ہے۔والدین کے حقوق کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱)...... اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان کا سب سے زیادہ تعلق اپنے والدین سے ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”والدین بچوں کے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی“ یعنی اگر ان سے اچھا سلوک کیا جائے تو جنت ملے گی ورنہ دوزخ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا: ”میرے حسن سلوک کی سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تیری ماں“ اس شخص نے تین مرتبہ پوچھا۔ جواب یہی ملا۔ پھر چوتھی بار پوچھا تو فرمایا: ”تیرا باپ، پھر تیرے قریبی عزیز۔“

(۲)...... والدین نے بچہ کو اس قدر محبت اور مشقت سے جنا ہوتا ہے کہ اگر بچہ ساری عمر بھی ان کی خدمت کرے تو بدلہ نہیں اتار سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کے ساتھ بچوں کا حسن سلوک سے پیش آنا فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”کوئی بیٹا اپنے باپ کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا بجز اس کے کہ باپ کو کسی کا غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔“

(۳)...... بنیادی بات یہ ہے کہ والدین کی اطاعت وخدمت کرنا بچوں پر فرض ہے بشرطیکہ وہ بچوں کو شرک یا غیر دینی کاموں کا حکم نہ دیتے ہوں۔ کیونکہ سب سے بڑا حق اللہ کا ہے اس لئے غیر دینی بات نہیں مانی جائے گی۔ باقی امور میں ان کی پوری خدمت کرنا فرض عین ہوگا۔

(۴)......حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی منشاء بتائی کہ وہ بیٹے کی قربانی چاہتا ہے تو بیٹا قربان ہونے کے لئے فوراً تیار ہوگیا، یہ اطاعت کی حد ہے۔

(۵)...... والدین نے بچوں کی بڑی مشکل سے پرورش کی ہوتی ہے، چنانچہ بچوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھی جوان ہونے پر اپنے بوڑھے والدین کی اسی طرح خدمت کریں جس طرح ان کے بچپن میں خدمت ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے ”انہیں مت جھڑکو بلکہ

اف تک نہ کہو۔“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو بچہ والدین کی طرف محبت کی نظر سے دیکھے اللہ تعالیٰ ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ لیتا ہے۔“

(۶)...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اولاد والدین کی پاک کمائی ہے اس لئے والدین بچوں کی کمائی جیسا چاہیں خرچ کریں۔“

(۷)...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ماں کی خدمت کرو اس کے قدموں کے نیچے جنت ہے“ ماں باپ اگر غیر مسلم اور مشرک بھی ہوں تب بھی ان کی خدمت واجب ہے۔ صرف غیر دینی باتوں پر عمل کرنا جائز نہیں۔

(۸)...... جہاد تمام عبادات سے افضل ہے مگر والدین کی خدمت کو جہاد پر بھی ترجیح حاصل ہے۔

(۹)...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”والدین کی وفات کے بعد ان سے نیکی یہ ہے کہ

☆......ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔
☆......ان کے عہد وپیمان کو پورا کریں۔
☆......ان کے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کریں۔
☆......ان کے دوستوں کی عزت کریں۔

(۱۰)...... تمام عزیز واقارب والدین کی نسبت سے ہی رشتہ دار ہوتے ہیں، اس لئے اقربا سے نیک سلوک گویا والدین سے نیک سلوک ہے۔ بالخصوص والدین کی وفات کے بعد اقرباء سے نیک سلوک اور بھی زیادہ ثواب وصلہ کا باعث ہے۔

(۱۱)...... اولاد پر فرض ہے کہ وہ اپنے مرحوم والدین کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہے، قرآن حکیم میں ان دعاؤں کا ذکر ہے جو انبیاء علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے کیں۔

والدین کا اپنے بچوں سے وہ قریبی رشتہ ہے کہ جس سے زیادہ قریبی رشتہ بندوں میں ممکن نہیں اور جو جذبۂ محبت والدین اپنے بچوں کے لئے رکھتے ہیں، اس کی برابری دنیا کا کوئی دوسرا رشتہ نہیں کرسکتا، اسی بناء پر بچوں کے لئے سب سے زیادہ قابل احترام وادب ان کے والدین ہیں۔

☆......☆......☆

والدین کے حقوق

☆......والدین کے حقوق کی ادائیگی کی کوشش کریں۔
☆......اگر گھر قریب ہو تو جمعہ میں کم از کم ایک دفعہ ان کی زیارت کریں۔
☆......خرچے میں ان کی معاشی حالت کو ملحوظ رکھیں۔
☆......اپنا مطالبہ پورا کرنے کے لئے ان سے جھوٹ نہ بولیں۔
☆......ان کو ہرگز تکلیف نہ پہنچائے۔
☆......ان کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کریں۔
☆......گھر میں ہو تو کام میں ہاتھ بٹائیں اور خدمت میں کوئی کمی نہ کریں۔
☆......والدین کے متعلقین، دوست احباب کے ساتھ احترام سے پیش آئیں۔
☆......اگر وہ فوت ہوجائیں تو ہمیشہ انہیں دعاؤں میں یاد رکھیں۔ تلاوت، ذکرواذکار اور دیگر نیک اعمال کرنے کے بعد ان کو ثواب بھی پہنچائے۔

(انتخاب:......ضیاالحق مدنی)

اک ماں کی ''فکر و دعا''

اہلیہ شعیب

شمائم اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈالے محوگفتگو تھی کہ اچانک زوہیب اختر صاحب کچن میں آئے، جہاں ان کی زوجہ شمسہ اوران کے بیٹے شمشیر اختر بھی موجود تھے۔

امی پلیز آپ مجھے انٹر کرنے کی اجازت دے دیجئے، جدید دور ہے، آج میٹرک کی اہمیت کیا ہے، ہم تمام مذہبی امور واصول کو مدنظر رکھتے ہوئے یقیناً ترقی کرسکتے ہیں، میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔

بیٹا، مجھے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ تم آگے پڑھو، لیکن میری رائے یہ ہے کہ دین کو مقدم رکھا جائے، لٰہذا تم پہلے دین کے بنیادی مسائل کو پڑھو، جوزندگی کے ہر موڑ پر تمہیں فائدہ دیں گے، نیز مجھے خدشہ ہے کہ تم کالج کے ماحول میں نہ ڈھل جاؤ، کیوں کہ ماحول انسان پر ایسے ہی اثر انداز ہوتا ہے، جیسا انسان کے جسم میں خون، جو جسم کے ہر حصے تک پہنچتا ہے، اسی طرح ماحول بھی انسان کے جسم میں سرایت کرجاتا ہے، جب تمہارے پاس دینی تعلیم کا خزانہ ہوگا تو تم اس علم کے نور سے ہر جگہ، ہر موڑ پر اپنی ذات کی حفاظت کرسکو گی اور ہر اچھائی، برائی کو جان سکو گی۔

لیکن امی!......تو ہماری بیٹی کی بات یقیناً قابل توجہ ہے، ہمیں اپنی بیٹی پر بہت اعتماد ہے کہ یہ ہماری تربیت کا مان رکھے گی، تم بھی فضول میں بچی سے بحث کررہی ہو، تم دعا دو اسے، ہماری طرف سے تمہیں اجازت ہے، زوہیب صاحب نے بات کاٹی۔

شمائل اور شمائم دو بہنیں تھیں، بڑی کی شادی ہوگئی تھی اور شمائم ابھی میٹرک سے فارغ ہوئی تھی جبکہ شمشیر اپنے والد کے ساتھ کام کرتا تھا۔ زوہیب اختر کافی روشن خیال تھے جبکہ ان کی زوجہ ان کے بالکل برعکس تھی، وہ چاہتی تھیں کہ شمائم دینی تعلیم حاصل کرے لیکن شمائم اگلے ہی دن فارم لے آئی اور انہیں پُر کرکے جمع بھی کروادیا، چند ہی دنوں میں اس کی زندگی پھر کتابوں تک محدود ہونے لگی، وہ کافی ذہین تھی، ابتداً اس نے اپنی امی کے حکم کے مطابق کالج میں پردہ روا رکھا، جس پر اس کی امی اس سے بہت مطمئن تھیں، شمائم اپنی تعلیمی سرگرمیوں میں مشغول تھی، ایک دن وہ انویشہ منظور کے ہمراہ کلاس لے کر فارغ ہوئی تو دونوں چائے پینے کے لئے کینٹین کی طرف چل دیں، جب انویشہ نے اس سے کہا۔ شمائم، ایک بات پوچھوں۔ ہاں کیوں نہیں، شمائم نے کہا۔

شمائم تم اس قدر گہرہ پردہ کرکے پورے چھ پیریڈ لیتی ہو، کیا تمہیں کوفت نہیں ہوتی؟ آخر ہمیں اپنی ذات پر اتنا اعتماد و بھروسہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنی حفاظت خود کرسکیں اور اپنے اردگرد ہونے والی برائیوں سے اپنی ذات کو محفوظ رکھ سکتے ہیں، میں اور باقی سب لڑکیاں بھی

تو ٹیچرز کے سامنے ہی ہوتی ہیں، اس طرح نقاب لگائے ہوئے تو تم اور بھی منفرد محسوس ہوتی ہو اور سب طرف سے نظر ہٹ کر تم پر جاگزیں ہوتی ہے، ہمیں صرف اپنے مقصد کو سامنے رکھنا چاہئے اور بس۔

جب کافی دیر تک شمائم نے کوئی بات نہ کی تو انویشہ خاموش ہوگئی اور کہا: ''یقیناً تم نے مائنڈ کیا ہوگا؟''

نہیں، نہیں، تم نے صحیح کہا، میں اب چلتی ہوں، شمشیر آنے والا ہوگا، یہ کہہ کر شمائم اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلے دن وہ اسکارف کے ساتھ کالج گئی، پھر امتحانات قریب آگئے اور کئی دن تک اس کی انویشہ سے ملاقات ہی نہ ہوئی، وہ پڑھائی میں اس قدر مشغول تھی کہ نماز میں اب اکثر ہی اس سے تاخیر ہونے لگی اور آہستہ آہستہ اس کی نماز بھی مختصر ہوتی چلی گئی، پہلے نفل، پھر سنت بھی جاتے رہے، آج صبح جب وہ جلدی کالج جانے کے لئے تیار ہورہی تھی تو اچانک شمسہ بیگم کچن میں آئیں جہاں وہ کھڑے کھڑے پانی پینے میں مگن تھی، امی کو خدا حافظ کہتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گئی اور شمسہ بیگم سوچنے میں محو تھی کہ یہ تو ہر سنت اور زندہ کرنے والی تھی اور اب......آج وہ آخری پیپر دے کر جب گھر واپس لوٹی تو کافی ریلکس تھی، ایک بوجھ تھا جو اس کے کندھوں سے اتر چکا تھا، مگر اس پورے ہفتے اس نے قرآن کو ہاتھ نہ لگایا تھا اور وہ شمائم جو ہر سنت پر عمل کرنے والی تھی اور کسی کے کہے بغیر اذان کی آواز سن کر فوراً نماز کو کھڑی ہوجاتی، آج اس میں بہت حد تک تبدیلی آچکی تھی، جسے اس کے علاوہ سب نے محسوس تو کیا لیکن کہا کسی نے نہیں۔

جب وہ چھٹیاں ماموں کے یہاں گزار رہی تھی کہ شمشیر اسے لینے آگیا اور اگلے ہی دن اس کا رزلٹ آنا تھا۔ شمسہ بیگم نے دیکھا کہ وہ ایک باغ میں کھڑی ہیں جہاں سرسبز وشادابی اور پھولوں کی خوشبو نے ہر شے کو معطر کررکھا ہے اور ہر شے نکھری نکھری سی ہے، جب انہوں نے گلاب کا پھول توڑا تو اس میں خوشبو نام کی چیز نہ تھی اور پھر وہ پھول وہی پھینک کر ایسی مڑتی ہیں اور خوفزدہ ہوکر بھاگتی ہیں اور پھر اچانک ہی ان کی آنکھ کھل گئی۔

☆......☆......☆

ہر وقت ہنسنے مسکرانے والی شمائم ایک دم مرجھا گئی تھی اور آج جب شمشیر نے اس سے رزلٹ کے متعلق بات شروع ہی کی تھی تو وہ ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

امی میں آپ سے معذرت چاہتی ہوں، میں نے آپ کی بات نہ مانی، اس قدر محنت کے باوجود میں کامیاب نہ ہوسکی، میرے دو پیپرز رہ گئے ہیں اور مجھے ابھی تک یقین نہیں، میں بہت زیادہ بے چینی اور اضطرابی کیفیت کا شکار ہوں، سب کچھ ہونے کے باوجود یہ بے سکونی...... یقیناً آپ کے ساتھ ساتھ اللہ بھی مجھ سے ناراض ہوگا۔

شمسہ بیگم نے اپنی بیٹی کو اگلے لگا کر پانی دیا، بیٹا جب تم نے حجاب کے بجائے اسکارف لیا، جب تمہاری نمازوں میں تاخیر ہونے لگی اور تم نے سنتوں کو پس پشت ڈالنا شروع کردیا اور تم قرآن سے دور ہوتی چلی گئی تو میں نے اپنے رب سے بہت رو رو کر دعا کی اور اس رات میں نے خواب دیکھا، اس کے بعد انہوں نے اپنا خواب شمائم کو بتایا۔

بیٹا وہ پھول تم تھی جس کی خوشبو وہ تمام تر صفات تھی جس کو تم نے محض نادانی اور ناعلمی کی بنیاد پر ترک کردیا تھا، اگر تم میری بات مانتی تو یقیناً تم ان سب چیزوں کی فضیلت اور اہمیت کے باعث دین کو مقدم رکھتی، شیطان کبھی بھی انسان کو ایک دم گمراہی پر نہیں لاتا بلکہ آہستہ آہستہ نیکی اور اچھائی سے ہٹاتا ہے اور پھر انسان شیطانی چالوں میں پھنستا جاتا ہے اور شیطان اسے گناہوں کی دلدل میں دھکیل کر اس کے مالک سے دور کردیتا ہے، گناہ کی پہلی سزا یہی ہے کہ اس کا جرم ہونا دل سے مٹ جاتا ہے، ابھی بھی وقت ہے میری اللہ سے دعا ہے کہ ہر لمحہ تمہارے دین، ایمان اور سب مسلمانوں کو شیطان و نفس کے شر سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

تربیت اولاد

بنت ف-م

امی...... ایشان تیز تیز چلتا ہوا، اپنی امی کے پیچھے جا رہا تھا، مگر مسز آرا بیگ تیزی سے دروازے کی طرف چل دیں اور ایشان اپنے ننھے دل میں اپنی ماں کے لئے سوچتا ہی رہ گیا۔ اس کا ننھا دل یہ سوچ رہا تھا کہ میری امی کے پاس میرے لئے وقت کیوں نہیں ہے، ہمیشہ گھر سے باہر رہتی ہیں، ان کے پاس صرف اور صرف فنکشن، پارٹی اور میٹنگ کے لئے وقت ہے۔ یہ سوچتے ہوئے دو موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر بہہ پڑے...... اور اس کا ننھا ساذہن سوچتا ہی رہ گیا۔

مسز آرا بیگ اپنے بوتیک میں مصروف تھی، تھوڑا بھی وقت ان کے ہاتھ آتا تو اپنے مستقبل کے بارے میں پروگرام کرنے لگتیں کہ فلاں دن یہ میٹنگ ہونی چاہئے وغیرہ وغیرہ اور اپنے بیٹے ننھے ایشان کا مستقبل سوچتی اس کا باہر ملک جانے کا سوچتی رہتی۔

امی...... امی...... میں آج شلوار قمیص پہنوں گا، شمول روزانہ یہ کپڑے پہنتا ہے، کیا...... کیا کہا شلوار قمیص...... نہیں بیٹا ایسے مت بولو، تم تو شلوار قمیص میں عجیب لگو گے، ڈھیلا ڈھالا کپڑا اچھا نہیں لگتا، مسز آرا بیگ اکتا سی گئیں، مگر امی شمول نے کہا ہے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کپڑے ہیں، پینٹ شرٹ انگریزوں کا لباس ہے، اتنا ٹائٹ ہوتا ہے، امی...... مجھے شلوار قمیص پہننی ہیں۔

”اچھا...... بیٹا پہن لیجئے۔“ مسز آرا بیگ نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور جانے کے لئے تیار ہوگئیں اور مڑتے ہوئے کہا، ہاں آئندہ اس بارے میں باتیں نہ کیا کرو سمجھے...... ”سمجھے کے ج پر زور دیتے ہوئے کہا اور چلے گئیں، ایشان ان کو دور تک جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا، اس وقت ایشان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

دوسرا منظر:...... ایشان شمول کے گھر گیا ہوا تھا، اس کی امی کا اپنے بیٹے شمول کے ساتھ رویہ اتنا اچھا تھا کہ ایشان بار بار اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کر رہا تھا۔

”شمول اور ایشان بیٹے...... مسجد جاؤ، مغرب کی اذانیں شروع ہوگئی ہیں۔“ آنٹی نے کہا تو ایشان چونکا اور کہا: آنٹی...... یہ...... یہ نماز، وہ تو مجھے آتے ہی نہیں، شمول کی والدہ، بہت سمجھدار تھی، وہ ایشان کی دل آزاری نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے کہا: ”بیٹا اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں، آپ اب سیکھ لیجئے۔ آپ ابھی مسجد جائیں اور ان شاء اللہ شمول آپ کو تھوڑی تھوڑی کر کے ساری نماز سکھا

دے گا، بیٹا اصل دوست تو وہی ہے جو نیکی میں رہنمائی کرے۔“ آنٹی نے مسکراتے ہوئے کہا، تو ایشان نے اپنے ننھے دل میں سوچا کہ شمول کی امی کتنی اچھی ہیں، میری امی تو بس باہر ہی رہتی ہیں، ان کے پاس تو میرے لئے وقت ہی نہیں، یوں سوچتے ہوئے شمول اور ایشان مسجد پہنچے اور نماز پڑھی تو ایشان کو بہت سکون ملا اس نے آئندہ ہمیشہ نماز پڑھنے کا سوچ لیا۔

تیسرا منظر:...... ”امی عشاء کی نماز کا وقت ہوگیا ہے، میں نماز پڑھنے مسجد جا رہا ہوں، جیسے ہی ایشان نے یہ کہا تو اس کی امی چونکی اور کہا، ایشان بیٹا...... یہ تمہیں دن بدن کیا ہوتا جا رہا ہے، ابھی تو سونے کا وقت ہے، پتا نہیں کہاں جا رہے ہو۔“ ”امی پلیز...... مجھے جانے دیجئے، امی پلیز جانے دیں نا...... اس نے روہانسی ہوکر کہا۔“ میں نے کہہ دیا نا نہیں، ویسے بھی صبح وقت پر اٹھو گے ہی نہیں، لیکن ایشان پھر بھی آخر ایشان ہی تھا۔ ضد کر کے مسجد چلا ہی گیا اور فجر کو پھر مسجد جانے لگا تو مسز آرا بیگ بگڑ ہی گئیں تو ایشان کے ابو نے ہار مانتے ہوئے کہا کہ اس کو جانے دو اور یوں فجر کو بھی ایشان مسجد چلا گیا۔

چوتھا منظر:...... مسز آرا بیگ اپنے آفس میں بیٹھی اسی بارے میں سوچ رہی تھیں، یہ سوچ کر بار بار ان کے چہرے پر تیوری چڑھ رہی تھی، اسی پریشانی میں وہ آفس سے باہر ایک باغ میں چلی گئیں۔ وہاں بہت شور تھا، وہ کونے میں ایک بینچ پر بیٹھ گئیں اور سینڈوچ کھاتے ہوئے سوچ میں ہی محو تھی کہ ان کی سوچ کو دو خواتین کی آوازوں نے توڑا۔ انہوں نے اپنے پیچھے دیکھا، دونوں خواتین پردے میں تھیں اور بچوں کی تربیت پر ڈسکس کر رہی تھیں۔ پہلی خاتون نے کہا، ہم نے اپنے بچوں کی تربیت میں اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو پس و پشت ڈال دیا ہے، جس کا اثر ہمیں دنیا میں تو نظر آتا ہی ہے، لیکن آخرت میں بھی دیکھنا پڑے گا اور دوسری نے کہا: بہن اپنے کام ہی اتنے ہوتے ہیں اب بچے کون سا چھوٹے ہیں، خود ہی عقل جائیں گے، پہلی خاتون نے کہا: محترمہ...... بچے جتنے بھی بڑے ہوجائیں اپنے والدین سے تو اتنے ہی چھوٹے ہوتے ہیں، بچوں کو ہر زمانے میں اپنے والدین کی نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ ہر انسان کو ہی نصیحت کی ضرورت ہوتی ہے، بھئی اگر ہم اپنے بچوں کی دینی تربیت کریں گے تو ہمیں آخرت میں تو فائدہ ملے گا ہی، البتہ دنیا میں بھی ملے گا۔ دیکھو نا...... دنیاوی خیال کے بچے اپنے بوڑھے والدین کو تنہا چھوڑ کر پیسہ کمانے کے لئے باہر چلے جاتے ہیں اور دینی تربیت کی جائے تو دین میں کتنی ہی احادیث والدین کے بارے میں ہے تو دینی بچہ لامحالہ اپنی والدین کا خیال رکھے گا، اس برقعے والی خاتون نے جب اپنی بات ختم کی تو دوسری خاتون اس سے بہت متاثر نظر آئی تو پہلی خاتون نے کہا۔ ”بہن آپ ”تربیت اولاد“ مفتی سحبان محمودؒ کی اور دوسری ”تربیت اولاد“ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی پڑھیں اس سے آپ کو بہت جلد فائدہ ہوگا۔

آخر منظر:...... مسز آرا بیگ نے مکتبہ سے دونوں کتابیں خریدیں اور فوراً اس کتاب کا مطالعہ کیا، پڑتیں اور آنکھوں سے بہنے والے آنسو صاف کرتی جائیں اور وہ دل میں سوچ رہی تھیں۔ ”اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت“ لیکن فوراً ان کے دل میں آیا کہ صبح کا بھولا اگر شام کو واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔“ یہ ذہن میں آتے ہی وہ فوراً کھڑی ہوئیں، ارے ابھی انہیں اپنے لاڈلے بیٹے ایشان کی تربیت بھی تو کرنی تھی۔

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا شعر ہے:

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی آپ ہی بتلاتے ہیں

واقعی سچ ہے کہ اللہ پاک جس سے بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اس کیلئے ہدایت کا راستہ کھول دیتے ہیں۔

☆......☆......☆

دل کے معبد میں محبت کا روشن دیا



تبسم محسن علوی

میں نے ڈوب کر عشق کیا، شاید اس لئے کہ میں عشق کرنا جانتی تھی، یا شاید عشق کرنا چاہتی تھی، عشق، محبت، الفت، چاہت، یہ سب ہم معنی الفاظ ہیں اور ان سب کی تفسیر بھی ایک ہے، تفسیر یہ ہے کہ اپنی ذات کو فنا کر کے کسی اور کی ذات میں گم ہو جانا، اپنی شناخت، اپنی پہچان بھول کر کسی اور کی شناخت پہچان بن جانا اور ہاں محبت یہ بھی کہتی ہے کہ اپنے محبوب کی خوشی و خواہش کے سامنے اپنی خوشی اور خواہش کو دل کے نہال خانوں سے

نوچ نوچ کر پھینک دو، بس اپنے محبوب کے رنگ میں رنگ جاؤ اور میں نے بھی یہی کیا، ایسا کرنا میرے لئے بہت کٹھن اور بہت مشکل تھا، کیونکہ عشق کی راہ میں کبھی بھی پھولوں کی سیج بچھی نہیں رہتی، یہ تو کانٹوں کی وہ راہ گزر ہے، جس میں جسم زخمی اور لہولہان رہے، مگر روح شاداں فرحاں ہو، روح کی شادابی اور فرحت کو بھی صرف سچے عاشق ہی محسوس کر سکتے ہیں، ورنہ تو اکثر عاشق عشق کی پہلی منزل پر محبوب کو ہار بیٹھتے ہیں، سچا عشق ہی انسان کو مہمیز کرتا ہے، عشق کسی بھی منزل پر ٹھہرا، نہ رکنا نہیں سکھاتا ہے، تو زینہ بہ زینہ عشق کی معراج تک پہنچا آتا ہے، جہاں محبوب اور محبّ کے درمیان کے سارے پردے، سارے حجاب مٹ جاتے ہیں، جہاں عاشق صرف اپنے محبوب کے نام کی، صرف اور صرف محبوب کے پسند کے رنگ کی چندری اوڑھ کر ساری دنیا سے حجاب کر لیتا ہے، کیونکہ یہی عشق کی منزل ہے کہ ساری دنیا کو ٹھکرا کر صرف محبوب کے بن جاؤ، محبوب حقیقی کے پسند کے رنگ کی چندری کے رنگ ہی تو پکے ہوتے ہیں، نہ وہ کبھی مٹتا ہے، نہ ہی کبھی پھیلتا ہے، وہ رنگ ہے صبغۃ اللہ...... اللہ کی پسند کا رنگ...... سب سے عظمت والی ذات کا عظمت والا رنگ، جسے قسمت والے ہی اختیار کرتے ہیں، جو نصیبوں والوں کے حصے میں ہی آتا ہے، شاید آپ کو میرے عشق کا، میری اس خوش نصیبی کا یقین نہ آئے، کیونکہ میرا تعلق ایک ایسے علاقے سے ہے جہاں اللہ کی عبادت اور اللہ کا ذکر کرنے والوں میں سے صرف ہم ماں، بیٹی ہی تھی۔ ہمارے اس علاقے میں ماں کی عزت کرنے والے بہت کم ہیں اور سب سے بڑی بات کہ مجھے آج تک اس حقیقت کا علم نہیں کہ میں جانم بیگم کی سگی بیٹی ہوں یا نہیں، ایک یتیم خانہ سے مجھے پیسوں کے عوض خریدا گیا، آج تک میں سگے ماں باپ، رشتہ دار، کسی کو نہیں جانتی، بس صرف مجھے اتنا یاد ہے کہ ایک بڑی گاڑی سے میں نے چھلانگ لگائی اور بھاگتی رہی،

اچانک ایک گھر میں گئی جہاں میری ملاقات میری منہ بولی ماں "جانی بیگم" سے ہوئی، جنہوں نے پھر سے میری پرورش کی لیکن میرا دل ہرگز کبھی بھی اس کو ماں ماننے کو تیار نہیں ہوتا تھا، اس کی عیاش طبیعت، عیش پرستی، خود غرضی، خود پرستی اسے ماں کا عظیم تر درجہ بھلا کیسے عطا کر سکتی ہے، امی جانی، زہرہ نانی، دلکش خالہ، پری خالہ اور جانی ماموں اور ان سب کی بیٹیاں ریما، نیناں، نشو، رانی، ریشم، جگنی سوہنی اور چاندنی کو ہی میں نے شعور کی آنکھ کھلتے ہی اپنے اردگرد اور اپنے رشتے داروں کے روپ میں دیکھا، مگر لاشعوری طور پر مجھے لگتا کہ میرا ان سے کوئی رشتہ ناطہ نہیں۔ نجانے کیوں جانم بیگم (امی جانی) کے بجائے میرے لاشعور میں ایک بہت پاکیزہ، پرتقدس ماں کا ہیولا آجاتا ہے، جو شاید میری بے پناہ حساس طبیعت کا تراشہ ہوا تخیل ہی ہو، کیونکہ میں نے اپنی ۲۵ سالہ زندگی میں اس حقیقی روپ کو کبھی نہیں دیکھا، مگر عجیب بات ہے کہ میں اس کے ممتا بھرے لمس کے بوسہ کو میں اپنے ماتھے پر اکثر محسوس کرتی ہوں، جانم بیگم نے میری پرورش بہت ناز و نعم سے کی، میری ہر خواہش کو پورا کیا اور شاید اسی وجہ سے، جہاں میری اور کزنز نے صرف میٹرک کر کے پاؤں میں گھونگروں باندھ لئے، وہاں میں نے زبردستی ضد کر کے بی اے کا امتحان بھی فرسٹ ڈویژن سے پاس کر لیا، لیکن میری امی جانی کا حکم تھا کہ میں اسکول کالج میں ہرگز کسی کو نہ بتاؤں کہ میں کون ہوں اور میرا تعلق کس گھرانے سے ہے، یہ صرف امی جانی کی حکم کی تابعداری نہیں، بلکہ اپنے بارے میں کسی کو بتاتے ہوئے مجھے خود ہی بہت شرم و عار محسوس ہوتی تھی، شاید یہی وجہ تھی کہ اسکول اور کالج دونوں جگہوں پر میں کوئی راز دار سہیلی یا کوئی اچھا دوست نہ بنا پائی، لڑکیاں میرے بے پناہ حسن و نزاکت کی وجہ سے مجھے بے حد خود پسند اور مغرور سمجھتی تھیں۔ لیکن میرے پاس نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہ تھا، زندگی سے میں نے یہ سبق اچھی طرح سیکھ لیا تھا کہ عورت

صرف اپنے گھر کی چار دیواری میں محفوظ ہے، چار دیواری کے باہر ہر شخص بھیڑیا ہے، ایک دن امی جانی نے پیار سے مجھے چمکارتے ہوئے میرے ریشم جیسے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا، میری شہزادی کے کافی رشتہ آرہے ہیں، تیرے جانی ماموں تو کہتے ہیں کہ میں کہاں تک کس کس کو انکار کروں، مگر میں نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے تو بس اپنی شہزادی کے لئے بس ایک شہزادے کا انتظار ہے جو اس کی قدر جان کر قیمت ادا کرے، ہیرے کی پرکھ تو جوہری کو ہوتی ہے، میں بھلا ایرے غیرے نتھو خیرے کے حوالے اپنا قیمتی ہیرا کیوں کروں۔ ایک دم میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، یہ میری ماں، میری قیمت لگا رہی ہے، پھر میں نے سوچا، یہ تو میری سگی ماں تھوڑی ہے، میں نے بڑے بوجھل لہجے میں اپنے دل کی بات ان سے کہہ دی کہ امی جانی مجھے کسی شہزادے کا انتظار نہیں، کیا پاؤں میں گھونگھرو باندھے بغیر ہم اچھی زندگی نہیں گزار سکتے ہیں، میری پیاری امی جانی مجھ ایم اے کی اجازت دے دیں۔ ایم اے کے بعد میں کسی اچھے کالج میں نوکری کرلوں گی اور آپ کو ڈھیر سارے روپے کما کر دوں گی، میں ہرگز بھی اپنے پاؤں میں گھونگھرو باندھ کر نہیں ناچوں گی، مجھے اس گناہ کے دلدل میں مت ڈالئے، آپ جتنے پیسے کہیں گی، میں آپ کو حلال کما کر لاکر دوں گی، میرے لہجے میں التجا تھی یا فریاد تھی، جسے سن کر خانم بیگم کانپ اٹھیں اور سمجھ گئیں کہ چڑیا پنجرے سے آزاد ہونے کے لئے پر تول رہی ہے، ان کے کانوں میں جانی ماموں کی باتیں گونجنے لگیں کہ جتنا تو اسے پڑھائے لکھائے گی، اتنا ہی یہ تجھ سے دور بھاگے گی، بس سولہویں سترہویں سال میں رونمائی کر کے دھندہ جمالو، اب میری فکر کھانے لگی کہ سونے کی چڑیا کہیں اڑ نہ جائے اور آخر کار جانی ماموں کی دن رات کوششوں سے میرے لئے شہزادے کا نہیں، بلکہ ایک بادشاہ کا انتخاب ہوگیا، بے پناہ امیر کبیر، کئی فیکٹریوں اور ملوں کے مالک ۶۰ سالہ عیاش پسند اعظم صاحب مجھے چند دنوں کی دلہن بنا کر رخصت کرانے آ پہنچے، جانم بیگم نے دلہن کی طرح مجھے تیار کیا اور مجھے رخصت کردیا، میری پاکیزہ روح چیخ چیخ کر اس گناہ سے بچنے کی فریاد کررہی تھی، مگر میرے لہو ہوتے دل کی آواز میری ماں جانم بیگم کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی، وہ تو اس پر خوش تھیں کہ انہیں کس قدر اچھا جوہری مل گیا، جس نے ان کی بیٹی کو بیش قیمت داموں میں خرید لیا، میرا دل پہلے بھی یہی کہتا تھا کہ میں جانم بیگم کی بیٹی نہیں ہوں، جس طرح نو برس پہلے نشو کو جانی ماموں یہ کہہ کر ہمارے پاس لائے تھے کہ یہ بچی نہر کے کنارے بھوک پیاس سے نڈھال پڑی سسک رہی تھی، اس ننھی سی جان کا دنیا میں کوئی نہیں، یہ زہرہ خالہ کی بیٹی بن کر رہے گی اور تم سب کی بہن کہلائے گی، اس وقت میں گیارہ سال کی تھی، مجھے جانی ماموں بہت ہی اچھے لگے کہ یہ دوسروں سے کتنی محبت کرنے والے ہمدرد انسان ہیں، مگر ابھی کچھ عرصہ پہلے جانی ماموں دو اور کمسن بچیوں سنہری اور سارہ کو لے کر آئے تو یہ خیال شدت سے مجھے تڑپانے لگا کہ کہیں میں بھی جانی ماموں کی لائی ہوئی کوئی بچی نہ ہوں، جسے خانم نے اپنی بیٹی بن کر پالا ہوگا، شاید اسی لئے ماں کو پکارتے ہوئے میرے ذہن میں کسی اور پاکیزہ نکھری نکھری پیاری پیاری سی عورت کا ہیولا آجاتا ہے، آج شدت سے میرا رواں رواں پکار کر کہہ رہا تھا کہ میں اس طوائف کی بیٹی نہیں ہوں، میری رگوں میں کسی نیک سیرت شریف والدین کا خون دوڑ رہا ہے، جو مجھے اس گمراہی کے راستے سے روک رہا ہے، بعض لمحے انسان کی زندگی میں انمول بن جاتے ہیں، بس وہی لمحہ میری زندگی کا سرمایہ حیات بن گیا، نہ جانے میرے دل میں کیا خیال آیا کہ اس نے فوراً اٹھ کر اعظم صاحب کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا، خدارا مجھے ذلت کے گھڑے میں گرنے سے بچالیجئے، آپ مجھ سے نکاح کرلیجئے، مگر میری عزت

کو پامال ہونے سے بچالیجئے، ورنہ میں زہر کھا کر خودکشی کرلوں گی۔ وہ اس صورتحال کے لئے ہرگز بھی دل سے تیار نہ تھے، مگر میری بے پناہ التجا اور فریاد نے انہیں میری عزت سے کھیلنے سے باز رکھا یا شاید مجھے جنم دینے والی میری ماں کی دعاؤں نے ہمیشہ کی طرح اپنی دعاؤں کے حصار میں رکھا کہ میری آواز کا بے پناہ سوز و گداز درد بن کر اعظم صاحب کے دل میں اتر گیا اور انہوں نے چند گھنٹے بعد ہی دو تین گواہوں کی موجودگی میں قاضی سے نکاح پڑھوا کر مجھے اور اپنے کو نکاح کے مقدس بندھن میں باندھ کر مجھے ہر گناہ، ہر خوف سے ہمیشہ کے لئے آزاد کردیا، اعظم صاحب کی بیوی حیات نہ تھیں، تین شادی شدہ بیٹیوں اور دو جوان بیٹوں کے باپ تھے، انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کے بچوں کو اس نکاح کی خبر نہ ہو، انہوں نے بہ حیثیت شوہر مجھے ہر نعمت عطا کی، مجھے خوش رکھنے کے لئے دنیا جہان کی سیریں کرائیں، مگر میرا دل صنم آشنا نہ بن سکا، میری دیکھ بھال کے لئے انہوں نے بوا کا انتظام کردیا، یہ نیک سیرت تہجد گزار اماں نے جو مشرقی پاکستان کے سانحہ میں اپنے شوہر، اپنے بچوں سب کو گنوا کر اللہ کی قربت سے اپنے لئے سکون و قرار کشید کررہی تھی، اس صابر شاکر عورت کے لبوں پر ہر لمحہ الحمدللہ رہتا تھا اور سچ پوچھئے کہ اسی اماں کی صحبت نے مجھے میرے رب سے آشنا کرادیا، مجھے عشق الٰہی کی منزل تک پہنچا دیا، اماں سے ہی میں نے قرآن پڑھنا سیکھا، محبت کرنا سیکھی، عاجزی وانکساری سیکھی، صبر وشکر سیکھا، پھر قریب ہی ایک اسلامک سینٹر میں جاکر میں نے باقاعدہ تجوید وتفسیر کے ساتھ ساتھ دین کی صحیح معلومات حاصل کی، میری بے قرار روح کو قرار مل گیا، قرآن پڑھتے ہوئے اکثر مجھے لگا، جیسے اللہ کی عظیم ذات مجھ سے مخاطب ہے، نماز پڑھتے ہوئے لگتا، جیسے میں اللہ سے سرگوشی کررہی ہوں، اللہ سے عشق کی ایسی آگ میرے اندر بھڑک اٹھی کہ مجھے لگا کہ وہ میری روح کے اندر تک سرایت کرچکا ہے، مجھے اپنی روح کے اندر باہر مجھے صرف اور صرف وہی محسوس ہوتا ہے، اس کی تابعداری اطاعت گزاری کی لذت وہی محسوس کرسکتے ہیں جو اس سے عشق کرنا چاہتے ہیں ورنہ عام لوگوں کو اس کی تابعداری بوجھ لگتی ہے، جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے میرے محبوب میرے اللہ نے اعظم صاحب کے وسیلے سے مجھے بیش قیمت بنگلہ، لمبا چوڑا بینک بیلنس، زیورات کا ڈھیر، قیمتی ملبوسات سے بھری الماریاں سب ہی کچھ دے رکھا ہے، مگر میں اکثر سامان غریب بچیوں کی شادی پر دے آتی ہوں، غریبوں مسکینوں کے لئے میرے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں، جانم بیگم اکثر ہی میری ماں بن کر میری پرورش کا خراج وصول کرنے آجاتی ہیں، میرے دروازے سے کوئی خالی ہاتھ شاید اس لئے نہیں جاتا کہ میں خود خالی ہاتھ رہنا چاہتی ہوں، اس مادی چیزوں کا بوجھ میری روح کو گھائل کرنے لگتا، لوگوں میں اپنا سب کچھ بانٹ کر میرے دل میں سکون طمانیت کا احساس اتر جاتا ہے، اپنے کمرے میں بیش قیمت مسہری پر نیند نہیں آتی ہے، مجھے سخت زمین پر لیٹنے میں مزا ملتا ہے، اعظم صاحب کہتے ہیں کہ میں ان کی زندگی میں جنت کی حور بن کر آئی ہوں، جس کی آمد سے ان کی زندگی جنت بن گئی، حج کی سعادت نے تو جہاں میرے عشق کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہے، وہاں اعظم صاحب کی سچی توبہ استغفار نے ان کے اندر کے تمام گناہوں اور عیاشیوں کی عادتوں کو بھی مٹا ڈالا ہے، میں ایک بات آپ سب کو بتانا چاہتی ہوں کہ ہر انسان کے دل کے معبد میں اللہ رب العزت کی محبت کے نام کا دیا رکھا ہے، جسے بس ایک چنگاری کی ضرورت ہوتی ہے، میرے بھی ویران دل کے معبد میں اپنے رب سے محبت کے نام ایک دیا رکھا تھا، جسے اماں نے آگ دے کر روشن کردیا۔

☆......☆......☆

ماں کے چند کلمات تبرک

طیبہ طاہرہ

بچے کسی بھی قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوا کرتے ہیں، اگر اس وقت وہ گود کا کھلونا ہیں تو آگے چل کر وہی مستقبل کے معمار بنیں گے اور یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہے، یہیں سے بچے کے اچھے اور برے بننے کی بنیاد بنتی ہے، اسی درسگاہ سے وہ اپنے اندر اچھے برے جذبات، اخلاق، اطاعت اور نافرمانی کو جذب کرتا ہے۔ اس لئے ماں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اس ڈھنگ سے کرے کہ ان کے رگ وریشہ میں دین کی روح پھونک دے، اس کے لئے ضروری ہے کہ ماں خود بھی ان صفات کی حامل ہو تو بچہ بھی ماں جیسے کام انجام دے گا، جتنی اچھی ماں کی ہوگی، اتنی ہی اچھی زندگی بچے کی بنے گی، ماں کے اخلاق اچھے ہوں، وہ سچ بولتی ہو، نماز کو اہتمام اور پابندی سے پڑھتی ہو، ہر طرح کی بری باتوں اور گناہ کے کاموں سے بچتی ہو تو بچہ بھی خود بخود ایسا ہی طریقہ اختیار کرے گا، اس کے لئے الگ سے محنت کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں پڑے گی۔

آج سے چودہ سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماؤں کو تربیت کے وہ اصول بتائے، جن پر عمل پیرا ہو کر ماؤں نے اپنے بچوں کی ایسی تربیت کی، جو اسلام کا مطلوب تھا، وہ اپنے بچوں کی تربیت ایسے ڈھنگ اور حکمت سے کرتی تھی کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی محبت پیدا ہو اور ان کی خوشی وغم، مرنا وجینا سب اسلام کے مطابق ہو، جیسے ابن عمر، ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسی ہی ماؤں کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

اس طرح ایک مسلمان ماں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے شوہر یعنی بچوں کے والد کی خود بھی اطاعت کرے اور بچوں کو بھی اطاعت کی تربیت دے، بچوں کو کہ والد کی فرمانبرداری، اصلاح اور اسلامی طریقے، بچوں کا مزاج پہچان کر ان میں اطاعت فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرنا، توحید ان کی گھٹی میں ڈالنا، ان میں حافظ عالم داعی بننے کا شوق پیدا کرنا، ان کے دلوں میں والدین کی محبت پیدا کرنا، باپ کی حاکمیت وعظمت کی پہچان کرانا، یہ سب کر کے ماں دینی اصولوں پر مثالی بن سکے گی۔ ان اصولوں پر عملی تدابیر کرنے سے خوشحال ومطمئن معاشرہ وجود میں آئے گا اور ہر گھر ان شاء اللہ جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ ماں کو نیت کرنی چاہئے کہ میں بچوں کو دین کا خادم بناؤں گی، ان کی ایسی تربیت کروں گی کہ یہ عمر بھر

آپؐ کے دین پر خود بھی عمل کرنے والے بنیں گے اور دنیا بھر میں دین اسلام پھیلانے والا بناؤں گی، میں اس کو کلام الٰہی کے حفظ پر لگاؤں گی تاکہ وہ حفظ کرے اور دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے۔ (آمین)

علم دین کی طلب میں مصروف رکھوں گی، تاکہ قرآن کو سمجھ کر پڑھے اور ذہن میں یاد کرتا رہے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کر سکے، ان کو صحیح سمجھا سکے اور آگے پھیلائے، اس کو بہت ہی محنت سے اچھی طرح عربی سکھاؤں گی، تاکہ میرا بچہ میرے جگر کا ٹکڑا قرآن مجید کی زبان، حدیث کی زبان، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان، جنت والوں کی زبان سیکھے اور اس زبان کے ذریعے اس میں اچھی صفات پیدا ہوں اور لاکھوں انسانوں میں اچھی صفات پھیلانے والا بن جائے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جو ماں اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھائے، اس سے اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو ماں حفظ کرائے، اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مشابہ اٹھایا جائے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا، جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا تو باپ کا ایک درجہ بلند ہو جائے گا، اس طرح تمام قرآن کریم پورا ہو جائے گا۔
(جمع الفوائد جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 173 رقم 774)

ماں کو چاہئے کہ بچپن ہی سے بچے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑے، مثلاً اگر بچہ کوئی چیز مانگے تو پہلے اس کو سکھائے کہ پہلے اللہ سے مانگو، پھر امی سے کہو، اس لئے کہ سب کچھ دینے والا اللہ ہی ہے، امی کو بھی اللہ ہی دینے والا ہے، اگر پہلے اللہ سے مانگو گے اور پھر امی سے کہو گے تو تمہیں ثواب بھی ملے گا اور اللہ بھی راضی ہو جائیں گے۔

اس طرح ماں وقتاً فوقتاً بچے کا تعلق اللہ سے بڑھاتی رہے، اس کو ایمان ویقین سکھاتی رہے تو آنے والی زندگی میں جتنے بھی مراحل آئیں گے، ان سب میں وہ اللہ سے مانگ کر مسائل حل کرے گا اور دنیا کے سامنے نہ ہاتھ پھیلانے کی ضرورت پڑے گی، ایسی مائیں جو بچپن ہی سے بچوں کی تربیت ایمان ویقین پر کرتی ہے، وہ بچے بڑے ہو کر دنیا میں بہت عظیم کام کیا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے اپنے دین کا بڑا کام بھی لیا کرتے ہیں، اکثر مائیں اس طرح بچوں کی تربیت کرتی ہیں کہ بچپن ہی سے ایمان ویقین اور اعمال کے ذریعے مسائل حل کروانے پر مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے چنانچہ روزانہ جب وہ بچہ مدرسہ سے واپس آ کر کھانا طلب کرتا تو ماں اسے کہتی کہ بیٹا دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کھانا مانگو، بے شک وہی بہترین رازق ہے، وہی کھانا دینے والا ہے اور وہی پیٹ بھرنے والا ہے، ماں کی بات سن کر بچے کے ذہن میں یہ بات بیٹھتی چلی گئی کہ ماں سے مانگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مانگنا اصل ہے، لہٰذا وہ بچہ روزانہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کھانا مانگتا، ماں جب بچے کو نماز میں مشغول دیکھتی تو فوراً کھانا دستر خوان پر رکھ دیتی، جب بچہ نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ کر جاتا تو اس کو کھانا نظر آ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے کھانا کھا لیتا، اس طرح روزانہ کا معمول تھا ماں باپ بچے کی صحیح ترین تربیت میں لگے ہوئے تھے اور بچے کا بھی ایمان اور عمل پر یقین پختہ ہو چلا گیا، لیکن ایک دن ایک عجیب اور ایمان افروز واقعہ پیش آیا کہ وہ یہ کہ ماں کو کسی ضرورت سے گھر سے باہر جانا پڑ گیا اب جب بچہ مدرسہ سے واپس آیا تو ماں کو گھر میں نہ پا کر پریشان نہ ہوا بلکہ ہمیشہ کی طرح دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ سے مانگنے لگا، وہاں پر ماں کا دل بے چین ہوا اور یہ خیال ہوا کہ آج تو میرے بچے کا اعمال پر سے یقین ختم ہو جائے گا، لہٰذا وہ گھر کی طرف تیزی سے چل دی اور گھر آ کر جو دیکھا تو بچہ سکون سے سو رہا ہے، بڑی حیرت زدہ ہوئی آخر کار جب جاگا تو خود ہی ماں سے کہنے لگا کہ اماں جان آج جو کھانا میرے اللہ پاک نے کھلایا ہے آج سے پہلے کبھی

میں نے ایسا کھانا نہیں کھایا، بس یہ سننا تھا ماں نے بے قرار ہو کر بچے کو سینے سے لگایا اور خوب خوش ہوئی، جب شام کو باپ گھر آیا تو ماں نے اسے خوشی سے بتایا کہ آج اللہ کے فضل سے ہمارے بچے نے صحیح یقین سیکھ لیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ سے نماز پڑھ کر مسائل حل کروانا آ گیا ہے، یہ بچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

اب، ہم مسلمان ماؤں کی خدمت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو چند باتیں سکھائیں تھیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے حقوق کا خیال رکھو، خدا کو اپنے سامنے پاؤ گے، خوشحالی میں خدا کو یاد رکھو، خدا تمہیں تنگی و پریشانی میں یاد رکھیں گے، اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو، اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، ان کے اہل بیت سے محبت اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا، لہٰذا مسلمان ماں کو بھی چاہئے کہ اپنے بچوں کو پورا قرآن مجید سکھائے۔ اسلام میں عربی کی کتنی اہمیت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ والی محنت کا آغاز بھی عربی زبان سے فرمایا، جس کے نتیجے میں آج پوری دنیا میں مسلمان موجود ہے۔

احادیث میں بھی عربی زبان سے محبت کی تاکید آئی ہے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عربی زبان سے تین وجوہات سے محبت کرو:

(۱)......میری زبان عربی ہے۔

(۲)......قرآن کی زبان عربی ہے۔

(۳)......جنت کی زبان عربی ہے۔

لہٰذا اپنے بچوں کو ضرور عربی زبان سکھلائیے تا کہ وہ قرآن و حدیث کے احکامات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں اور قرآن و حدیث میں جتنی دعائیں وارد ہوئی ہیں، انہیں معنی و مفہوم کے استحضار کے ساتھ مانگنا سکھائیں۔ بلاشبہ اللہ جل شانہ تمام زبانوں کو سمجھتے ہیں بلکہ دل کے خیالات سے بھی واقف ہیں لیکن جو دعا عربی میں مانگی جائے اللہ پاک اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے، جس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری خاطر کتنی تکالیف اٹھائیں رو رو کر ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں، ہمیں جنت جانے کا آسان اور سیدھا راستہ بتایا، ہم اس مبارک ہستی کی زبان (عربی) سے بھی واقفیت نہیں رکھتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جتنے ارشادات فرمائے، وہ سب عربی زبان میں ہیں، ہم اسے بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

لہٰذا خدارا اپنے بچوں کے دلوں میں عربی زبان کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں اور انہیں اس بات کا احساس دلائیں کہ انہیں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سیکھنے اور سمجھنے کی بہت ضرورت ہے، تا کہ وہ ان ارشادات کو سمجھ سکیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے، اس کے ساتھ سب سے بڑھ کر قرآن شریف کو سمجھ سکیں، جو تراویح میں پورا قرآن پڑھ جاتا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ آپ کی اولاد قرآن کو سمجھنے والی ہو تا کہ دوران تراویح قرآن کو سمجھتے ہوئے سنے، پھر آپ اس کو صحیح طرح سمجھ کر امت میں پھیلانے والے بنیں۔

اکثر مائیں، بچوں کو عربی تو کیا سکھانی، یہ دور کی بات ہے، وہ اردو کو بھی صحیح استعمال نہیں کر پاتیں، اس کی وجہ یہ کہ ہم خود صحیح اردو نہیں بولتے، بلاشبہ دوسری زبانوں کی افادیت ضروری ہے، لیکن ہماری اپنی قومی زبان تو اردو ہی ہے، لہٰذا ہمیں اس سے محبت ہونی چاہئے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے صحیح طور پر اچھے سے اچھا بولنے کی کوشش کریں اور اپنے بچوں کو بھی اس کی عادت ڈالیں کہ وہ عام طور پر اچھی اردو بولیں۔

اب میں اپنی اس تحریر کا اس شعر سے اختتام کرتی ہوں۔

تیری سیرت کی رگوں میں ہوں شریعت کے اصول
ہوں تیرے فکر و عمل کے جان قرآن و حدیث

ماں کی تڑپ

صبا یونس

امی کیا ہوا؟؟ خدیجہ کچن میں اپنے لئے چائے بنانے کے ارادے سے آئی تو تبسم بیگم کو کرسی پر نڈھال سی حالت میں بیٹھا دیکھ کر پوچھا، تبسم بیگم اپنا سینہ ایسے سہلا رہی تھیں جیسے بہت بے چینی ان کے اندر برپا ہو۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سب نے اکٹھے بیٹھ کر ٹھیک ٹھاک ناشتہ کیا تھا، انتہائی خوشگوار ماحول میں۔

بابا اور بڑے بھیا کارخانے چلے گئے تو وہ دونوں بہنیں ان کے ساتھ مل کر کچن سمیٹ کر ابھی چند منٹ پہلے ہی یہاں سے گئی تھیں۔

آج اتوار تھا دونوں چھوٹے بھائی ابھی تک سو رہے تھے، پتہ نہیں بیٹا۔ عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے بے چینی سی۔ تبسم بیگم نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

خدیجہ کو لگا کہ ان کی رنگت زرد پڑ رہی ہے۔

امی کہیں آپ کا بی پی تو لو نہیں ہو گیا۔ خدیجہ نے ظاہری حالت کو مدنظر رکھ کر پوچھا۔

نہیں بیٹا۔ میں نے زندگی میں کبھی ایسی بے چینی، ایسی کیفیت نہیں محسوس کی۔ خدیجہ کو لگا اتنی سی بات کرنے کے لئے بھی ان کو اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرنی پڑی ہے اگرچہ اپنی طرف سے انہوں نے تسلی بخش جواب دینے کی کوشش کی مگر اتنی سی بات کر کے گویا ان کی جان نچڑ سی گئی تھی۔

اچھا آپ اٹھیں، میں آپ کو آپ کے کمرے میں لٹا کر کچھ کرتی ہوں۔

خدیجہ نے ان کو سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

بہت کوشش کے باوجود بھی تبسم بیگم اپنا وزن اپنے پیروں پر سہار نہ سکیں۔ پتہ نہیں کیوں خدیجہ کو ان کا وزن بہت زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ اندر ہی اندر اس کا دل انجانے خوف سے ڈوب رہا تھا، اپنی ماں کی اچانک اتنی بری، نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت دیکھ کر اس کو عجیب قسم کی پریشانی نے گھیر لیا تھا۔

اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں، خدیجہ نے ان کو

ان کے کمرے میں لے جا کر بیڈ پر لٹانے کے بعد ان پر اچھی طرح کمبل ڈالا، پھر کارخانے بابا کو فون کر کے ان کی حالت بتائی، بابا نے اس کو تسلی دی کہ وہ ان کے پاس ہی رہے، میں دس، پندرہ منٹ میں ڈاکٹر کو لے کر پہنچ رہا ہوں، بابا سے بات کر کے اس نے تبسم بیگم کے کمرے کا رخ کیا تھا۔

ان کے پاؤں دبانے کے لئے اس نے کمبل کے اندر ہاتھ ڈال کر ان کا پاؤں پکڑتے ہوئے پوچھا تو یکدم ہی اس کے دل کی دھڑکن بہت...... بہت تیز ہوگئی تھی۔ ان کے پاؤں نہیں...... اس کو لگا...... کہ اس نے برف پکڑی ہے۔

کسی انہونی کا احساس......

سمجھ کر بھی نہ سمجھنے کی سی کیفیت......

یہ کیا ہوا؟

بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟؟

ایس...... ایسا لگ رہ...... رہا ہے کہ میرے گوشت میں باریک باریک سوئیاں ڈال کر کوئی بہت بے دردی سے کھینچ رہا ہے۔

مم...... میر...... میرے پاؤں......

تبسم بیگم نے بمشکل یہ چند الفاظ ادا کئے اور ان کی حالت ایسی ہوگئی کہ جیسے میلوں پیدل مسافت طے کر کے شدید تھکن سے چوری ہوں۔

خدیجہ بجلی کی سی تیزی سے ان کے قریب آئی تھی اس نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں ان کا چہرہ بھر لیا تھا۔

امی آپ...... اس سے زیادہ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ اس کے گلے میں جیسے پھندا سا پڑ گیا تھا۔ آنسوؤں کا گولا، جو نہ اندر جاتا تھا نہ باہر آتا تھا۔ ضبط کی انتہائی حد......

ان کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار تھے۔ اس کو محسوس ہوا کہ اس کی ماں کچھ کہنا چاہتی ہے مگر......

"مرنے سے پہلے انسان کی سانس اکھڑ جاتی ہے اس وقت کو سکرات یا نزع کی کیفیت کہتے ہیں۔"

امی...... بولئے ناں...... پلیز امی کچھ تو کہیں......

اس کا ضبط جواب دیا گیا۔

اتنی سی دیر میں تبسم بیگم کی پتلیاں ساکت ہوچکی تھیں۔

خدیجہ نے تڑپتے ہوئے ان کی پیشانی پر اپنی پیشانی ٹکا دی تھی۔ بس ایک "پل" لگتا ہے اس جاندار وجود کو بے جان ہونے میں۔

صرف ایک "پل" کا مدت میں انسان زندگی کے دور کے بعد موت کے دور سے بھی گزر جاتا ہے۔

ایک "پل" جس کی جاندار وجود زندگی میں ایک لمحے کے لئے بھی فکر نہیں کرتا۔

کبھی سوچا ہی نہیں کہ زندگی کی یہ مالا کتنے قیمتی "پلوں" سے چنی ہے، کبھی خیال بھی نہیں گزرا کہ یہ "پلوں" کی مالا ٹوٹے گی تو یہ "پل" بکھر کر کس طرح گم ہو جائیں گے۔

کبھی گمان نہ ہوا کہ ایک "پل"، محض ایک "پل"، کب قیمتی لگے گا۔ اتنا قیمتی کہ اپنی ساری متاع لٹا کر بھی ایک "پل"، میسر نہ آئے گا۔ کیونکہ ہر "پل" طے شدہ امر ہے۔

ہاں...... بس ایک "پل" ہی کی تو ساری بات ہے۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان ہے سو برس کا پل کی خبر نہیں

بابا...... امی...... امی کو کیا ہوا؟؟ امی بول کیوں نہیں رہیں۔ عباس صاحب ڈاکٹر کو لے کر کمرے میں داخل ہوئے تو خدیجہ ان پر چیل کی طرح جھپٹی۔

حیرت اور پریشانی، یہ کیا ہوا؟

سمجھ کر بھی نہ سمجھ آنے والی کیفیت سے آنکھیں لگتا تھا ابھی پھٹ ہی جائیں گی اس کی۔

تسلی رکھئے بیٹا ابھی محمود انکل انجکشن لگائیں گے تو آپ کی امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔

عباس صاحب موت کے اعلان سے بے خبر اپنی بیٹی کو تسلی دے رہے تھے۔

میں وہ موت ہوں جو بیٹیوں اور ماؤں میں جدائی ڈال دیتی ہوں۔

میں وہ موت ہوں جو بھائی اور بہنوں میں جدائی ڈال دیتی ہوں۔

میں وہ موت ہوں جو ہر دوست میں جدائی ڈال دیتی ہوں۔

میں وہ موت ہوں جو میاں اور بیوی میں جدائی ڈال دیتی ہوں۔

میں وہ موت ہوں جو گھروں اور محلات کو خراب کر دیتی ہوں۔

میں وہ موت ہوں جو قبرستان کو آباد کر دیتی ہوں۔

میں وہ موت ہوں جو تمہیں تلاش کرتی رہتی ہوں اور تمہیں مضبوط قلعوں میں بھی پالیتی ہوں اور کوئی بھی مخلوق میرا ذائقہ چکھے بغیر نہیں رہتی۔

یہ اب اس دنیا میں نہیں رہیں، ڈاکٹر محمود نے تسلی بخش طور پر تفصیلی چیک اپ کرنے کے بعد انتہائی تاسف کے ساتھ کہا۔

مگ...... مگر محمود ایسا کیسے ہوسکتا ہے بھلا۔ تم صحیح طرح چیک کرو بلکہ ان کو اسپتال لے چلتے ہیں۔ عباس بے یقین تھے۔

یار عباس سنبھالو خود کو، ڈاکٹر محمود نے عباس صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر حقیقت کا احساس دلانا چاہا۔

مگر محمود یہ تو بالکل ٹھیک تھی ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی تو اس نے مجھے ہنستے مسکراتے کارخانے بھیجا۔ وہاں پہنچ کر بھی میری اس سے فون پر بات ہوئی ہے اس نے کسی تکلیف یا پریشانی کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کیا پھر...... ابھی بھی عباس صاحب بے یقین تھے۔

تبسم...... تبسم اٹھو انہوں نے نرمی سے تبسم بیگم کے گال تھپتھپائے، پھر یکدم ہی ان کے کندھے پکڑ کر ان کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اٹھو تبسم بیگم اٹھو۔ اچھا مجھے اپنی کل کی شاپنگ دکھاؤ، دیکھو میں سارے کام چھوڑ کر آیا ہوں، کل تم کہہ رہی تھیں ناں۔ عباس صاحب بے قابو سے ہوگئے، تبسم بیگم کے سینے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔

اٹھ جاؤ پلیز۔ اتنا زیادہ تو تم کبھی ناراض نہیں ہوئیں۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخے، پھر بالآخر بے بسی سے روتے ہی چلے گئے۔ کچھ دیر ڈاکٹر محمود نے ان کو رونے دیا۔ پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا۔ ان کا انداز تسلی دینے کا سا تھا۔

ڈاکٹر محمود، عباس کے بچپن کے دوست تھے۔ پڑھائی کے بعد دونوں نے اپنی اپنی مرضی کے ذریعہ معاش اختیار کر لئے، مگر دوستی اپنی جگہ قائم رہی، اب تک ڈاکٹر محمود نہ صرف ان کے فیملی ڈاکٹر تھے بلکہ فیملی کا حصہ تھے۔

یار عباس، ہوش سے کام لے، قدرت کے فیصلوں میں کسی کو دخل نہیں۔ یہ بیماری، پریشانی، تکلیف، دکھ یہ تو صرف بہانے ہیں ورنہ موت تو ایک ایسی اٹل حقیقت ہے نہ میں اس سے انکار کرسکتا نہ تم کر سکتے۔ یہ تو ایک ایسی سچی چٹان ہے جس سے کوئی بھی ذی نفس ٹکرانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ ہوش سے کام لو۔ اگر تم ہی یوں ہوش سے بیگانہ ہوگئے تو بچوں کو کون دلاسہ دے گا، کون سنبھالے گا، کون زندگی کے اس کاروبار کو چلائے گا۔ دیکھو عباس! تکلیف، مصیبت، پریشانی خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں مگر انسان کو سہنا ہی پڑتی ہے۔ ہمت سے کام لیجئے۔ سوائے موت کے اللہ رب العزت نے ہر تکلیف، دکھ، پریشانی، مصیبت، اذیت سے لڑنے کی ہمت اور طاقت انسان کو دی ہے۔ عباس صاحب بے بسی کے شدید احساس سے بیٹھتے ہی چلے گئے اور اپنے ہی گھٹنوں میں منہ چھپا کر پھر رو پڑے۔

ڈاکٹر محمود نے خدیجہ کو ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

عباس صاحب کا رونا دل چیر رہا تھا، ڈاکٹر محمود نے ان کو اتنی دیر رونے دیا تھا کہ ان کے دل کو یقین آجائے، وہ اس حقیقت کو قبول کر لیں۔ خوب رو کر اپنا دل ہلکا

کرلیں۔ پھر ڈاکٹر محمود نے عباس صاحب کو گلے لگالیا وہ ایک بار پھر ایسے روئے کہ ڈاکٹر محمود بھی رو پڑے تھے۔

یار حوصلہ کر...... بچوں کی طرف دیکھ...... خدیجہ بیٹا کو دیکھ ہوش نہیں آرہا۔ باقی بچوں کو بلاؤ یہ تو ان کی ماں سے ملاقات کا آخری دن ہے پھر تو یہ چہرہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوگا۔

”غم کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو بالآخر آہستہ آہستہ درد کا احساس خود کو کھونے لگتا ہے۔“

بہت زیادہ رو لینے کے بعد ان کے دل کو ذرا قرار آیا تھا۔ جب خدیجہ جو اپنی ماں کے قریب ہی بے ہوش ہوچکی تھی، ہوش میں آنا شروع ہوئی۔

بیٹا! اب آپ کیسا فیل کررہے ہو؟ ڈاکٹر محمود نے اس کو آنکھیں کھولتا دیکھ کر پوچھا۔ کچھ دیر وہ ناسمجھی کے سے انداز میں ڈاکٹر محمود کو دیکھتی رہی، پھر یکدم جیسے کچھ یاد آنے پر اٹھ بیٹھی۔

انکل آپ نے امی کو نہیں اٹھایا، ابھی تک خدیجہ نے تبسم بیگم پر ایک نظر ڈال کر ڈاکٹر محمود سے خفگی بھرے انداز میں پوچھا۔

بیٹا آپ کی امی اب وہاں چلی گئی ہیں جہاں سے کوئی بھی واپس نہیں آتا۔ وہ چونکہ ڈاکٹر تھے، جانتے تھے کہ اگر ابھی اس نے اس حقیقت کو قبول نہ کیا تو کبھی بھی اپنی ماں کی موت کو تسلیم نہ کرسکے گی۔

مگر انکل امی تو بالکل ٹھیک تھیں اور جب میں ان کو کمرے میں لے کر آئی، میں نے ان کو لٹایا تو امی کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر پتہ نہیں کیوں کچھ کہا ہی نہیں۔ شاید درد زیادہ ہورہا ہوگا آپ ٹھیک سے چیک کریں ناں۔

خدیجہ کے چہرے پر بے یقینی اور لہجے میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔ ڈاکٹر محمود خود بھی اس ناگہانی موت پر نہ صرف حیران تھے بلکہ پریشان بھی تھے، ابھی کل ہی تو ان کی مسز اور تبسم بیگم چار گھنٹے اکٹھے شاپنگ کرکے آئی تھیں۔ مگر وہ ایک ڈاکٹر تھے، اس وقت خود کو ذرا سا بھی کمزور ثابت نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت دل کی رگ کو چھوتے ہیں اس وقت آدمی لوگوں کو پہچان نہیں سکتا، زبان بند ہوجاتی ہے۔ دنیا کی سب چیزیں بھول جاتی ہیں۔ اس وقت اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ اگر اس وقت موت کا نشہ سوار نہ ہو تو آدمی قریب بیٹھنے والوں پر تلوار چلانے لگ جائے۔

خدیجہ کے ذہن پر اپنی ماں کے آخری لمحات جیسے نقش ہوچکے تھے۔ وہ سوچ سوچ کر تھک جاتی کہ آخر اس کی ماں کیا کہنا چاہتی تھی اگر کہنا چاہتی تھی تو بول کیوں نہیں سکی وہ اپنی ماں کی اذیت سے بے خبر اس کی جدائی کا سوگ منارہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ زندگی کے بعد نزع کا دور موت تک کا مختصر سا دور انسان کس طرح پار کرتا ہے۔

حضرت عمر بن عاصؓ اپنی محفلوں میں اکثر کہا کرتے تھے کہ معلوم نہیں مرنے والے اپنے آخری وقت کی کیفیت بیان کیوں نہیں کرتے۔ جب ان پر جان کنی کا عالم طاری ہوا تو ان کے بیٹے نے کہا، ابا جان! اب آپ ہی اپنی کیفیت بیان کردیں، آپ نے فرمایا کہ ایسا محسوس ہورہا ہے کہ میرا جسم آگ کے تختے پر ہے، سوئی کے ناکے سے سانس آرہی ہے اور احد پہاڑ میرے سینے پر رکھ دیا گیا ہے۔

جب انسان ایسی شدید کیفیت میں ہو اور اس سے نجات بھی ناممکن ہو تو بھلا اولاد، والدین، گھر، کاروبار، رشتے ناطے، شوق، کپڑے، ضروریات زندگی کا خیال بھی کیسے گزرے؟ جب یہ فیصلہ سنا دیا جاتا ہے کہ اب اگلی زندگی اس کے لئے راحت کا پیغام لارہی ہے یا اس زندگی سے بھی بدتر کیفیت اور یہ راحت وتکلیف چند روز نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ جس نے اس دور کی یعنی قبر کے مرحلے کی تیاری کرلی ہو وہ کامیاب ترین بلکہ خوش نصیب وخوش قسمت ہے۔ جس نے اس دور کو محض مذاق سمجھ کر، من مانی کرکے زندگی بسر کی وہ سب سے

زیادہ ناکام، بدنصیب اور بدقسمت ہے۔ مگر افسوس تو اس بات کا تھا کہ خدیجہ ان تمام حقائق سے ناواقف تھی۔ اس نے ایک دنیا دار گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ اگرچہ مسلمان تھے مگر چودہویں صدی کے نام نہاد مسلم، جو اپنی زندگی کے اصولوں سے بھی اپنے مذہب کے خطوط کے مطابق ناواقف تھے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ انسان زندگی گزارنے کے لئے کتنی تیاری کرتا ہے، اس زندگی کے لئے جس کے اگلے پل کا بھی بھروسہ نہیں اور موت جو برحق ہے، ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اس کی طرف انسان کا دھیان بہت ہی کم جاتا ہے حالانکہ اللہ پاک نے واضح طور پر قرآن کریم میں فرمادیا ہے کہ ”کل نفس ذائقة الموت“ ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

آج آنکھوں نے یہ کیسا منظر دیکھا۔ عائشہ اور خدیجہ اپنی ماں کے آخری دیدار کے لئے ان کی چارپائی سے لگی بیٹھی تھیں۔ یہ اور بات کہ غم سے نڈھال اس وقت وہ حواس میں نہ لگ رہی تھیں۔

کیسی جوان میت ہے۔ ایک سرگوشی......

بچوں کا کیا ہوگا...... دبا دبا سا احتجاج......

کیسا گھر کو بنا سنوار کر، سجا کر رکھتی تھی، افسوس کے ساتھ اظہار رائے......

تعلقات ایسے نبھاتی تھی کہ کوئی سگے رشتوں کو نہ پوچھے......

ایسی مہمان نواز کہ کسی کو خالی نہ جانے دیتی تھی ملنساری......

جو بات کرتا پوری توجہ سے سنتی تھی چہرے پر جو ذرہ برابر بے زاری ہو...... منافقت یا دکھلاوا......

بچوں کی کیسی اچھی تربیت کی، خاندان میں کسی کی بچیاں ایسی ملنسار، خوش اخلاق، باادب نہیں۔ زمانے کی چال......

انسان کی ذات انسانوں کے لئے ہی تبصرہ زد ہے۔ اچھا یا برا یہ اس کی قسمت جس پر تبصرہ کیا جارہا ہے۔ زندہ یا مردہ۔ بس ہر کسی کا اپنا نظریہ......

آنے والے آئے...... اپنی اپنی کہی، اپنی اپنی نظر سے دیکھا...... دکھ یا غم تو وہی محسوس کرتا ہے جس پر بیتتی ہے۔

آج آنکھوں نے یہ منظر یہاں دیکھا، کل کہیں اور دیکھیں گی، آج کانوں نے یہ سب سنا یہاں، کل کہیں اور سنیں گے۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ آنکھیں اور ہوں گی، کان اور ہوں گے، منظر وہی ہوگا، حالات یہی ہوں گے، وقت اور ہوگا۔

وقت کا کام ہے گزرنا، کبھی بھی وقت کسی کے لئے نہیں رکا۔ کبھی وقت اپنے دامن میں خوشیوں کا ذخیرہ بھر کر لاتا ہے اور کبھی دکھ، تکلیف پریشانی، مصیبت کی بھاری بھرکم گٹھڑی، جس کو اٹھانا انسان کی مجبوری ہے، خواہ کتنی ہی بھاری کیوں نہ ہو، خواہ انسان کتنا ہی ہلکان کیوں نہ ہوجائے مگر ہر کسی کو اپنے اپنے حصے کی یہ گٹھڑی اٹھانا ہی پڑتی ہے، کوئی مزدور کی طرح بوجھ ڈھو لینے کے بعد کی اجرت پر نظر رکھتا ہے اور خوشی خوشی مصلحت خداوندی سمجھ کر قبول کرلیتا ہے اور کوئی تکبر کے کوٹھے پر چڑھ کر اس گٹھڑی کو اٹھانا اپنی توہین سمجھتا ہے، اپنی شان کے خلاف گردانتا ہے۔ غرض کوئی کچھ بھی کرے، کچھ بھی سوچ لے، قدرت کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔

تبسم بیگم کو اس دنیا سے گئے تین دن ہوچکے تھے، مگر کسی کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ کل تک ہنستی مسکراتی زندگی کا سازوسامان کرتی تبسم اب اس جہانِ فانی سے کوچ کرچکی ہیں، آج تبسم بیگم کے گھر ان کے دور کے اور قریبی سب ہی رشتہ دار جمع تھے۔ ان کے ایصال ثواب کے لئے پہلے سب نے مل کر قرآن پاک ختم کیا پھر قریبی مدرسہ سے باجی کو بلاکر پرسوز بیان کروایا گیا، آخر میں دعا جس میں تبسم بیگم کے درجات بلندی اور مغفرت کی خصوصی التجا کی گئی تھی۔

آج تبسم بیگم کو دس دن ہوچکے تھے، جانے والا چلا

جاتا ہے، دنیا اپنے نظام کے مطابق چلتی رہتی ہے، بے شک جانے والے کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا، نہ پُر کر سکتا، پھر بھی قدرت کا نظام جاری وساری ہے۔

خدیجہ سونے کے لئے لیٹی تو اس کو یاد آیا کہ تبسم بیگم اپنی وفات سے ایک دن قبل خود جا کر اپنے لئے اور ان سب کے لئے ڈھیروں شاپنگ کر کے لائیں تھیں، ہر دو، تین ماہ بعد نیا ڈنر سیٹ، نئے نئے کپڑے، گھر کی آرائش و زیبائش کا سامان، گھر والوں کی آسائشات کا خاص خیال رکھتی تھیں، جتنا اللہ نے ان کو دیا تھا، اتنا ہی بے دریغ لٹاتی تھیں، مگر کون جانتا تھا کہ زندگی اتنی کم ہے اور افسوس کہ جس گھر میں ہر انسان کو قیامت تک رہنا ہے، باوجود معلوم ہونے کے کہ زندگی کے اگلے پل کا بھی بھروسہ نہیں ہے انسان اسی دنیا میں رہنے کی اعلیٰ سے اعلیٰ تیاری کرتا ہے، نہیں کرتا تو اس ڈیڑھ گز کے گھر کی۔

خدیجہ کی آنکھ سے پانی بہہ رہا تھا اور شدت ضبط سے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا، اس کو اپنی ماں کی وفات پر ہونے والے یکے بعد دیگرے بیانات نہیں بھول رہے تھے، خدیجہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی ماں دنیا کے لحاظ سے، دنیاداری کے لحاظ سے بہت بہترین عورت تھی، دنیاوی لحاظ سے ایک بہت اچھی ماں تھی، مگر اس کو بہت یاد کرنے پر بھی یاد نہ آتا تھا کہ اس کی ماں نمازیں پابندی سے پڑھتی تھی، اس کی ماں کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے جیسے گھومتا رہتا تھا، حدیث مبارکہ کا مفہوم اس کے اندر بازگشت کرتا رہتا۔ ''جو شخص نماز کا اہتمام کرتا ہے اللہ تعالیٰ ''پانچ'' طرح اس کا اعزاز واکرام فرماتے ہیں، ایک یہ کہ اس پر سے رزق کی تنگی ہٹا دی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس سے عذاب قبر ہٹا دیا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ قیامت کو اس کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور چوتھے یہ کہ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گزر جائے گا، پانچویں یہ کہ بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص نماز میں سستی کرتا ہے اس کو پندرہ طریقے سے عذاب ہوتا ہے، پانچ طرح دنیا میں اور تین طرح موت کے وقت اور تین طرح قبر میں اور تین طرح قبر سے نکلنے کے بعد، دنیا کے پانچ عذاب تو یہ ہیں کہ اول اس کی زندگی میں برکت نہیں رہتی، دوسرے یہ کہ صلحاء کا نور اس کے چہرے سے ہٹا دیا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ نیک کاموں کا اجر ہٹا دیا جاتا ہے، چوتھے یہ کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، پانچویں یہ کہ نیک بندوں کی دعاؤں میں اس کا استحقاق نہیں رہتا اور موت کے وقت کے تین عذاب یہ ہیں کہ اول ذلت سے مرتا ہے، دوسرے بھوکا مرتا ہے، تیسرے پیاس کی شدت میں موت آتی ہے، اگر سمندر بھی پی لے تو پیاس نہیں بجھتی۔ قبر کے تین عذاب یہ ہیں کہ اول قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، دوسرے قبر میں آگ جلا دی جاتی ہے، تیسرے قبر میں ایک سانپ اس پر ایسی شکل کا مسلط کر دیا جاتا ہے کہ جس کی آنکھیں آگ کی ہوتی ہیں، ناخن لوہے کے اتنے لمبے کہ ایک دن پورا چل کر اس کے ختم پر پہنچا جائے، اس کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے تجھ پر مسلط کیا ہے۔ تجھے صبح کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے آفتاب کے نکلنے تک مارے جاؤں، ظہر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے عصر تک مارے جاؤں اور پھر عصر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے غروب تک اور مغرب کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے عشاء تک اور عشاء کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے صبح تک مارے جاؤں، جب وہ سانپ ایک بار مارتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ مردہ ستر ہاتھ زمین میں دھنس جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت تک اس کو عذاب ہوتا رہے گا اور قبر سے نکلنے کے بعد تین عذاب یہ ہیں کہ ایک تو حساب سختی سے لیا جائے گا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کا غصہ اس پر ہوگا، تیسرے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ کل میزان چودہ ہوتی ہیں، ممکن ہے کہ پندرہویں بھول سے رہ گئی ہو۔ مگر ایک دوسری روایت

میں یہ بھی ہے کہ اس کے چہرے پر تین سطریں لکھی ہوتی ہیں، پہلی سطر: اے اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے، دوسری سطر: اے اللہ کے غصے کے ساتھ مخصوص، تیسری سطر جیسا تو نے دنیا میں اللہ کے حق کو ضائع کیا، آج تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ اب اس کو اپنی ماں کی کیفیت کا ادراک ہونے لگا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ اپنی ماں کے لئے کیا کرے؟؟...... اس کو اپنی کیفیت ہی سمجھ نہیں آتی تھی، ایک طرف ماں کی جدائی ناقابل برداشت معلوم ہوتی تھی، دوسری طرف اپنی ماں کے آخری لمحات کی حالت وکیفیت نہ بھول پا رہی تھی، ایک طرف اپنی ماں کا وہ دور، وہ مرحلہ جس سے وہ فی الوقت گزر رہی ہوں گی۔ بار بار اس کو ہولاتا تھا اور کبھی یہ فکر کسی بھوت کی طرح سوار ہو جاتی کہ اس نے اپنی اس آخری لمحات کی کیفیت وحالت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی کہ کیا واقعی اس کی ماں اس آنے والے وقت سے انجان تھی یا وہ اپنی زندگی اپنے اعمال سے اتنی مطمئن تھی کہ اس کو اس مرحلے کی کامیابی کا بھی یقین تھا؟؟ اگر واقعتاً ایسا ہی تھا تو وہ کیوں خود کو اتنا بے چین محسوس کر رہی ہے، کیوں اس کی ماں کے چہرے پر ان آخری لمحات میں وہ آسودگی نہ تھی جو زندگی بھر ان کے نہ صرف چہرے سے بلکہ پورے وجود سے ٹپکتی تھی، حدیث مبارکہ کے الفاظ اس کے دل ودماغ پر ہتھوڑا بن کر برستے تھے، بے بسی کی شدت سے اس کی آنکھوں سے گرم سیال روانی سے بہتا ہی چلا جاتا، اس کو لگتا کہ اس کا دل بس ابھی پھٹ ہی جائے گا۔

☆......☆......☆

عباس صاحب، خدیجہ کی حالت کی وجہ سے بہت پریشان تھے، تبسم بیگم کو آج ایک ماہ ہو چلا تھا، رفتہ رفتہ سب اپنی اپنی روٹین پر آ رہا تھا۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہے، اگر وقت کسی کو زخم لگاتا ہے تو مرہم بھی آپ ہی لگاتا ہے، سب نے خود کو سنبھال لیا تھا، عباس صاحب، عائشہ بڑے بھیا عمیر، چھوٹے دونوں بھائی عمر اور علی نے بھی اپنی ماں کی موت کو ایک تلخ، مگر سچی حقیقت سمجھ کر قبول کر لیا تھا، سوائے ایک خدیجہ کے سب نے اپنی وہی روش اختیار کر لی تھی، عباس صاحب اس وجہ سے پریشان تھے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ خدیجہ کو اپنی ماں کی موت کا یقین ہی نہیں آ رہا، وہ اپنی ماں کی جدائی برداشت نہیں کر پا رہی، مگر حقیقت اس کے برعکس تھی کہ خدیجہ کے اندر سوالات کا ایک طوفان برپا تھا، زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ کیا زندگی کی صرف موت تک کی حقیقت ہے؟ اگر زندگی کی حقیقت اگر یہیں اسی دنیا میں موت کے آنے سے پہلے تک محدود ہے تو پھر اس حدیث مبارکہ کا کیا مطلب ہے جو میرے دل ودماغ کو ایسے چمٹ گئی ہے جیسے لکڑی کو دیمک۔ اگر موت کے بعد کچھ نہیں ہے تو وجود کائنات کا مقصد کیا ہے؟ انسان خوشحال زندگی بسر کرنے کے لئے تاعمر جدوجہد کرتا ہے، پیسہ کماتا ہے، پھر جب وہ خوش ہے، مطمئن ہے، خوشحال ہے، تو موت کا مقصد کیا ہے؟؟ پھر موت کیوں آ جاتی ہے؟؟ اگر موت کے بعد کوئی مرحلہ نہیں تو میری ماں آسودہ کیوں نہیں تھی موت کے وقت؟ اس کے چہرے پر کس چیز کا کرب تھا، وہ کیا کہنا چاہتی تھی؟؟ کیا مائیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو سب سے مشکل اور کڑے امتحان کی تیاری تو درکنار، اس کے متعلق ساری زندگی ایک لفظ بھی اپنی اولاد کو نہ بتائیں۔ اپنی بیٹیوں کو نہ بتائیں، وہ بیٹیاں جن کو وہ دکھ سکھ کا ساجھی کہتیں ہیں، وہ بیٹیاں جن کی پیدائش کے وقت سے ہی ان کی رخصتی ''جہیز'' کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں، وہ بیٹی جس کو ماں ہر پل اگلے گھر ''سسرال'' کے بارے میں کوئی نہ کوئی نصیحت کرتی رہتی ہے، وہ بیٹی جس کو کھانے بنانے میں ماہر کرنا ماں اپنا سب سے پہلا فرض سمجھتی ہے، وہ بیٹی جس کو ماں ہر فن مولا دیکھنا چاہتی ہے، وہ بیٹی جس کے سسرال میں اس کا سر بلند کرنے کے لئے ماں ہر طرح کا دنیاوی رکھ رکھاؤ رکھتی ہے، وہ بیٹی جس کو

ہر حال دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہے، وہ بیٹی جس کو ہر ماں خوش دیکھنا چاہتی ہے، وہ بیٹی جس کی ہر ماں گود ہری دیکھنا چاہتی ہے، وہ بیٹی جس کے منہ میں ہر ماں اپنے منہ کا لقمہ تک ڈال دیتی ہے، ہاں وہ بیٹی جس کو بخار ہو تو ماں ساری رات جاگ کر گزار دیتی ہے، وہ بیٹی جس کی ذرا سی تکلیف پر بھی ماں خود سراپا تکلیف سہہ کر مرہم بن جاتی ہے، پھر یہ ماں کیسے بھول سکتی ہے کہ اسی بیٹی نے ایک دن مرنا بھی ہے، کیسے بھول سکتی ہے کہ سب سے پہلے نمازوں کی پوچھ گچھ ہوگی، کیسے بھول سکتی ہے کہ قبر میں یہ بیٹی تنہا اپنی سزا بھگتے گی، کیسے بھول سکتی ہے کہ آخرت میں زندگی کے ہر پل کا یہ بیٹی حساب دے گی، سوالات اتنے تھے کہ ختم ہی نہ ہوتے تھے، مگر جواب کون دے گا، جب سب ملنے والے جمع ہوتے تبسم بیگم کے لئے دستورِ زمانہ کے مطابق ایصال ثواب کے لئے قرآن پاک ختم کرتے تو ان کی دونوں بیٹیاں حیرت و پریشانی "اور کبھی یہ پریشانی شرمندگی میں ڈھل جاتی" سے سب کو تکتی رہتیں یا کسی کے کہنے پر کلمے کی تسبیح کرنا شروع کر دیتیں۔ کس قدر غریب ہوں میں اپنی ماں کو قرآن پاک خود پڑھ کر بھی نہیں بخش سکتی۔ خدیجہ تاسف کے ساتھ سوچتی، مگر اس میں کس کا قصور ہے؟ میرا یا میری ماں کا یا پھر ماں باپ دونوں کا؟ میری ماں نے مجھے تربیت میں اپنا ہر ہنر جیسے گھول کر پلا دیا۔ کس بات کے کتنے پہلو نکل سکتے ہیں میری ماں نے مجھے بچپن سے ہی ازبر کرا دیا تھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اسکول اور اعلیٰ سے اعلیٰ اداروں سے میں نے تعلیم اور دیگر فنون سیکھے، میری ماں کی خواہش تھی، میں نے شادی کے بعد اپنے سسرال والوں کے ساتھ کس طرح رہنا ہے، میری ماں نے میرے بالغ ہونے کے بعد مجھے اچھی طرح سمجھا دیا تھا، پھر یہ مقدس کتاب یہ ہماری زندگی کی وہ جمع پونجی، جو ہم نے اپنے ساتھ لے کر جانی تھی قبر میں، جو قیامت کے دن لے کر اٹھنی تھی کہ شاید اسی کے عوض میں آخرت کی سختی سے بچ سکیں کیوں میری ماں نے مجھے اس خزانے سے محروم رکھا، یہ خزانہ صرف میرے کام نہ آتا، امی آپ کے بھی کام آتا، اب میں بیٹھ کے سب کے منہ تکنے کے بجائے دل کی گہرائی سے آپ کے لئے یہ پڑھ رہی ہوتی۔ تقریباً دو ڈھائی ماہ ہو چکے تھے تبسم بیگم کو اس دنیا سے گئے مگر ابھی تک خدیجہ کی چپ نہ ٹوٹی تھی۔

بابا، خدیجہ نے اپنے والدین کے مشترکہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اپنے والد صاحب کو پکارا، جو غالباً کسی فائل کی ورق گردانی میں مصروف تھے۔ آؤ، آؤ، بیٹا شکر کہ تمہاری چپ تو ٹوٹی، عباس نے جھٹ فائل بند کر کے بیٹی کی جانب مکمل طور متوجہ ہوتے ہوئے کہا اور اپنے قریب ہی اشارہ کرتے ہوئے بیٹھنے کو کہا۔

بولو بیٹا، کیا بات ہے، جب خدیجہ کافی دیر خاموش رہی اور اضطراری کیفیت میں اپنی انگلیاں مروڑتی رہی تو عباس صاحب نے بہت شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

ان کے اس شفقت بھرے لمس سے اس کی آنکھیں پھر نمکین پانیوں سے لبالب بھر گئیں۔

بابا میں کسی بزرگ میرا مطلب ہے کہ عالم سے ملنا چاہتی ہوں، خدیجہ نے بمشکل باہر نکلتے سیلاب کو اپنی آنکھوں میں روک کر کہا، مگر اس کی آواز کی نمی عباس صاحب سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

دیکھو بیٹا، آخر کو ایک دن سب نے ہی مرنا ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میری بیٹی جو بیٹوں سے بھی زیادہ بہادر ہے، آخر کیوں اس حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہی، کیوں خود کو سنبھال نہیں پا رہی۔ عباس صاحب بہت نرمی سے بولے تھے۔

بابا یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ جب یہ حقیقت عیاں ہے کہ بالآخر اس زندگی کا بھی ایک اختتام ہے، ہم سب کو مرنا ہے پھر کیوں آپ نے اور امی نے ہمیں اس حقیقت سے آگاہ نہ رکھا۔ ہمیں اس قابل بھی نہ بنایا کہ

ہم اپنی ماں کے لئے کم از کم قرآن پاک پڑھ کر ہی ان سے رابطے میں رہیں، ان کو ثواب بھیجیں۔ یہ ماسٹرز میرے کس کام کا بابا۔ کیا میں بھی اپنی ماں کی طرح سسکتی ہوئی موت مروں گی۔ بابا جواب دیں، پلیز میرا دم گھٹ رہا ہے۔ وہ بالآخر رو پڑی۔

بیٹا، آخر دنیا میں رہنے کے بھی کچھ ضابطے، کچھ اصول ہیں، اب ہر وقت تو نماز، قرآن، تسبیح نہیں کر سکتے ناں۔ عباس صاحب نے تھکا سا جواب دیا۔ یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے بابا، آپ پلیز مجھے کسی ایسی شخصیت سے ملوا دیجئے جو مجھے مطمئن کر سکے، میری ماں کی آخری کیفیت مجھے بھولتی ہی نہیں ہے۔ آپ کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں ناں، خدیجہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا۔

ریلیکس بیٹا، ریلیکس پلیز، میں صبح سب سے پہلے آپ کا ہی کام کروں گا، پلیز اب رونا مت، عباس صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا، پھر اس کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

☆......☆......☆

مجھے بہت دکھ ہوا بیٹا آپ کے بارے میں جان کر، آپ کے والدین نے نہ صرف آپ کے ساتھ ظلم کیا بلکہ خود اپنے ساتھ بھی بہت بڑا ظلم کر بیٹھے ہیں، یہ دولت، زندگی یہ سب تو اللہ کی امانت ہے۔ مگر بیٹا آپ مایوس نہ ہو ابھی وقت ہے حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین عملوں کے، نمبر ایک صدقہ جاریہ، دوسرا کھاتہ ایسا علم ہے جس سے اس نے دوسروں کو فائدہ پہنچایا ہو، تیسرا نیک اولاد، اللہ پاک نے آپ کو نواز رکھا ہے، آپ مستحق، غریب لوگوں کو تلاش کر کے ان کی مدد کریں، دینی اداروں میں اللہ کی رضا کے لئے تعاون کریں، یہ دولت صرف اسی صورت کام آسکتی ہے، مرنے کے بعد، صدقہ، خیرات، اللہ کے نام پر خرچ کیا ہوا ایک روپیہ بھی رائیگاں نہیں جاتا، دوسرا علم تو علم کے دروازے تو موت تک کھلے ہیں، آپ کسی بھی مدرسے میں داخلہ لے کر قرآن پاک پہلے تجوید کے ساتھ پڑھیں، پھر سمجھ کر پڑھیں اور تیسرا نیک اولاد، تو اب آپ اللہ کے احکامات کی پاسداری کریں جبکہ آپ کو خود بھی احساس ہو ہی چکا ہے، اگرچہ آپ کو مشکل ہوگی مگر آہستہ آہستہ کوشش کریں، آپ کی اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) والی زندگی آپ کی والدہ کے لئے باعث نجات بن سکتی ہے اور پھر یہ علم و عمل صرف الٰہی ذات تک محدود رکھنے سے یہ سب فوائد حاصل نہ ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبلیغ اپنے گھر سے شروع کی تھی، آپ یہ خیال قطعاً دل میں نہ لائیں کہ سراسر قصور آپ کے والدین کا ہے اور جو آپ کو دنیاوی تعلیم اور دنیاوی فنون میں مہارت حاصل کروائی گئی ہے، یہ فضول یا بے کار ہے، اللہ پاک کے ہر کام میں حکمت ہے، یقیناً یہ سب کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی طرح آپ کے کام آئے گا، دین یہ نہیں کہتا کہ آپ دنیا کا کوئی کام نہ کریں، دنیاوی تعلیم حاصل نہ کریں، دین تو صرف یہ چاہتا ہے کہ دنیا کا کام بھی دین کے زیر سایہ کیا جائے تاکہ وہ آخرت کے لئے ذخیرہ ہو جائے۔

عباس صاحب نے اگلے دن سب سے پہلے وعدے کے مطابق قابل اعتماد بزرگ سے بات کی تھی، انہوں نے عباس صاحب کی زبانی خدیجہ کی ساری حالت سن کر یہی مناسب سمجھا کہ آج ہی اس بچی کو اس مشکل سے آزاد کرا دیا جائے۔

عباس صاحب اگرچہ عملی طور پر دین سے دور تھے، مگر زکوٰۃ وغیرہ کے معاملات میں اپنے علاقے کے قریبی مدرسے کے عالم سے ان کے کافی اچھی جان پہچان تھی۔

مولانا عبداللہ صاحب نے اپنی جانب سے عباس صاحب پر بہت محنت کی تھی مگر......

مگر اب ان کی بیٹی کی یہ حالت و کیفیت جان کر ان

کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ شاید ان کی بیٹی نے ہی اس گھرانے کی ہدایت کا سبب بننا تھا، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کی موت کسی کی ہدایت کا سبب بن جاتی ہے۔

☆......☆......☆

کچھ عرصے میں خدیجہ اتنی بدل چکی تھی کہ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ وہی خدیجہ ہے، خدیجہ کو خدیجہ عباس سے خدیجہ زبیر بنے دس سال ہو چکے تھے مگر کسی نے اس کو پہلے کی طرح ہنستے، کھلکھلاتے نہیں دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

زینب بیٹا اٹھ جاؤ! نماز کا وقت ختم ہو جائے گا، خدیجہ نے اپنی سب سے بڑی آٹھ سالہ بیٹی کو فجر کی نماز کے لئے دوسری بار اٹھایا تھا۔

امی...... بس تھوڑی دیر اور سونے دیں ابھی...... زینب کی آواز نیند سے بوجھل تھی۔

زینب بس اٹھ جاؤ، فجر کی نماز کا وقت پہلے ہی کم ہوتا ہے، خدیجہ کا دل لمحے بھر کے لئے نرم ہوا تھا، ابھی اس کی عمر اتنی بھی نہیں کہ...... اس سے پہلے کہ خدیجہ اور کچھ سوچتی، اس کے ذہن میں مولانا عبداللہ کی آواز گونجی تھی، تیسرا نیک اولاد۔ اب کی بار اس نے سختی سے زینب کو اٹھایا تھا، آج ان پر سختی کرلوں کل کو ان کا ہی فائدہ ہوگا، خدیجہ نے منہ بسورتی زینب کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا، جس دن اس کی شادی ہوئی تھی اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو اس ایک "پل" کے لئے ان کے ہوش سنبھالنے سے ہی تیار کرے گی، کم از کم اس کی اولاد کے اس کی طرح بیس، پچیس سال بالکل ہی دین سے تو دور نہیں گزریں گے اور جس دن سے اس کی بیٹی زینب نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو اس کو سمجھ آنے لگا کہ عورت کو گھر کی ملکہ کیوں بنایا گیا ہے، گھریلو ذمہ داری ہی صرف پردے کا باعث نہیں بلکہ آنے والی نسل کی "ماں" ذمہ دار ہوتی ہے۔ عورت کے گھر میں رہنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ بچے پر لمحہ لمحہ نظر رکھتی ہے، لمحہ لمحہ بڑھتی اس کی عمر کے تقاضوں کے مطابق اس کی نہ صرف ضروریات پوری کرتی ہے بلکہ اسی عورت "ماں" نے ہی اس بچے کو اپنے اصل سے واقف کرانا ہوتا ہے، اس کی تربیت میں ہی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت گھول کر پلانی ہوتی ہے وگرنہ جیسی تربیت ماں کرے گی کل کو اس کے سامنے وہی کچھ آئے گا جو وہ اپنے بچے کو سکھائے گی۔ خدیجہ نے مولانا عبداللہ سے ملنے کے بعد اسی مدرسہ میں داخلہ لے کر قرآن پاک یا تجوید پڑھا پھر ترجمہ تفسیر کے ساتھ ضروری مسائل جس سے انسان کم از کم روزمرہ کے معمولات میں گناہوں سے بچ سکے جس کا اہتمام اب الحمدللہ ہر مدرسے میں ہی دو سال کے کورس کی صورت کرایا جاتا ہے، جب خدیجہ دوسرے سال میں تھی تبھی عباس صاحب نے اس کی شادی کا ارادہ کرلیا تھا، اس سے پہلے بڑے بھیا کی شادی خدیجہ اپنی پسند سے مدرسے ہی سے فارغ التحصیل آمنہ سے کرا چکی تھی، خدیجہ کی بھرپور کوشش سے عباس صاحب اور بڑے بھیا عمیر نے اپنے چہرے کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم (داڑھی) سے سجالیا تھا، گھر میں سب ہی نماز کی طرف توجہ دینے لگے تھے، آمنہ کے آجانے سے آہستہ آہستہ گھر میں سب کو چھوٹی چھوٹی سنتیں اور وہ باتیں معلوم ہونے لگیں جن کو عام طور پر گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا تھا، عائشہ کو اصرار کر کے خدیجہ نے دو سالہ کورس کے لئے راضی کیا تھا، وہ چار سالہ کورس کے لئے رضا مند نہ تھی، خدیجہ کا خیال تھا کہ جب قرآن پاک سمجھ کر پڑھے گی تو علم کی طلب خود بخود محسوس ہوگی چونکہ خدیجہ بڑی بیٹی تھی گھر کی ذمہ داری اس پر تھی، اسی وجہ سے وہ باوجود خواہش کے چار سالہ کورس نہ کر سکی تھی، پھر بھی خدیجہ کو اطمینان تھا کہ اس نے کچھ نہ کچھ تو اپنے گھر والوں کو اس ایک پل کی تیاری کے لئے آمادہ کرلیا تھا۔ اب آہستہ آہستہ اس سے اگلے مرحلے قبر کے لئے بھی بالآخر وہ خود سوچنے پر مجبور ہو ہی جائیں گے۔

امی!!!! اسکول جانے کے لئے بالکل تیار بیٹھی زینب نے ناشتہ کرتے ہوئے خدیجہ کو متوجہ کیا۔

جی بیٹا، خدیجہ نے اس کے سامنے دودھ کا گلاس رکھتے ہوئے اسی کے انداز میں کہا تھا۔ زینب کے متوجہ کرنے پر چھ سالہ دانش اور چار سالہ ربیعہ بھی متوجہ ہو چکے تھے۔ ربیعہ کو اسکول میں داخل کرائے چند دن ہی ہوئے تھے، سب سے چھوٹا دو سالہ احمد اس وقت سو رہا تھا۔

ویسے تو آپ بہت اچھی ہیں آئیڈیل پرسن، مگر جب صبح نماز کے لئے آپ اٹھاتی ہیں ناں تو آپ کسی ظالم حکمران سے کم نہیں لگتیں اور آپ کو پتہ ہے میری کوئی فرینڈ نماز نہیں پڑھتی اور نور کو تو نماز آتی بھی نہیں، امی سب مجھے بی اماں کہتے ہیں، میرا اسکارف دیکھ کر۔ زینب نے شکایتی انداز میں اپنی بات شروع کی تھی مگر بچی تھی ساتھ ساتھ اپنے ہم عمر بچوں سے اپنا موازنہ کرنے لگی۔

امی یہ دیکھیں، درمیان میں ربیعہ نے اپنی طرف خدیجہ کو متوجہ کیا، اس کے ہاتھ میں ایک چاکلیٹ تھی۔

یہ چاکلیٹ آپ مجھے کیوں دکھا رہی ہو ربیعہ، خدیجہ نے پوچھا۔ امی میری فرینڈ ہے ناں ہادیہ، میں نے کل اس کو کہا تھا کہ اپنی دادی اماں کے ساتھ کل تم ساری نمازیں پڑھ کر آنا، پھر میں تمہیں ایک گفٹ دوں گی۔ امی آپ نے اس سنڈے کو جو اسٹوری سنائی تھی، اس میں پری نے بھی اس گڑیا کو نماز پڑھنے پر چاکلیٹ دی تھی ناں۔ ربیعہ نے انتہائی معصومیت کے ساتھ ٹوٹے پھوٹے لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔ خدیجہ کو اس لمحے اس پر ٹوٹ کر پیار آیا، بے ساختہ ہی اس نے ربیعہ کو گود میں بھرلیا اور خوب سا پیار کیا۔

شاباش میری شہزادی! یہ لو آپ کا انعام، خدیجہ نے دوپٹے کے پلو سے بیس کا نوٹ کھول کر اس کو دیا۔

زینب بیٹا، کوئی بھی کچھ بھی کہے مگر آپ کو وہی کرنا ہے جو اللہ کا حکم ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ خدیجہ نے زینب کو سمجھایا اور اسی وقت اسکول وین آگئی۔

زینب اب بڑی ہو رہی ہے اپنے ہم عمر بچوں کو دیکھ کر اس کو دنیا کی رنگینی متاثر کر رہی ہے، وہ لاشعوری طور پر اپنا موازنہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کرنے لگتی ہے، بچوں کے اسکول چلے جانے کے بعد جب زبیر نہا دھو کر ناشتہ کرنے کچن میں آئے تو خدیجہ نے اپنی پریشانی ان کے سامنے رکھی۔

بیگم آپ پریشانی نہ ہو، بس تربیت میں ذرا بھی کوتاہی نہ آنے دیجئے اور ضرورت سے زیادہ سختی سے بھی گریز کریں، ان شاء اللہ جب ہمارے بچے عملی زندگی میں قدم رکھیں گے تو ان کو خود بخود انہیں ادراک ہو جائے گا کہ کون صحیح، کون غلط ہے۔

خدیجہ کو لگتا تھا کہ اس کا شوہر اس کے لئے اللہ کا اس دنیا میں ہی بہت بڑا انعام ہے۔ نہ وہ حافظ تھا، نہ عالم تھا۔ بس اس نے قرآن کریم باقاعدہ با تجوید بچپن میں ہی پڑھا تھا، مگر اس کے والدین نے اس کی تربیت ایسے کی تھی کہ اس کو سونے سے لے کر جاگنے تک دن رات، زندگی کے ہر معاملے میں کیا سنت ہے، کیا بدعت ہے، کیا اللہ کو پسند ہے کیا ناپسند؟ سب معلوم تھا، اس بچپن کی تربیت کو عادات میں بدلنے کے لئے اس کے والد نے اس کا رشتہ تبلیغی جماعت سے ایسا جوڑا تھا کہ وہ گھر سے زیادہ اللہ کے راستے میں رہنا محبوب گردانتا تھا۔ آپ کو پتہ ہے کہ میں کبھی کبھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہوں کہ میرے بچے بھی میری طرح ہر طرح کی فکر سے آزاد بچپن گزاریں۔ کتنی بے فکری پرسکون زندگی تھی میری بھی۔ پتہ ہی نہیں تھا کہ نماز کی کیا اہمیت ہے، پردے کی کیا اہمیت ہے، اگر میری ماں اتنی جوانی میں اس دنیا سے نہ جاتی تو شاید میں بھی اپنی ماں کی طرح اسی دنیا کی فکر میں مگن چل بستی، آج تک میں اپنی ماں کی وہ آخری کیفیت، آخری لمحات نہیں بھول سکی۔ سوچتی ہوں کہ میں نے تو صرف دیکھا تھا، مگر میری ماں، اس پر تو سب بیت رہا تھا، کیسے وہ اس مرحلے سے گزری ہوں گی۔ اس کی

آنکھیں بہہ پڑیں۔

اللہ کا شکر کرو بیگم کہ اس نے بروقت تمہیں احساس دلایا کہ تم کتنے بڑے نقصان کی جانب رواں دواں ہو، زبیر نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے، بہت نرم تسلی آمیز لہجے میں کہا تھا۔

اس ذات مہربان کا تو میں جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے، مگر احمد کے بابا، ماں تو ماں ہوتی ہے ناں۔ میری ماں کی ایسی زندگی کا ذمہ دار کون ہے؟ میں نے خود کو کتنا بدل لیا، بے شک، میرے ہدایت پر آنے کا سبب میری ماں بنی، اگرچہ اس نے میری ایسی تربیت نہ کی تھی مگر وہ جاتے جاتے بھی سب خود پر جھیل کر مجھ پر اپنی ممتا نچھاور کر گئی، مجھے آخرت کی تباہی سے بچا گئی۔ مجھے لگتا ہے امی اس وقت یہی کہنا چاہتی تھی کہ میری طرح تم بھی خدیجہ اس دنیا اور اس گھر کے لئے اپنی آخرت، اپنی قبر، اپنی موت کو بھاری نہ کر لینا۔ خدیجہ کو آج زینب کی اور ربیعہ کی باتوں سے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا، شاید اسی کے زیر اثر تھی کہ اپنی ماں کو یاد کرنے لگی اور بالآخر زبیر کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔ ماں تو ماں ہوتی ہے نا۔ زبیر نے آہستگی سے اپنی بیگم کو اپنی آغوش میں بھر لیا تھا۔

☆......☆......☆

زینب کی آنکھ کھلی فجر کی اذان سے۔ وہ اذان سنتی رہی، کافی دیر گزرنے پر بھی جب خدیجہ اٹھانے نہ آئی تو زینب کو تشویش ہونے لگی۔ تین سال کی عمر سے بارہ سال تک مقررہ وقت پر خدیجہ اٹھاتی تھی، اب عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی، آنکھ خود بخود کھل جاتی تھی، مگر معلوم تھا کہ امی ابھی اٹھانے آئیں گی تو اٹھ جائیں گے، مقررہ وقت سے دس منٹ اوپر ہوئے تو زینب اٹھ بیٹھی۔ بارہ سالہ زینب دس سالہ دانش اور آٹھ سالہ ربیعہ اور چھ سالہ احمد حسب عادت مقررہ وقت پر اٹھ چکے تھے، مگر معمول کے مطابق اپنی ماں کا انتظار کرنے لگے۔ زینب کو اٹھ کر بیٹھتا دیکھ کر ربیعہ بھی اٹھ بیٹھی۔ ساتھ دانش بھی، مگر احمد ابھی نیند میں تھا۔ احمد اٹھو، آج امی کو ہم اٹھائیں گے، آج ہم امی کو بتائیں گے کہ نماز پڑھنے والوں سے اللہ محبت کرتے ہیں، نماز پڑھنے والوں کو سکون کی موت آتی ہے۔ دانش نے احمد کے گال تھپتھپائے، احمد بھی اٹھ بیٹھا تھا۔

خدیجہ کے سر میں رات کو شدید درد تھا، زبیر نے اس کو سر کے درد کی گولی کے ساتھ سکون آور گولی بھی دے دی تھی، اس کے باوجود بھی اس کی آنکھ مقررہ وقت پر ہی کھلی تھی، مگر آنکھیں بوجھل تھیں۔

اب کیسی طبیعت ہے حضور کی۔ زبیر نے باتھ روم سے وضو کر کے نکلتے ہوئے اس کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر پوچھا تھا۔

الحمد اللہ! خدیجہ نے کہا اور نماز کے لئے اٹھ گئی، جب وہ وضو کر کے باہر آئی تو اس کا رخ بچوں کے کمرے کی طرف تھا، مگر زبیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اس کے ارادے سے باز رکھا تو اس نے ناسمجھی کے عالم میں ان کی طرف دیکھا۔ آج ہماری شادی کو سولہ سال ہو گئے اور زینب کو اٹھاتے ہوئے کل پورے بارہ سال۔ آج ہماری محنت، تربیت، کوشش کا امتحان ہے کہ ہم اپنے بچوں کو زبردستی اس طرف لا رہے ہیں یا ان کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم والی زندگی کی سچی طلب بیدار کرنے میں کامیاب ہیں۔ تم اندر جا کر پڑھو، میں مسجد جا رہا ہوں۔ آج بچے ہمیں اٹھانے آئیں گے نماز کے لئے تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ زبیر نے اس کی پریشانی کم کی۔

مگر زینب کے بابا! بچے تو ابھی بچے ہیں، ناسمجھ ہیں اور اپنی محنت، کوشش کا امتحان لینا تو بے وقوفی ہے میں تو آج تک یہ سمجھ کر سوچ کر کوشش کر رہی ہوں کہ یہ ان بچوں کی دینی تربیت کی خدمت اللہ پاک مجھ سے لے رہے ہیں ورنہ......

بس۔ اس سے آگے خدیجہ کچھ کہتی زبیر نے روک دیا۔ دیکھو بیگم، یہی سمجھ لو کہ اللہ پاک جو اپنے سچے دین کی

خدمت آپ سے لے رہیں، کیا وہ اس کے ہاں قبول ہے، اگر قبول ہے تو یقیناً سب بچے اٹھ کر خود بھی نماز پڑھیں گے اور ہمیں اٹھانے بھی آئیں گے، اگر ایسا نہ ہوا تو آپ کی یہ خدمت اللہ کے لئے خالص نہیں ہے۔ زبیر اس کو ہکا بکا چھوڑ کر چلے گئے تو اس کو بھی اپنے کمرے میں آنا پڑا۔ نماز شروع کرنے سے پہلے اس نے صدق دل سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ آج سے پہلے تک اگر میری نیت میں اخلاص نہیں تھا تو آج میں توبہ کرتی ہوں، میں نے شادی کے بعد اپنے بچوں کی پرورش صرف اور صرف تیری رضا کے لئے دینی خطوط پر کی ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ میں نے کوئی محنت کی، میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ تو نے مجھ سے جو خدمت لی ہے اس کو قبول فرما لے۔ ضبط کرتے کرتے بھی آنسو اس کے گالوں پر لڑھک ہی آئے تھے۔ آنسو صاف کر کے اس نے نیت باندھی۔ دو سنت پڑھ کر بے چینی سے دروازے کو دیکھا، آخر کو ماں تھی، ماں کی ممتا کے ساتھ آج اس کے اخلاص کی بھی شاید آزمائش تھی۔ پھر اس نے دو فرض کی بھی نیت باندھ لی۔ جب وہ سجدے سے اٹھنے لگی تو اس کو دروازے پر آہٹ محسوس ہوئی، اس کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ اس نے خود کو سرزنش کی کہ نماز کی حالت میں ہے۔ اگر میں ایک ماں ہوں تو اللہ بھی اپنے ہر بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

اوہ...... دیکھو دانش آج امی ہمیں اٹھائے بغیر نماز پڑھ رہی ہیں۔ قیام میں اس نے زینب کی آواز سنی۔ اس کو زینب کی آواز میں خفگی سی محسوس ہوئی تھی۔

دیکھو ابو بھی آج ہمارے بغیر نماز پڑھنے چلے گئے ہیں، دانش نے افسوس کا اظہار کیا۔

خدیجہ نماز میں بھی ایک طویل مدت بعد سچے دل سے مسکرائی تھی۔

اب میں کیسے نماز پڑھوں گی، امی مجھے تو اپنے ساتھ نماز پڑھاتی ہیں ربیعہ کی فکر سب سے جدا تھی۔

مجھے تو نیند آ رہی ہے مگر نماز کے بغیر سوؤں گا تو میٹھی نیند نہیں آئے گی ناں، احمد کو اپنی نیند یاد آئی تھی۔

چلو اب یہاں کھڑے ہو کر باتیں ہی کرتے رہے تو نماز قضا ہو جائے گی تم دونوں فٹافٹ بھاگو مسجد، اور ربیعہ تم آج میرے ساتھ نماز پڑھ لو اور سنو، مسجد جا کر ابو کے ساتھ ہی نماز پڑھنا، ابھی احمد کو ساری نماز یاد نہیں ہوئی ہے، زینب نے فکر مندانہ انداز میں کہا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

خدیجہ جو سجدے میں تھی، اس کا سجدہ آپ ہی آپ اتنا لمبا ہو گیا تھا۔

بیگم کیا آج آپ اشراق کے وقت ہی سجدے سے اٹھیں گی، زبیر کی آواز پر خدیجہ نے اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ سجدہ سے اٹھایا اور سلام پھیرا۔

یعنی آپ فجر کی نماز کے سجدے میں تھی، زبیر کو حیرانی ہوئی۔

وہ بس...... خدیجہ کوئی وضاحت نہ دے سکی۔

آپ پریشان نہ ہوں بیگم جب انسان پر اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوتی ہے ناں تو انسان اس کی بے بہا نعمتوں اور رحمتوں پر یوں ہی بے بس ہو کر اس کو پکارتا ہے اور باقی سب بھول جاتا ہے کہ وہ فرض نماز ادا کر رہا ہے۔ انتہائی سنجیدگی سے بات کرتے ہوئے بھی آخر میں زبیر اس کو چھیڑنے سے باز نہ آئے۔

آپ بھی ناں۔ خدیجہ جھینپ گئی۔

دیکھیں بیگم اللہ نے آپ کی خدمت قبول کر لی ہے۔ آپ ساری زندگی بھی شکر ادا کریں تو کم ہے۔ زبیر نے کہا تو آج خدیجہ دل کھول کر مسکرائی تھی۔ یہ مسکراہٹ تشکر آمیز تھی۔

☆......☆......☆

ہاں بھئی بچوں آج آپ کو کیسا لگا، اپنی نماز کی خود فکر کر کے؟

آج اتوار تھا، اتوار کو سب ساتھ بیٹھ کر ہی ناشتہ

کرتے تھے، جب خدیجہ سارا دستر خوان لگا چکی تو اس کے بیٹھنے کے بعد زبیر نے بچوں کو متوجہ کیا۔

بس ابو، آج احساس ہوا کہ نماز وقت پر ادا کرنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ اذان کی آواز سننے کے بعد میں لیٹی رہی کہ امی اٹھانے آئیں گی تو اٹھوں گی، مگر جب دس منٹ تک امی نہ آئیں تو رہی سہی نیند بھی ختم ہوگئی تو مجھے احساس ہوا کہ امی ہماری نماز کی فکر میں ساری رات کیسے سوتی ہوں گی، صرف دس منٹ میں میری نیند ایسے ختم ہوگئی، جیسے میں سوئی ہی نہیں تھی اور امی بارہ سال سے ہماری نماز کی فکر میں سوتی ہیں تو ان کی نیند کیسی ہوتی ہوگی۔ زینب کے سمجھدارانہ جواب پر زبیر نے اپنی بیگم کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں کہ دیکھو تم فکر کرتی ہو ناں کہ زینب اپنا موازنہ اپنی سہیلیوں سے کرتی ہے مگر وہ خود جانتی ہے کہ اس کے والدین سے زیادہ کوئی اس کے لئے مخلص نہیں ہے۔

بیٹا آپ کی امی تو آپ کو معمول کے مطابق اٹھانے آرہی تھیں، مگر میں نے ہی ان کو روکا تھا کہ آج بچے ہمیں اٹھائیں گے، آج ہماری تربیت ومحنت کا امتحان ہے، مگر آپ کی امی پریشان ہورہی تھیں کہ بچے تو ابھی بچے ہیں۔ مگر بیٹا بات یہ کے کہ بچے تو ہمیشہ والدین کے لئے بچے ہی رہتے ہیں، آگے آپ لوگوں کو خود اپنی زندگی کے تمام مراحل کو فیس کرنا ہے۔ زندگی، موت، قبر، آخرت کہیں پر بھی آپ کی امی تو نہیں ساتھ دے سکیں گی۔

مگر ابو...... زبیر لمحہ بھر کو رکے تو زینب اور دانش نے ایک ساتھ پکارا۔

مگر کیا بیٹا......؟ زبیر نے پریشانی سے پوچھا۔

ماں تو ماں ہوتی ہے، ماں تو اپنی ممتا کے آگے مجبور ہے۔ ماں اگر نہ بھی رہے تو اس کی ممتا تو زندگی کے مراحل میں رہنمائی کرتی ہے، اب یہ ماں کی مرضی ہے کہ وہ ممتا اس دنیا کی رنگینوں پر نچھاور کرے یا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، مگر ماں تو ماں ہوتی ہے۔ ماں کی فطرت ہے کہ وہ اپنے اندر موجود تمام صلاحیتیں، تمام ہنر، ہر وہ چیز جو اس کو خود پسند ہوتی ہے، ہر وہ ذات جس سے وہ محبت کرتی ہے، اپنی اولاد میں منتقل کردیتی ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ جو درد ماں محسوس کرتی ہے وہ اولاد نہ کرے خاص کر بیٹی۔ زینب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جیسے تول تول کر الفاظ کی ادائیگی کی تھی اور زبیر اور خدیجہ دونوں ہی اپنی جگہ گنگ تھے۔ بچے کب بڑے ہوجاتے ہیں پتہ ہی نہیں چلتا، زبیر نے جیسے خود کلامی کی تھی۔ خدیجہ کے ذہن میں یکدم کوندا سا لپکا، فجر کی نماز کی نیت میں اس نے سنا تھا جب زینب اپنے سے چھوٹے تینوں بہن بھائیوں کو کہہ رہی تھی "اب یہاں کھڑے ہوکر باتیں ہی کرتے رہے تو نماز قضا ہوجائے گی تم دونوں فٹافٹ مسجد بھاگو اور ربیعہ تم آج میرے ساتھ نماز پڑھنا۔"

خدیجہ نے بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی بیٹی کو گلے لگالیا اور روتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر ایسی آسودگی تھی کہ زبیر حیران تھے کہ سولہ سالہ زندگی میں کبھی انہوں نے اپنی بیوی کو اتنا شاد، اتنا خوش، اتنا مطمئن نہیں دیکھا تھا۔

ماں تو ماں ہوتی ہے۔

خدیجہ آج مطمئن تھی، آج وہ عرصے بعد سچے دل سے نہ صرف مسکرائی تھی بلکہ بات بے بات ہنس بھی رہی تھی۔

جب زبیر نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ آج اس کی زندگی کی محنت کامیاب ہوگئی ہے، وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی ہے، وہ اپنی ماں کی طرح بے چین موت نہیں مرے گی۔ اس نے آنے والی نسل کے لئے ایک ایسی ماں کو جنم دیا ہے جو اپنی ممتا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نچھاور کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

ہاں زینب کے بابا، ماں تو ماں ہوتی ہے۔ ماں کی ممتا میں وہی درد وہی فکر امنڈتی ہے جو اس کے اپنے دل کا درد ہوتا ہے جس کی فکر وہ خود کرتی ہے وہ ہی ماں کی ممتا کا نمایاں پہلو ہوتا ہے۔ اس کی بات سن کر زبیر بس یہی کہہ سکے۔ ماں تو ماں ہوتی ہے، ماں اور ممتا...... ☆

ایک ماں کا صبر



فیصل سعود

ایسی ہستی کے بارے میں جو احترام وادب، محبت وعشق اور جنوں کی حدوں کو پہنچی ہو، اس کے بارے میں کچھ لکھنے کے لئے الفاظ ڈھونڈنا اور پھر استعمال کرنا بہت مشکل کام ہے۔ ماں کے لئے لکھنے بیٹھا تو بہت دیر تلک ایک جملہ بھی نہ بن پایا، یہی سوچتا رہا کہ کہاں سے شروع کروں اور کہاں ختم، پھر جو ذہن میں آتا گیا اسے تحریر کرتا چلا گیا، دل بہت بوجھل ہوگیا اور آنکھ بھر آئی، کیونکہ ماں ہی وہ ٹھنڈی چھاؤں ہے جس کے شفیق اور مہربان سائے تلے آکر ایسا لگتا ہے جیسے تپتی دوپہر میں سایہ مل گیا ہو اور ماں کی دعائیں ہی انسان کو کامیاب بناتی ہیں، سب مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں اور ان کی دعائیں بھی ایک جیسی ہوتی ہیں، گھر کی دہلیز کے اندر قدم رکھتے ہوئے ٹھنڈک اور طمانیت کا احساس ماں کے وجود سے ہی ہوتا ہے، اسی لئے ماں سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے کہتے ہیں کہ "ماں کی دعا، جنت کی ہوا" ہر انسان کی کامرانیوں کے پیچھے ان کی ماں کی طاقتور دعائیں ہوتی ہیں، کیونکہ ماں کی گود اور اس کا فیضان، طمانیت کی بانہوں میں سمیٹے رکھتا ہے، ماں کی شان کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ دو جہانوں کے رب نے ماں کو اس معراج تک پہنچایا کہ جنت کو اس

کے قدموں تلے رکھ دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ماں باپ کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالنا ایک حج اکبر کے برابر ہے، جتنی بار ماں باپ کے چہرے کی جانب دیکھو، سمجھو تم نے اتنی بار حج ادا کیا۔" شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ "ماں کی خوشنودی دنیا میں باعث دولت اور آخرت میں باعث نجات ہے۔" ماں ایک ایسا پختہ مقدس اور دائمی رشتہ ہے کہ اس جیسا رشتہ پوری دنیا میں نہیں، کیونکہ ماں شفقتوں، محبتوں، ٹھنڈک، بہاروں، خوشبوؤں اور راحتوں کا استعارہ، رہنمائی و روشنی کی علامت ہے۔

ماں ایک ایسی ہستی ہے جس نے اپنے بچے کے ہر درد کو اپنا درد سمجھا اور اپنی ساری زندگی ان کے نام بیتا دی۔ آج میں اس وقت جو آپ لوگوں کو سنانے جارہا ہوں، یہ کہانی نہیں بلکہ ایک سچائی ہے۔ سوچا کہ آپ سب کے گوش گزار کردوں۔ میں ایک ایسی ماں کی کہانی بیان کرنے جارہا ہوں جس نے آج تک کوئی فرمائش نہیں کی، شادی ہوئی شوہر سے کوئی فرمائش نہیں، بیٹے بڑے ہوئے، ان سے بھی کبھی کوئی فرمائش نہیں، سادی سیدھی عورت، جس نے کبھی کسی چیز کی خواہش اپنے دل میں نہیں رکھی، ہم چار بہن بھائی تھے، اب تین رہ گئے۔ بچپن سے لے کر بڑے ہونے تک زندگی کا سفر بہت اچھا گزرا۔ گھر میں کسی کو کم تر نہ سمجھا گیا جو بڑوں کے لئے آتا وہی چھوٹوں کے لئے بھی آتا، دن ایسے ہی گزرتے چلے گئے، ہماری ماں نے ہم بھائی بہنوں کی تربیت میں کبھی کوئی کمی نہیں ہونے دی۔ آج میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ میری ماں دنیا میں بہت پیاری ہے، والد صاحب بھی کم نہیں تھے، انہوں نے بھی ہماری ہر خواہش کو پورا کیا، کہتے ہیں مالی وسائل کم ہونے سے گھر میں پریشانی ہوتی ہے مگر والد صاحب نے ہمیں ذرا بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ گھر میں کسی چیز کی کمی ہوئی ہو، والد صاحب پرنٹنگ پریس میں کام کرتے تھے، آج الحمدللہ کراچی کے روزنامہ میں ایک شعبے کے انچارج ہیں۔ میں بھی اسی ادارے میں ہی کام کرتا ہوں۔ آج جو واقعہ میں آپ کو سنانے جارہا ہوں وہ ایک واقعہ نہیں سچائی ہے جو کہ ہمارے ساتھ آج سے پانچ سال قبل پیش آیا، جو ہمارے لئے قیامت کا دن ثابت ہوا، منگل کا روز تھا، اس روز میرے چھوٹے بھائی حامد کی چھٹی تھی، وہ دیر تک سو کر اٹھا۔ ہم نے کہا کہ حامد آج تو بہت دیر کردی تم نے اٹھنے میں، تو اس نے کہا کہ آج آفس کی چھٹی ہے۔ رات کو دیر تک سویا تھا اس لئے دیر سے اٹھا اور پھر کہنا لگا کہ میں جارہا ہوں اپنی موٹر سائیکل ٹھیک کروانے، ناشتہ کیا اور چلا گیا۔ جس جگہ ہم رہتے تھے اس فلیٹ کے باہر ہمارے ابو کی دکان تھی، وہاں وہ گیا اور ابو سے ملا اور یہ کہہ کر گیا کہ میں اپنے دوست افتخار سے ملنے جارہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد خبر آئی کہ حامد کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ جب امی کو پتہ چلا تو امی بے ہوش ہوگئیں۔

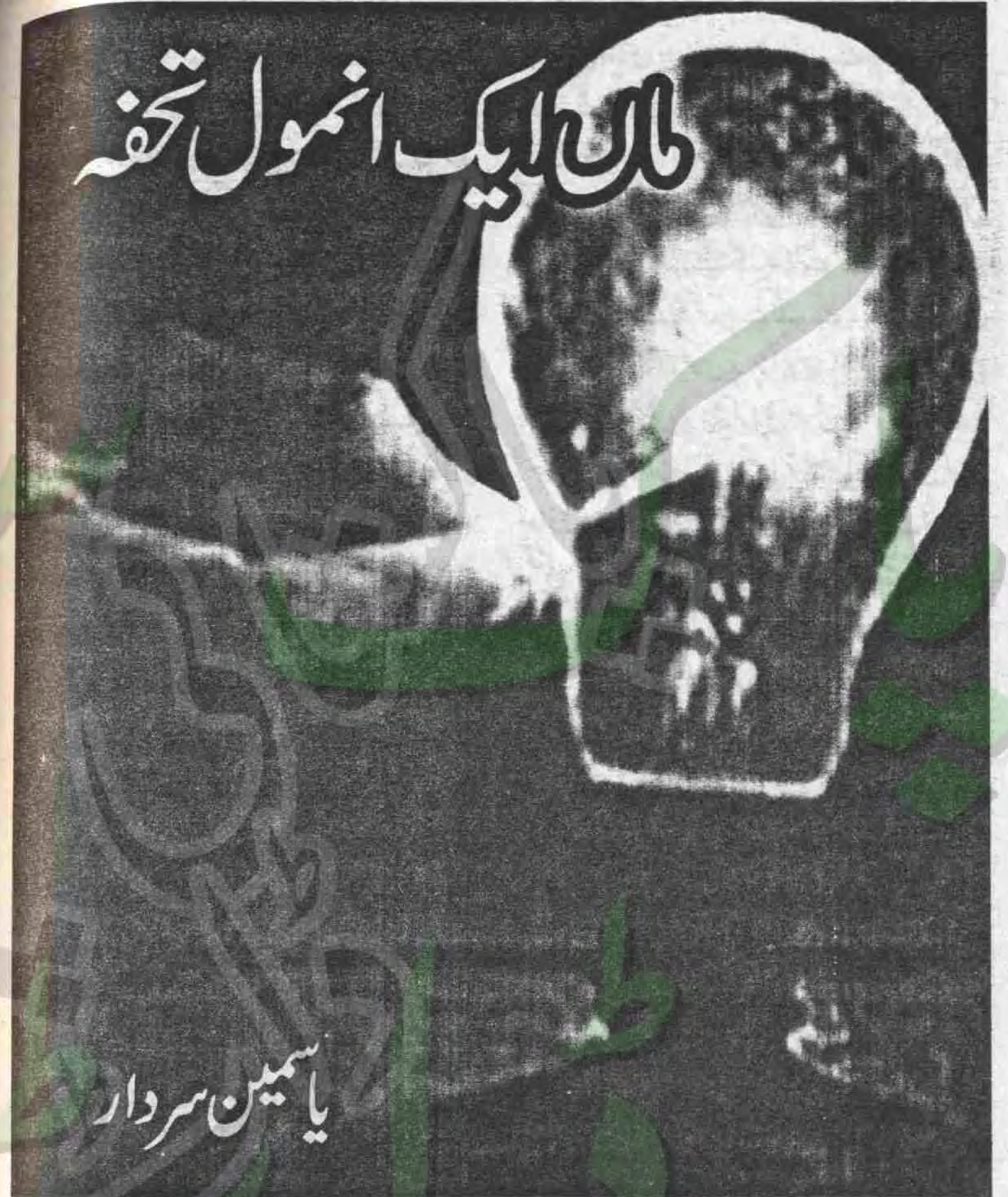
گھر کے جتنے بھی افراد تھے سب سکتے میں آگئے۔ امی کی حالت ایسے تھی کہ کاٹو تو خون نہ نکلے۔ شدت غم سے نڈھال، آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ مجھے پتا چلا کہ تمہارے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے جلدی آفس سے آؤ۔ میں بھاگا بھاگا گھر پہنچا تو پتہ چلا کہ حامد کا انتقال ہوچکا ہے۔ میں اپنی امی کے پاس گیا تو امی بے ہوش تھیں۔ ہوش میں آئیں تو بولی جارہی تھیں کہ حامد آنے والا ہے۔ اس کا کمرہ ٹھیک کردو، ورنہ وہ ناراض ہوجائے۔ جاؤ جلدی کرو۔ امی یہ کہہ کر باورچی خانہ میں گئیں اور وہاں آٹا فریج سے نکالا اور روٹیاں بنانے لگ گئی۔ سب نے روکا کہ حامد کا انتقال ہوگیا ہے۔ پر امی کو کیسے یقین آئے کہ اس کا لخت جگر اس سے جدا ہوگیا ہے۔ جب بھائی کی میت گھر آئی تو ایک کہرام مچ گیا۔ والدہ کے سامنے بھائی کی میت رکھی گئی تو امی نے بھائی کو دیکھا اور بے ہوش ہوگئیں۔ اسی دوران کلمہ شہادت کا ورد ہوا اور میت کو اپنی منزل کی طرف لے جانا پڑا۔ نماز جنازہ

پڑھی گئی اور خموشستان میں جا کر بسا دیا گیا۔ واپس گھر پہنچے تو والدہ کی وہی حالت کہ ہوش نہ آئے۔ ڈاکٹروں کو بلوایا گیا، ڈاکٹروں نے آکر چیک کیا اور کہا کہ انہیں سونے دیا جائے اور دوائیاں دے کر ڈاکٹرز بھی چلے گئے۔ رات یوں ہی نکل گئی۔ چلو صبح ہوئی تو سب سے پہلے دیکھنے گئے والدہ کو کہ وہ اٹھی ہیں یا نہیں۔ پر والدہ سو رہی تھیں، اچانک رونے کی آواز آئی تو مڑ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ والدہ سو نہیں رہی وہ تو رو رہی ہیں آنکھیں بند کر کے۔ میں اکیلا والدہ کے پاس گیا اور کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ والدہ رو رہی تھیں، میرے دل میں بھی برف نما پانی جمع ہوگیا تھا، کوشش تھی کہ والدہ کو سمجھاؤں مگر ہمت جواب دے رہی تھی، پھر طے کیا کہ کچھ تو کرنا ہے۔ والدہ کے قدموں کی طرف لیٹ گیا اور پاؤں پکڑ کر کہتا گیا کہ امی حامد تو چلا گیا پر ہم تو آپ کے پاس ہیں۔ لیکن والدہ کے رونے کی آواز اب بھی آرہی تھی۔ والدہ منہ ہی منہ میں انا اللہ مع الصابرین کا ورد کر رہی تھی اور روئے جارہی تھی۔ اچانک والدہ نے آنکھیں کھولیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اللہ کو جو منظور ہوتا ہے بیٹا وہی ہوتا ہے۔ والدہ کمرے سے باہر آئیں اور دونوں بہنوں کو گلے لگا کر کہا کہ صبر کرو، صبر کرو۔ والد کے پاس گئیں اور ان کے قدموں پر بیٹھ کر کہنے لگی کہ میں نے شادی کے بعد آپ سے کوئی فرمائش نہیں کی کبھی بھی۔ نہ ہی میں نے ایسی کوئی خواہش ظاہر کی آپ کے سامنے جو اللہ کو بری لگی ہو۔ اس کے باوجود اللہ نے مجھے اتنی بڑی آزمائش میں کیوں ڈالا۔ کہنے لگی کہ میں تو ہر نماز میں یہی دعا کرتی تھی کہ اللہ پاک مجھے میری اولاد سے پہلے دنیا سے اٹھا لے۔ والد کے آنکھوں میں بھی امی کی باتیں سن کر آنسوؤں کا ایک فوارہ نکل رہا تھا۔ سامنے بیٹھے بڑے بھائی جو کہ پھوپی زاد تھے، انہیں ہم سگے بھائی کا درجہ دیتے تھے۔ وہ بھی رو رہے تھے والدہ کی باتیں سن سن کر۔ اس بات کو آج پانچ سال ہو گئے ہیں۔ گھر میں ابھی بھی حامد کا ذکر آئے تو ہر اک آنکھ اشک بار ہو جاتی ہے۔ والدہ کی کمزوری اور ذہنی توازن صحیح کام نہیں کر رہا ہے۔ شاید عمر کا تقاضا ہو، یا پھر جوان اولاد کے جانے کا غم ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص ٹریفک حادثے میں مرجاتا ہے وہ شہید ہے۔ جس بیٹے اور جس بھائی کا ذکر میں نے آپ سے کیا، وہ ایک ذہین اور سلجھا ہوا انسان تھا، جب اس کی انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیلی تو ہر ایک نے افسوس کا اظہار کیا۔ ہمیں تو پتہ بھی نہیں تھا کہ اس کے کہاں کہاں اور کتنے دوست ہیں، جس جس کو بھی خبر ملی وہ بھاگا چلا آیا، اس دن بارش بھی ہو رہی تھی اور جہاں ہم لوگ رہتے تھے، وہاں پر حالات بھی خراب تھے، اگلے دن بارشوں نے کراچی میں تباہی مچادی تھی، ہم صبح صبح اٹھے اور بھائی کی قبر پر پہنچے، دیکھا کہ بارش کا پانی قبر کے اندر جارہا ہے فوراً کوشش کی کہ اسے روکا جائے۔ بڑی تگ و دو کے بعد کامیاب ہوئے اور پھر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچے تو وہی اداسی، جیسے تیسے تعزیت پر آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر مدارات کی، شام ہوئی تو اچانک دروازے پر بیل بجی، جا کر دیکھا تو پانچ سے چھ لوگ دروازے پر کھڑے ہیں، پوچھنے پر بتایا کہ ہم حامد بھائی کے انتقال پر تعزیت کے لئے آئے ہیں۔ اس وقت گھر پر سب ہی موجود تھے۔ انہیں دروازہ کھول کر اندر آنے کے لئے کہا گیا۔ سب نے مل کر دعائے مغفرت کی۔ اسی دوران ان میں سے ایک شخص نے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جس بس سے حامد بھائی کا انتقال ہوا ہے اس بس کا مالک ہوں اور جس بس کے ڈرائیور نے حامد بھائی کو ٹکر ماری تھی وہ میرا بیٹا ہے۔ آپ اسے معاف کردیجئے۔ اس پر تمام لوگوں کو غصہ تو تھا ہی مگر کنٹرول کیا اور پھر بتایا کہ آپ جو کچھ کہیں گے ہم تیار ہیں اس کے لئے۔ والد صاحب سے کہا گیا کہ اب آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔ جس پر والد صاحب نے کہا کہ ہمیں سوچنے کا وقت دو، اس کے بعد وہ لوگ

چلے گئے۔ گھر میں پھر اداسی چھا گئی۔ گھر میں مشورہ کیا گیا کہ کیا کرنا ہے۔ سب نے کہا کہ اسلام میں دیت لینے کا رواج ہے اور کہا گیا ہے کہ خون کا بدلہ خون ہے تو کیوں نہ ہم دیت لیں۔ جس پر والد صاحب اور والدہ نے منع کردیا اور کہا کہ معاف کردیا جائے۔ والد اور والدہ کا کہنا تھا کہ جب اللہ کو یہی منظور تھا تو ڈرائیور کی غلطی کیا ہے، اسے معاف کردیا جائے۔ بڑی کوشش کی کہ ان لوگوں سے رابطہ ہوجائے مگر نہ ہوا۔ پھر پولیس نے بھی چھاپہ مار کارروائی شروع کردی تھی ڈرائیور کے حوالے سے۔ ایک دن پولیس کی بھاری نفری نے ڈرائیور کو حراست میں لے لیا اور گرفتار کر کے مقدمہ درج کرلیا۔ ایس ایچ او صاحب نے فون کیا کہ ڈرائیور پکڑا گیا ہے آپ تھانے آجائیں۔ ہم تھانے پہنچے تو ڈرائیور سامنے کھڑا تھا، جس کو دیکھ کر مجھے غصہ تو بہت آیا مگر والدہ کی وہ بات یاد آگئی کہ جو اللہ کو منظور تھا وہی ہوا اس پر میں اپنے غصے کو قابو کرلیا اور بات چیت شروع ہوئی۔ ڈرائیور سے پوچھا گیا کہ تم نے دیکھا نہیں کہ سامنے کوئی موٹر سائیکل والا شخص بھی جارہا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ حادثہ ہوا کیسے؟ جس پر اس نے ساری تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ واقعہ ایسے ہوا کہ میں سگنل پر کھڑا تھا کہ اچانک دوسری بس آگئی، اسے روکنا تھا پر وہ نہیں رکی جس پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے بھی بس چلادی اور ہم دونوں کے درمیان ریس ہورہی تھی کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شخص موٹر سائیکل سوار سائٹ پر چلا رہا ہے، میری بس اتنی تیز تھی کہ اسے روکنا مشکل تھا، پھر بھی میں نے بہت کوشش کی پر قابو نہیں کرسکا اور میرے سامنے اندھیرا سا چھا گیا اور حادثہ پیش آگیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم رکے کیوں نہیں۔ جس پر اس کا کہنا تھا کہ مجھے ڈر تھا کہ لوگ مجھے بہت ماریں گے۔ اس خوف سے میں بھاگ گیا۔ اس نے بتایا کہ میری شادی ہوگئی ہے میرے بھی دو بچے ہیں، ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ میں اپنے بچوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے یہ غلطی جان بوجھ کر نہیں کی، میں حافظ قرآن بھی ہوں اور ساتھ ساتھ پانچ وقت کا نمازی بھی۔ جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ مجھے معاف کردیا جائے۔ اس نے جس انداز میں کہا، اس پر میں ہی اس کے پاس بیٹھا تھا، اس کے دل کی آواز کو میں نے محسوس کرلیا اور معافی کے جذبات میرے ذہن میں آگئے اور ہم نے اسے معاف کردیا۔ پولیس نے موقف دیا کہ یہ پولیس کیس ہے جس پر اسے عدالت میں لے جانا پڑے گا، وہاں آپ لوگ آکر گواہی دے دینا کہ اسے معاف کردیا ہے جس پر عدالت اسے چھوڑ دے گی۔ یہ سننا تھا کہ اس ڈرائیور کے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ پختون تھا اس نے اپنی زبان میں خدا معلوم کہ ہمیں دعائیں دیں یا کیا کہا۔ پر اس کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ دعائیں ہی دے رہا ہے۔ اس موقع پر والد صاحب سامنے بیٹھے تھے، انہوں نے اٹھ کر اسے گلے لگا کر کہا کہ تو نے ہمارے بیٹے کو ہم سے الگ کردیا ہے، پر تیری باتوں سے سچائی کی بو آتی ہے اس لئے تجھے ہم معاف کرتے ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ ہماری وجہ سے تمہارے بیوی بچے اور والدین کو صدمہ پہنچے۔ جس کے بعد ہم تھانے سے نکلے تو سامنے دیکھا کہ ڈرائیور کے والد اور والدہ دونوں باہر بیٹھے اپنے بیٹے سے ملاقات کا انتظار کررہے ہیں۔ والدہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہمیں دیکھ کر دونوں ڈر سے گئے کہ کہیں وہ ہمارے بیٹے کو حوالات میں بند نہ کروادیں۔ پختون خواتین میں ایک بڑی اچھی بات ہے کہ خواتین اپنے شریعت اصولوں کی پابند ہوتی ہیں، پر بیٹے کی مجبوری نے انہیں ہمارے سامنے لانے پر مجبور کردیا۔ انہوں نے اس پر بھی پردہ کیا اور شوہر کے پیچھے رہ کر وہیں سے پشتو زبان میں کچھ کہہ رہی تھیں۔ ہمیں بالکل سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ خاتون کیا کہہ رہی ہیں۔ سامنے کھڑے ان کے شوہر نے ترجمہ

کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کہہ رہی ہیں کہ ہمارے بیٹے کو معاف کردیجئے۔ ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔ جسے ہم نے اللہ ے بڑی منت وسماجت کے بعد حاصل کیا ہے۔ آپ ے گزارش ہے کہ معاف کردیجئے۔ یہ سننا تھا کہ ہماری آنکھوں میں بھی وہی منظر چھا گیا۔ جس وقت ہمارے بھائی کا انتقال ہوا تھا اور والدہ اسی طرح رو رہی تھیں۔ اسی دوران میرے والد نے سامنے کھڑے بے بس والدین ے کہا کہ اللہ بہتر کرے گا۔ ہم نے تمہارے بیٹے کو معاف کردیا ہے۔ پولیس نے مقدمہ درج کرلیا تھا اس لئے عدالت سے کل پرسوں رہا ہوجائے گا۔ ہم خود جاکر عدالت میں بیان دیں گے کہ اسے معاف کردیا جائے گا۔ یہ کہنا تھا کہ اس خاتون نے ہمیں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتی رہیں اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر ٹوٹی پھوٹی اردو زبان میں جو کچھ کہا وہ یہ تھا کہ ”تجھے میری عمر لگ جاوے، میں تیری ماں جیسی ہوں، اللہ تجھے صدا خوش رکھیں۔“ جس پر میری آنکھوں میں بھی آنسو آگئے اور ہم اپنی منزل کی طرف چل دیئے۔ وہ وقت بھی آگیا جب اس ڈرائیور کو رہا ہونا تھا، عدالت پہنچے تو پتہ چلا کہ آج عدالت میں ہڑتال کی جارہی ہے۔ ایک روز اور گزر گیا، اگلے دن پہنچے تو جج نے مجھے بلوایا اور پوچھا کہ آپ اسے کیوں معاف کرنا چاہتے ہو۔ جج نے یہ بھی پوچھا کہ کہیں آپ کو ان لوگوں نے ڈرایا یا دھمکایا تو نہیں ہے۔ جج کے سوالات ختم ہوئے تو جوابات دینے کی باری ہماری تھی۔ سوالات کے جوابات دیتے ہوئے میں نے کہا کہ ہمیں اس شخص نے کوئی ڈر نہیں، اسے ہم معاف کرتے ہیں، ہم اپنا کیس واپس لے رہے ہیں اور اسے رہائی دلا رہے ہیں۔ ساری صورتحال کو سننے کے بعد جج نے اس کی رہائی کے احکامات جاری کردیئے۔ ڈرائیور کو جب عدالت میں لایا جارہا تھا تو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں، جیسے ہی جج کا حکم ہوا، ایک پولیس اہلکار نے آکر اس کی ہتھکڑیاں کھولیں اور اسے رہا کردیا گیا۔ اسی دوران اس ڈرائیور کے والد نے آکر مجھے گلے لگالیا اور میرے والد سے گلے مل کر روتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ جب، جس وقت کام ہو، کوئی بھی مسئلہ ہو، آنکھوں بند کر کے ہمیں یاد کرلیجئے گا۔ عدالت سے نکلتے ہی والد صاحب مجھے گلے لگا کر رونے لگ گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ ان کے کندھوں پر پڑا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے۔ ہم دونوں موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف آگئے۔ گھر پہنچے تو والدہ نے پوچھا تو بتادیا کہ کہاں کردیا معاف اسے۔ ابھی یہ بتا ہی رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ ہیلو کیا تو دوسری طرف خاتون تھیں۔ پوچھا کہ کس سے بات کرنی ہے تو بتایا کہ حامد کی والدہ سے۔ میں ڈرائیور کی والدہ بات کررہی ہوں۔ ہماری والدہ نے فون پر اس سے بات چیت کی اور فون بند ہوگیا۔ جس پر ہم نے ان سے وجوہات پوچھیں تو کہا کہ شکریہ ادا کررہی تھیں وہ خاتون۔ بات چیت کا سلسلہ تھوڑی دیر جاری رہا اور دوپہر کا وقت ختم ہوا اور شام نے آلیا۔ عصر کی نماز کا وقت بھی قریب تھا، میں نے والد کو کہا کہ میں جارہا ہوں، آتا ہوں نماز پڑھ کر۔ والدہ نے کہا کہ کوشش کرنا کہ جلدی آجاؤ۔ بڑی فکر لگی رہتی ہے اب۔ دن یوں ہی گزرتے چلے گئے اور آج اسی مہینے میں اس کی برسی آتی ہے۔ اسے دنیا سے گئے ہوئے آج پانچ سال مکمل ہوگئے۔ اس روداد کو میں اس یقین کے ساتھ لکھ دے رہا ہوں کہ ہر اچھے دن کے ساتھ برے دن بھی ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں، انسان کو چاہئے کہ ان مشکل دنوں میں صبر سے کام لے اور راحت وسکون کے ایام میں رب کا شکر گزار بنے اور اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی حامد کی مغفرت فرمائیں اور والدین کو اس عظیم سانحہ پر صبر کرنے کی بدولت آخرت کے اجر عظیم سے مالا مال کرے۔ آمین

☆......☆......☆



ماں! خدا کا دیا ہوا دنیا میں سب سے انمول تحفہ ہے، ماں کی شخصیت، عالم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، ماں کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی مقناطیسیت اور جاذبیت رکھی ہے، جو معاشرے کو اپنے اندر مقید کر لیتی ہے۔ ماں کی گفتگو میں محبت کی چاشنی، ماںتا کی خوشبو، پاکیزگی کا جمال اور صبر و ایثار کا مادہ ہوتا ہے، ماں کا ایک رقت سوز حرف عرش معلیٰ کو تھرتھرا دے، ماں کا کلام ایسے جیسے پھول کی مہک اس کی پتیوں میں بقول کسی شاعر کے!

جی میں آتا ہے کہ اس نام کی خوشبو لے کر
سارے عالم میں پھروں اور باد صبا ہو جاؤں

یہ ساری مخلوق نے محبت میں سے حصہ پایا۔ انسانوں نے، حیوانوں نے، چرند، پرند نے، ہر ایک کو حصہ ملا اس کے اپنے ظرف کے مطابق ایسے ہی ماں کی محبت......؟

خدا تعالیٰ ہم سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے، ماں کی محبت کے لاکھوں نمونے اس فانی دنیا

کے صفحہ اول پر نقش ہیں، جسے یہ بے رحم دنیا اپنے بے پناہ ظلم کیوں سے بھی نہ ختم کر سکی، کیسے ختم کرے، یہ جذبہ ہی یہ خداوندی ہے، بچہ جیسا بھی ہو، ہوتا ماں باپ کا بچہ ہی ہے، چاہے وہ بڑھاپے کے دہانے پر پہنچا ہی کیوں نہ ہو...... ماں باپ اور بچے کا رشتہ نہ کبھی بدلتا ہے اور نہ کبھی ختم ہوتا ہے، کیسی مائیں ہوں...... کیا ام مریمؑ جو وقف الی اللہ کی عرض کرتی ہیں یا ام موسیٰؑ جو رضائے الٰہی کو اپنا اول اور مقدم فیصلہ مانتی ہے یا باندی فرعون جو اولاد تو قربان کر سکتی ہے، مگر دین الٰہی پر آنچ نہیں آنے دیتی، یا ام اسماعیلؑ جو جگر کے ٹکڑے کو اللہ کے دین کے لئے ذبیحہ بناتی ہے یا ام عبداللہ بن زبیرؓ، جو کہتی ہیں کہ ”اے بیٹے! جا اللہ کے دین کے لئے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جا، یا وہ ماں جو چار شہیدوں کی ماں کا اعزاز حاصل کرتی ہے، یا وہ ماں جو عبداللہ بن مبارکؒ یا حسن بصریؒ، امام بخاریؒ، امام ابو حنیفہؒ جیسے عظیم المرتبت انسانوں کی مائیں ہیں! جی ہاں ماں تو ماں ہوتی ہے...... یہ ہی مائیں ہیں جو خود تو نبی نہیں بن سکتی، مگر ام نبی بفضل اللہ بنتی ہیں، انداز تربیت سے دنیا کو تسخیر کر لیتی ہیں، کیا آج کی مائیں بھی ہیں ایسی...... بالکل، کیونکہ ماں تو صرف محبت ہے، بالکل نادان اولاد کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے والی، اپنا آپ فنا کر دینے والی، جی ہاں ایسی جیسی میری ماں......؟

میری ماں، پیاری ماں، آہ میں کیا سوچوں...... میرا ماضی میرے سامنے ایسے موجود ہے، جیسے کل کی بات ہو۔ چلو میں بتاتا ہوں! میں ایک بچہ، جو ایک گھر میں پیدا ہوا...... وقت کی رفتار کے ساتھ میرے ماہ و سال گزرتے گئے، میں شرارتیں کرتا پھر رہا ہوں، بھاگتے بھاگتے جب کہیں مجھے ٹھوکر لگتی ہے تو میں گر جاتا ہوں اور میرے رونے کی آواز سے آپ کے سینے میں ایک تیر سا لگتا ہے، آپ فوراً آ کر مجھے سینے سے لگاتی ہیں، اتنا جی بھر کر پیار کرتی ہیں کہ میرا چہرہ آپ کی محبت کا ثبوت پیش کرتا ہے، میں اپنے ماضی میں جھانک رہا ہوں کہ آپ اپنے نازک ہاتھوں سے مجھے کھلا رہی ہیں، نہلا رہی ہیں، خوبصورت کپڑے پہنا رہی ہیں، بالوں میں کنگھی کر رہی ہیں، پھر فرط محبت سے گلے لگا کر چوم لیتی ہیں، جب بولنا شروع کیا تو آپ نے اللہ کے فضل سے کلمہ طیبہ سکھایا، جب توتلی زبان سے آپ کو سناتا تو آپ خوشی سے پھولے نا سماتی، پھر اسکول میں داخلہ ہوا تو شہر کا بہترین اسکول...... جب جاتا تو ہزاروں دعاؤں کے حصار میں بھیجتی...... اسکول سے واپسی تک آپ کی آنکھیں انتظار کرتی اور دیکھتے ہی محبت آنکھوں سے ٹپکتی محسوس ہوتی اور جب بیمار ہو جاتا تو اداس اور پریشان ہو جاتیں، ساری ساری رات جاگ کر دم کرتی...... جب عمر کے دس زینے طے کئے تو رضائے الٰہی کے مطابق والد محترم سفر آخرت کو روانہ ہوئے، ہماری خوشگوار زندگی پر غم و مصائب کے سائے آ گئے، رشتے داروں نے آنکھیں پھیر لیں، اپنے بیگانے ہو گئے، لیکن آپ کی ممتا نے یتیمی کا بوجھ میرے سر پر نہ آنے دیا، آپ سحاب کرم بن کر میرے اوپر سایہ کئے رہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ ابا جی کی وفات کے بعد ہمارا کل اثاثہ وہ رہائشی گھر اور تھوڑی سی رقم تھی، جب رشتے داروں نے کہا کہ آپ مجھے اسکول سے اٹھا لیں، کسی کام پر لگا دیں، کیونکہ آپ تعلیمی اخراجات کہاں سے پورے کریں گے، لیکن آپ کا جرنیلی حوصلہ رشتے داروں کے سامنے سنگلاخ چٹان بن گیا، آپ نے رشتے داروں سے دو ٹوک کہا:...... ”میں لوگوں کے گھروں میں محنت و مشقت کر لوں گی، مگر اپنے لعل کو تعلیم کے زیور سے ضرور آراستہ کروں گی۔“ یہ آپ کے عزائم محکم کے باعث تھا کہ میٹرک، ایف اے اور بی اے میں فرسٹ ڈویژن حاصل کرتا رہا۔ جب بھی رزلٹ آتا تو آپ فاتح جرنیل کی طرح اپنی مسکراہٹ مجھے تحفے میں دیتیں اور یہ ہی میرا اپنا ولولہ اور جذبہ ہوتا۔

امی جان! امتیازی نمبروں سے پاس ہونے کے بعد جب مجھے امریکا MBA کے لئے جانا پڑا تو وہ وقت

آپ کے لئے بڑا امتحان تھا، میں آپ کا اکلوتا بیٹا، آپ کی بینائی تھا، جس کو دیکھے بغیر آپ کوئی پل نہیں گزرا سکتی اور وہ ایک لمبی مدت کے لئے سات سمندر پار جا رہا ہو، آپ کے حوصلے کو سلام، جو لوہے کو بھی پگھلا دے، آپ نے اپنی محبت کو قربان کیا، اپنے قیمتی اثاثے میری تعلیمی اخراجات اور سفر کے لئے فروخت کئے۔

مادر شفیق! آپ کا میرے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ آپ کی رہائش کہاں ہوگی...... رشتے داروں کے ہاں تو غیور طبیعت کا مائل ہونا ناممکن تھا، ساتھ جانا ہمارے بس سے باہر تھا...... آخرکار رب باری نے الہام بھی آپ کو کیا...... کیا معلوم، کیا حکمت کرتی تھی...... آپ نے کہا کہ آپ میرے دوست زین کو گھر، وہ جو ہمارا تھا، کرائے پر دے دو، پورا گھر وہ استعمال کریں، صرف ایک چھوٹا کمرا میں استعمال کرلوں گی...... زین میرا بچپن کا جگری دوست تھا، میں نے کہا کہ زین کی ماں آپ کی بہن بنی ہوئی تھیں، اس طرح زین کے گھر والوں سے آپ کا دل لگا رہے گا اور میری جدائی بھی تنگ نہیں کرے گی اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اہم مسئلہ حل ہوگیا اور گھر کے کرائے سے آپ کا گزر بسر ہوتا رہے گا اور میری تعلیم میں بھی کوئی رکاوٹ نہ ہوگی...... میں بھاگم بھاگ زین کے گھر پہنچا، غرضیکہ سب ٹھیک ہوا...... وہ ہمارے ہاں منتقل ہوگئے، امی کی طبیعت بھی خوشحال ہوگئی۔

امی جان! پھر وہ وقت بھی آگیا، جب آپ مجھے چھوڑنے ایئرپورٹ آئیں اور آپ کے حوصلے اور ضبط کے باوجود آپ کی آنکھوں سے شبنم گر رہی تھی، آپ نے اپنی دعاؤں کی چھاؤں میں روانہ کیا...... خدا کی قسم! امی میں آپ کو کبھی نہ بھلا سکا، ہر وقت آپ کا چہرہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا، ہر پندرہ دن بعد آپ کو خط لکھتا، جواباً آپ کے خط آتے، دل مطمئن رہتا، تقریباً اڑھائی سال آپ کی اور میری خط و کتابت جاری رہی، امریکا سے ایم بی اے کرنے کے بعد جب میں نے آپ کو اپنی کامیابی کی نوید سنائی، یعنی خط لکھا تو آپ کا ڈھیروں مبارک بادوں اور دعاؤں سے بھرا جوابی خط ملا، جسے پڑھ کر میں خوشی سے آبدیدہ ہوگیا، پھر میں نے آپ کو اپنی پاکستان واپسی کا خط لکھا اور بتایا کہ میں فلاں تاریخ کو پاکستان پہنچ رہا ہوں، تو آپ نے مجھے جواباً انتہائی مسرت انگیز خط لکھا تھا کہ بیٹا میں تمہارے استقبال کے لئے ایئرپورٹ پر موجود ہوں گی، لیکن کل جب میں پاکستان آیا تو میری آنکھیں آپ کی تلاش میں تھیں، لیکن وہاں مجھ آپ کا سایہ بھی نا ملا، میں نے دیکھا کہ زین ایک طرف کھڑا ہے، وہ مجھ سے بڑا تپاک سے ملا، میں نے فوراً آپ کا پوچھا، اس نے بتایا کہ تمہیں اس کا جواب خود گھر جا کر مل جائے گا...... میں عجیب بے چینی میں گھر گیا، میں سمجھ گیا کہ خیریت نہیں ہے، غرض گھر پہنچا تو سارے زین کے گھر والے مجھے ملنے کے لئے گھر کے دروازے کے باہر کھڑے تھے، لیکن امی جان آپ نہیں تھیں! گھر میں عجیب سی اجنبیت تھی، گھر میں داخل ہونے کے فوراً بعد میں نے پوچھا، زین کی والدہ سے کہ! خالہ جان امی جان کہاں ہیں تو انہوں نے یہ بتا کر میری جان نکال دی کہ آپ کو گئے ہوئے چھ ماہ ہو چکے ہیں، امی جان آپ اتنی جلدی چلی گئیں! آپ کی موت کی خبر سن کر میرے جسم پر رعشہ طاری ہوگیا، پھر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ زین اور اس کے گھر والوں نے مجھے تسلیاں دیتے رہے، میرا دل کیا کہ میں ایم بی اے کی ڈگری کو آگ لگا دوں، جس نے مجھے میری ماں کا چہرہ بھی نہ دیکھنے دیا۔ میرے مجروح دل کو تسکین کہاں ملتی، میں نے زین سے کہا کہ تم نے مجھے فوراً اطلاع کیوں نہ دی، جس کا جواب خاموشی تھا، پھر میں نے روتے ہوئے کہا۔ زین خدا کے واسطے مجھے میری ماں کی قبر پر لے چلو، پھر بھی سارے گھر والے خاموش...... میں نے غصے سے کہا...... کہ بتاؤ میری ماں کہاں دفن ہیں! تو زین بولا! ”ربوہ“ میں دفن ہیں۔ میری ماں کا

”ربوہ“ کا کیا تعلق...... میں نے پوچھا۔

وہ اپنی خواہش کے مطابق وہاں دفن ہوئیں! زین نے جواب دیا۔

کیسی خواہش؟

بس ان کی مرضی!

”ربوہ میں تو مرزائی دفن ہوتے ہیں“ میں نے کہا۔

انہوں نے بھی قادیانی مذہب قبول کرلیا تھا۔“ زین نے جواب دیا۔

”ایسا نہیں ہوسکتا۔“ میں نے للکار کر جواب دیا۔

”یہ دیکھئے پکا ثبوت“ زین نے مجھے آپ کے قادیانی فارم یعنی قادیانی ہونے پر آپ کا بیعت فارم دکھاتے ہوئے کہا اور پھر اس نے ربوہ میں دفن ہونے کی وصیت بھی دکھائی۔

کس مردود کی تبلیغ سے میری ماں قادیانی ہوئی! میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

”ہماری تبلیغ سے“ زین نے فاتحانہ انداز سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا تم قادیانی ہو!؟“ میں نے غضبناک ہوکر پوچھا۔

ہاں، ہم قادیانی ہیں! زین نے سینہ تان کر جواب دیا۔

تم نے میرے ساتھ پندرہ سال گزارے، لیکن تم نے کبھی نہیں نہ بتایا اور نہ محسوس ہونے دیا کہ تم قادیانی ہو؟ اگر بتا دیں تو ہم تم مل جل کر کیسے رہیں؟ تمہیں اپنے مذہب کی دعوت کیسے دیں؟ اور ایسی مہموں میں کامیاب کیسے ہوں؟ زین نے میرے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا، قریب تھا کہ میری ہاتھا پائی ہوتی۔ اس کا چھوٹا بھائی سمیر مجھے پکڑ کر باہر لے گیا۔ سمیر ان میں سب سے کھرا اور صاف طبیعت کا مالک تھا، اس کا اپنے گھر والوں سے اسی بات پر شدید اختلاف چل رہا تھا۔

امی جی! سمیر نے بتایا...... ”تمہارے امریکا جانے کے بعد ہمارے گھر والوں نے تمہاری والدہ کی خوب خدمت کی، انہیں کبھی کھانا پکانے نہ دیا، ان کی خوب خدمت کی، [illegible] تمہاری والدہ کے [illegible] سر میں تیل ڈال کر مالش کرتی، رات کو روزانہ پاؤں دباتیں، اس طرح خدمت کرکے ہمارے گھر والوں نے تمہاری والدہ کو اپنے اخلاق کے شیشے میں اتار لیا، پھر آہستہ آہستہ انہیں قادیانیت کی تبلیغ شروع کردی، ان پڑھ ہونے کے ناطے وہ سمجھتی تھیں کہ قادیانی بھی مسلمانوں کا اختلافی طبقہ ہے، جس طرح اور بہت سے اختلافات ہیں، پھر انہیں بتایا گیا کہ تمہارا بیٹا مومن بھی قادیانی ہوچکا ہے، ہمارے گھر والوں نے تمہاری والدہ کو تمہارا جعلی خط دکھایا کہ تم بھی قادیانی ہوچکے ہو اور تم اپنی والدہ کو بھی کہہ رہے ہو کہ قادیانی ہی سب سے بہتر مسلمان ہیں اور تم نے تاکید کی کہ آپ بھی فوراً قادیانی ہوجائیں!

میری جان عزیز! سمیر نے بتایا...... امریکا سے جب میرا خط آتا تھا تو ہمارے گھر والے تمہاری والدہ کو اپنی مرضی کا فرضی خط سنا دیتے اور تمہیں، تمہاری والدہ کی خیریت کا خط لکھ دیتے، تمہیں، تمہاری والدہ کے جتنے بھی خطوط ملے وہ جعلی تھے، ایک سال کی تبلیغ کے بعد تمہاری والدہ قادیانی ہوگئیں، ان کے قادیانی ہونے پر ہمارے گھر والوں نے انہیں پھر تمہارا جعلی خط سنایا، جس میں تم نے اپنی ماں کو قادیانی ہونے پر ہزاروں مبارک باد دی اور اسے اللہ کا بہت بڑا انعام لکھا تھا، جسے پڑھ کر تمہاری والدہ بہت خوش ہوئیں، پھر تمہاری والدہ اکثر ربوہ آنے جانے لگیں، پھر انہوں نے باقاعدہ بیعت بھی کرلی اور بیعت فارم پر انگوٹھا لگوایا، پھر ہمارے گھر والوں نے دھوکہ دہی سے آپ کی والدہ سے اسٹمپ پیپرز پر انگوٹھے لگوا کر آپ کا مکان اپنے نام منتقل کروالیا، چھ ماہ قبل جب تمہاری والدہ کا انتقال ہوا تو ہمارے گھر والوں نے رات کی تاریکی میں لاش ربوہ لے جا کر عام قبرستان میں دفنا دی۔“

امی جان! سمیر نے مجھے ربوہ میں قبرستان کا ایڈریس دیا اور آپ کی قبر کی نشانی بھی بتائی۔ میں اسی وقت بس میں سوار ہوا اور ربوہ پہنچ گیا اور اب میں آپ کی

قبر پر آپ کے قدموں میں کھڑا ہوں اور آپ کی قبر کو غمناک اور غمناک آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

امی جان! میں آپ کا بیٹا مومن ہوں، جس کے رونے کی آواز پر آپ دوڑ کر آیا کرتی تھیں، آج وہ مومن آپ کی قبر پر کھڑا رو رہا ہے؟...... ماں جی! آج ایک مومن کو چپ کرانے کے لئے قبر سے باہر آئیے! ورنہ مومن آپ سے روٹھ جائے گا۔

امی جان! اٹھئے، میرے آنسو پونچھیے، مجھے سہارا دیجئے، میں رو رو کر نڈھال ہو گیا، ماں جی! مجھے بتائیے، آپ کے ساتھ کیا بیتی؟ آپ کے ساتھ کیا ظلم ہوا...... ماں جی! ہم تو لٹ گئے...... ہم برباد ہو گئے۔ ماں جی! ختم نبوت کے ڈاکوؤں نے آپ سے آپ کا ایمان چھین لیا، قادیانی سانپوں نے آپ کو ڈس کر آپ کا چراغ ایمان گل کر دیا۔ ہائے اماں جی...... آپ کافرہ اور مرتدہ ہو گئیں، آپ نے مرزائی کو نبی مان لیا...... ہائے امی جی! آپ صدا جہنمی ہو گئیں...... ہائے! کبھی جہنم سے رہائی نہ ملے گی، ہائے! آپ کی قبر دوزخ کا گڑھا بن گئی...... ہائے! آپ کی قبر بچھو اور سانپوں کا مسکن بن گئی، اماں جی! اگر میں اپنے سارے آنسو آپ کی قبر پر بہا دوں تو بھی آپ کی قبر ٹھنڈی نہیں ہو سکتی، اگر میں شبنم سے کہوں کہ وہ سارے موتی آپ کی قبر پر چھڑکا دے تو بھی آپ کی قبر کی آگ نہ بجھ سکے گی...... اگر میں بادلوں سے درخواست کروں کہ وہ اپنے دامن میں سمیٹی ہوئی ساری موسلا دھار بارش آپ کی قبر پر برسا دے تو بھی آپ کی مرقد کی تپش میں فرق نہیں پڑے گا...... اگر میں دریاؤں سے التماس کروں کہ دنیا کے سارے دریا سمندر میں گرنے کے بجائے آپ کی قبر میں آ گریں...... تو بھی آپ کی آتش قبر پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ اگر میں جنات سے التجا کروں کہ وہ بحر منجمد شمالی کی ساری برف لا کر آپ کی قبر پر پہاڑ لگا دیں تو بھی برف کا یہ پہاڑ آپ کی قبر میں ذرہ بھر ٹھنڈک پیدا نہیں کر سکے گا، کیونکہ یہ آگ اللہ تعالیٰ کی لگائی ہوئی ہے اور اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں بجھا سکتا اور کافروں کو اللہ کبھی آگ سے رہائی نہیں دے گا...... ماں جی! میں آپ کا مجرم ہوں، اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں، آپ کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، وہ میری وجہ سے ہوا، میری دوستی کی وجہ سے ہوا، ماں جی، یہ معاشرہ آپ کا مجرم ہے، جو قادیانیوں سے نفرت نہیں کرتا، جو قادیانیوں کی خفیہ سرگرمیوں میں کڑی نظر نہیں رکھتا، جو قادیانی معلوم ہو جانے پر بھی قادیانی کو مسلم معاشرے سے باہر نہیں نکالتے...... ماں جی! یہ حکومت بھی آپ کی مجرم ہے، اس ملک میں مجرموں اور زندیقوں کو تہہ تیغ نہیں کرتی...... ماں جی! وہ علماء آپ کے مجرم ہیں جو منبر پر بیٹھ کر مسلمانوں کو قادیانیوں کے عقائد و عزائم سے آگاہ نہیں کرتے، وہ قادیانیت کے کفر کو ننگا نہیں کرتے...... جو آستین کے چھپے ہوئے سانپوں کی سازش اور ریشہ دوانیوں کو طشت از بام نہیں کرتے، جو مسلمانوں کے ایمانوں پر پہرہ نہیں دیتے...... ماں جی! کاش کوئی میری ایم بی اے کی ڈگری لے لے اور آپ کو جہنم کے شعلوں سے بچا لے۔

کاش کوئی مجھ سے میری تعلیم لے لے اور آپ کو دوزخ سے رہائی دلوا دے...... کاش کہ مفت میں مجھے اپنا غلام بنا لے اور آپ کو بچھوؤں اور سانپوں سے بچا لے۔ کاش کہ کوئی مجھ سے میری بھرپور جوانی کی زندگی لے اور آپ کو عذاب قبر سے بچا لے...... کاش، کاش!!! مگر ایسا نہیں ہو سکتا......

اے غفلت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں، یہ صرف ایک مسلمان ماں بیٹے کی کہانی ہی نہیں بلکہ ہزاروں ایسی غمناک کہانیاں مزید اس بے وفا معاشرے میں جنم لے چکی ہیں، اے خواب و خیال کی دنیا میں مست رہنے والے مسلمان، ذرا اپنی آنکھیں تو کھول کر دیکھ، تو اپنے اردگرد کئی ایسی دردناک کہانیوں کو پائے گا۔ کہیں قادیانیوں نے بیٹے کو ماں کی ممتا سے دور

کر دیا اور کہیں بیٹے سے ماں کی شفقت و محبت چھین لی گئی، کہیں باپ سے اس کا اکلوتا وارث چھین لیا گیا، کہیں کسی بدقماش قادیانی نے خود کو مسلمان ظاہر کر کے معصوم اور پاک دامن بچی سے شادی کر لی اور اس کی زندگی برباد کر کے اسے اس بے وفا دنیا میں غیروں کے در کا محتاج اور ذلیل و رسوا کر دیا اور کہیں دوستوں سے ان کی دوستی چھین لی، غرضیکہ ایسی کئی غمناک کہانیاں جو اس معاشرے میں جنم لے رہی ہیں۔

اے دنیا کے نشے میں مست مسلمان! پوچھ اس بیٹے سے، جس کی ماں کو کافرہ مرتدہ (قادیانی) بنا دیا گیا، پوچھ ان بوڑھے والدین سے، جن کا دنیا و آخرت کی امیدوں کا اکیلا سہارا ان سے جدا کر دیا گیا، پوچھ اس معصوم بچی سے جس کی عزت کو سہاگ کے نام پر تار تار کیا گیا۔

سوچ اگر ایسے حالات و واقعات تیرے ساتھ پیش آتے تو تیرے ان ایمان کے لٹیروں کے بارے میں کیا جذبات ہوتے۔ غور کر یہ بھی کسی کی ماں تھی، یہ بھی کسی کی بہنیں تھیں، یہ بھی کسی کا لخت جگر ہے اور ہاں تیرا بھی تو ان کے ساتھ اسلامی اخوت و محبت کا رشتہ ہے۔ اے مسلمان! پوچھ اپنے ضمیر سے کہ اس وقت گنبد خضریٰ میں دل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہو گا؟ جنہوں نے اپنے ہر امتی کے لئے راتوں کو گڑگڑا کر دعا کی، جس ہادی برحق نے اسی امت کی خاطر وادئ طائف میں پتھر کھائے۔ جس نے میدان احد میں اس امت کی خاطر اپنے دندان مبارک شہید کروائے۔ اسی ہادی برحق کو صادق و امین کہنے والے ساحر اور مجنون کہنے لگے، عزیز رشتے دار جان کے دشمن بن گئے، اپنے محبوب وطن مکہ معظمہ سے نکالے گئے، جن کی شان اقدس میں فحش بکواسات کی گئی، جن کے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا گیا، حالت نماز میں جسم اطہر پر اونٹ کی غلیظ اوجھڑی رکھی گئی، جن کی پاکیزہ مطہرہ اور محبوب بیٹیوں کو طلاق دی گئی...... ہائے! اس محبوب نبی کا اس وقت کیا حال ہوتا ہو گا۔ جب ان کے مبارک دامن سے ان کے کسی امتی کا عشق و محبت کا تعلق کٹوا کر مرزا قادیانی ملعون کے ساتھ جوڑا جاتا ہو گا۔ جن کے تاج و تخت ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے کی کوششیں کی گئی اور مرزا قادیانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ آخری نبی، اس کے چیلوں کو "صحابہ" اس کی مرتدہ بیوی کو "ام المومنین" اس کی لڑکی کو "سیدۃ النساء" اور اسی کے خبیث گھر والوں "اہل بیت" اس کی باتوں کو "حدیث" اور من گھڑت وہموں کو "قرآن" کہا جاتا ہو گا۔

اے مسلمان! دیکھ یہ امت بہت لٹ چکی، کتنے ہی گھر تباہ ہو چکے، بس بہت ہو چکا، اب بیدار ہو جا، بہت کھو چکا، اب ہوشیار ہو جا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس و رسالت کے تحفظ کے لئے دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرپیکار ہو جا...... اپنے اسلاف کی تابندہ روایات کو پھر زندہ کر، جہاد کا علم لہرا کر اٹھ، شہادت کا جذبہ لے کر آگے بڑھ اور امت کی ڈوبتی کشتی کو سہارا دے!

آیئے، ہم آپ سب مل کر بارگاہ الٰہی میں پہلے اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر معافی مانگیں اور اپنی عمداً یا قصداً غفلت سے تائب ہو کر آئندہ کے لئے یہ عہد کریں کہ ہم بفضل اللہ تعالیٰ ان ایمان کے لٹیروں کی ہر سازش کو ناکام کر دیں گے، چاہے اس کے لئے ہمیں اپنا مال، اپنی جان، اپنی اولاد، گھر بار ہی کیوں نہ قربان کرنے پڑے، تاکہ ان شاءاللہ آئندہ کوئی ماں، بہن، ضعیف باپ، کمزور اولاد ان ہتھکنڈوں میں آ کر جہنم کا ایندھن نہ بن جائے۔ ان شاءاللہ ان ناسوروں سے ہم اپنا معاشرہ بالکل پاک صاف کر دیں گے تاکہ ہمارے معاشرے میں ایمان و اسلام کی معطر ہوائیں ہمیشہ نور پھیلاتی رہیں۔ خدا تعالیٰ ہماری دعا مقبول و منظور فرما۔ آمین ثم آمین

☆......☆......☆

اے ماں! تیری عظمت کو سلام

حبیب الرحمٰن ساگر

اے ماں! میں تیرا ذکر کہاں سے شروع کروں، اس وقت سے جب تو نے اپنے لختِ جگر کو اپنے خاوند کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ اسے اللہ کی رضا کے لئے ذبح کر دے، یا اس وقت سے جب تیری گود میں ایک نومولود بچے نے تیری تقدیس کی گواہی دی تھی، یا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والی اس ماں کا تذکرہ کروں، جس کے بیٹے کو مسیلمہ کذاب نے بے دردی سے قتل کروایا اور جسم کی بوٹی بوٹی کروا ڈالی، لیکن جب ماں کو خبر ملی تو عجیب ایمانی کیفیت سے اس کا ذکر کیا:

"میں نے دودھ اس دن کے لئے پلایا تھا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر قربان ہو جائے۔"

یا اس ماں کا تذکرہ کروں جس کی پاکیزگی وطہارت اور قرآن سے اس کا لگاؤ ایسا تھا کہ بچہ جب بولنے کے قابل ہوا تو قرآن کے چند سپاروں کا حافظ تھا۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔"

سچ فرمایا ہے کچھ شک نہیں اس پاک ارشاد میں، اس لئے تو صحابی رسول بھی اگر ماں کو ناراض کرے تو نزع کی حالت میں موت مشکل ہو جائے، کلمہ زبان پر جاری نہ ہو تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں۔ شاعر نے ماں کی محبت کو ایک شعر میں عجیب انداز میں پیش کیا ہے:

اک مدت سے میری ماں سوئی نہیں تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

اللہ رب العزت کا اس امت پر خاص احسان ہے کہ دین متین کی حفاظت اور سربلندی کے لئے اللہ ہر دور میں ایسے نفوس قدسیہ پیدا کر دیتا ہے جو دین ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں، جن کی صبح وشام قال اللہ وقال الرسول میں گزرتی ہے، جہاں اللہ مردوں سے کام لیتا ہے، وہاں عورت بھی کسی طرح پیچھے نہیں اور پھر ماں کا تو مقام ومرتبہ ہی کچھ اور ہے۔

جس اللہ والی کا تذکرہ کرنے کی خاطر میں نے یہ مضمون شروع کیا ہے، وہ اس دور کی عظیم ماں ہے، میں اس کی عظمت وتقدیس کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔

اے میرے اللہ اس نفسا نفسی کے دور میں جب ہر مرد وعورت کو اپنے گھر، بال بچوں اور پیٹ کی پڑی ہے اور عورتیں جن کی زندگی کا محور فیشن، چٹخارے دار کھانے، آسائشیں خواہ اس کے لئے حلال وحرام کی بھی

تمیز نہ کی گئی ہو، ایسے دور میں دین اسلام کے لئے تمام آسائشوں کو چھوڑ کر فقط عقبیٰ میں سرخ روئی کے لئے ڈٹ جانا، میرے خیال کے مطابق اس دور میں اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اس ماں نے صرف آسائشوں کو خیرباد نہیں کہا، بلکہ اس کے روئیں روئیں سے لہو بہہ رہا ہے، وہ بیٹیاں جن کو اس نے اپنی بچیوں کی طرح پالا، کوئی ایک دو سال نہیں، بلکہ پندرہ سال سے۔ بچیاں اس مدرسے میں آتی رہیں۔ شفقت ومحبت کے گہوارے میں دین کا سبق مکمل کر کے اپنے گھروں کو سدھارتی رہیں اور پھر اپنے پیا کے گھر کو دین کی خوشبو سے معطر کرتی رہیں اور پھر اچانک آزمائش آ گئی اور اللہ تو ایمان والوں کو آزماتا ہے تاکہ دیکھے کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔

بس وہ ماں بھی آزمائی گئی۔ دنیا کی آسائشوں سے کنارہ کشی کی زندگی تو وہ اتنی خوشی کے ساتھ گزار رہی تھی، جتنی آج کی عورتیں عام آسائشوں کے باوجود نہیں گزارتیں اور ہر وقت ناشکری کے الفاظ کے ساتھ خدا اور رسول کو ناراض کرتی رہتی ہیں۔ اس ماں نے پھر خون دیکھا اور اتنا خون دیکھا کہ اس کی بچیاں خون میں نہاتی رہیں۔

یہاں تک کہ اس کا کڑیل جوان بیٹا بھی ان بہنوں کی عزت وناموس کی حفاظت میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ساس جس کو اپنی ماں سے بڑھ کر عزت دی تھی، وہ بھی جاں بحق ہو گئیں۔ خاوند جس کا دیدار ہی غموں کو مٹا دیتا ہے، سلاخوں کے پیچھے چلا گیا۔ دو جوان بیٹیوں سمیت خود بھی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دی گئی۔ ہزاروں طلبہ وطالبات کا غم سینے میں لے کر وہ سسکیاں لے رہی ہے اور اس کے آنسو کسی نے نہیں دیکھے، کیونکہ وہ تو صرف رب ذوالجلال کے سامنے اپنے اشک بہا رہی ہے اور ایک بات ہی کہہ رہی ہے: "اے میرے رب اس ملک میں شریعت کا نظام نافذ فرما۔"

ہماری قربانیاں نفاذ شریعت کی تھیں، وہ وقت جب عورت تو کیا مردوں کے بھی حوصلے پست ہو جاتے ہیں، اس کے منہ سے ایک لفظ بھی شکوہ کا نہ آیا، مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اس ماں کو کیسے خراج عقیدت پیش کروں، وہ ماں آج کے دور کے اس نام نہاد لاکھوں مسلمانوں سے کروڑ ہا درجے عظیم ہے۔

اے حکمرانو! خدا کے لئے ہوش کے ناخن لو۔ کیوں اس ماں کی بددعا کی زد میں آنا چاہتے ہو، اس طرح تو کسی ماں کو پڑوسی ملک نے بھی ذلیل نہیں کیا، تم کس طرح کے مسلمان ہو۔ سچ ہے خدا کی قسم اتنا نقصان تو اسلام کو کافروں نے نہیں پہنچایا، جتنا ان نام نہاد مسلمانوں نے پہنچایا ہے۔

میں آخر میں اثر ورسوخ رکھنے والے عام شعبہ ہائے زندگی کے افراد سے گزارش کروں گا، خدا کے لئے اس ماں اور اس کی بیٹیوں اور طالبات کی رہائی کے لئے مخلصانہ کوششیں کریں۔ ورنہ اس ملک کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اللہ دین متین کی بلندی کے لئے کام کرنے والوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

☆......☆......☆

خربوزہ

حضرت محمد بن شفیق رحمہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی والدہ محترمہ کے لئے خربوزہ خریدا، مگر انہیں پسند نہ آیا اور وہ خفا ہوئیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی "اماں جان! آپ کس پر خفا ہوتی ہیں؟ بیچنے والے پر؟ یا خریدار پر؟ یا خالق پر؟ خدا کی قسم! خالق تو سب سے اچھا بنانے والا ہے اور بیچنے اور خریدنے والا تجھے وہی دیتا ہے جو ازل میں تیرے لئے لکھا ہے۔" یہ سن کر میری والدہ نے توبہ واستغفار کی۔

☆......☆......☆

فقط تیری کمی ہے......

نصیر احمد

جنوری کے ابتدائی دنوں میں کراچی میں خنکی کچھ بڑھ گئی تھی، میں ایک دن عشاء کی نماز کے بعد کام نمٹا کر مطالعہ کے لئے کرسی پر بیٹھا تو سردی محسوس ہوئی حالانکہ میں نے سویٹر پہنا ہوا تھا اور رومال بھی لپیٹا ہوا تھا، اب چادر کو بھی اچھی طرح لپیٹ لیا، لیکن پاؤں پھر بھی ٹھنڈے برف ہو رہے تھے، ایسے میں چائے کی خواہش دل میں اٹھی، کینٹین تک جانا تو اس وقت جان جوکھوں کا کام تھا اور خود چائے بنانا بھی کچھ آسان نہ تھا، لہٰذا بیٹھا ہی رہا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر ذہن کو تھوڑی دیر کے لئے آزاد فضاؤں میں چھوڑ دیا تو وہ ماضی کی وسعتوں میں اڑانیں بھرتا، منزلوں پر منزلیں طے کرتا دور بہت دور چولہے کے گرد بیٹھی ''امی جی'' کے پاس پہنچ گیا، جہاں کچی کوٹھڑی میں چولہے میں انگارے سلگ رہے ہیں اور سب گرد بیٹھے ہوئے ہیں اور گرما گرم بھاپ اڑاتی چائے کے کپ ہاتھوں میں ہیں۔ لکڑی کا دروازہ زور سے بجتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ شوریدہ سر اور یخ بستہ ہوائیں بپھری ہوئی ہیں۔ باہر رکھے برتن ہوا کے زور سے گر کر شور مچا رہے ہیں، لیکن کسی کو بھی باہر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی، جب کوئی باہر سے آتا ہے تو دروازہ کھلنے پر ہوا کا تیز جھونکا سیدھا اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو لگتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ''امی جان'' روزانہ کچھ نہ کچھ تیار کئے رکھتی ہیں، اگر کچھ نہ ہو تو چائے سے تو محرومی ہرگز نہیں ہوتی۔

میرا دل چاہا کہ کاش ذہن کے ساتھ ساتھ جسم بھی پرواز کر سکتا اور میں اپنے جسم کے ساتھ ''امی جی'' کے پاس ہوتا۔ اب تو عرصہ بیت گیا ہے امی جان کے ساتھ سردیاں گزارے ہوئے کہ چھٹیاں ہی نہیں ہوتیں اور وہ کچی کوٹھڑی بھی صرف یادوں کی دنیا میں باقی رہ گئی ہے۔

ماں کو اللہ تعالیٰ نے کتنا پیارا بنایا ہے، جس کا دل ہر وقت اپنی اولاد کے ساتھ دھڑکتا رہتا ہے، اپنی اولاد کی محبت تو اس کے ریشے ریشے میں اتری ہوتی ہے۔ میں بھی سردی سے بے نیاز ہو کر ''امی جی'' کی ممتا بھری محبت کے بارے میں سوچنے لگا اور ماضی کے دریچوں سے آتے ہوئے یادوں کے جھونکے دل و دماغ کو سرور بخشنے لگے۔

''امی جی'' سے سیکڑوں میل دور کراچی میں جب میں پہلی بار آیا تو پتہ نہیں، انہوں نے اپنے دل پر کتنے

پتھر رکھے ہوں گے بارہ تیرہ سال کے بیٹے کو آنکھوں سے دور کرنے پر، کراچی آ کر جب فون پر ''امی جی'' سے بات ہوتی تو میں رو پڑتا، امی کچھ دیر تو مجھے تسلیاں دیتی رہتیں لیکن پھر ان کی آنکھیں بھی چھلک پڑتیں، فون پر بات کرنا مشکل ہو جاتا، فون بند ہو جاتا اور میں پہروں آنسو بہاتا رہتا، کبھی امی جی کی جدائی پر اور کبھی بہن بھائیوں کی دوری پر۔

ایک دفعہ میں ماموں کے ساتھ راولپنڈی آیا واپسی میں مجھے ماموں نے گاڑی پر سوار کرا دیا لیکن دیر ہو چکی تھی، گاڑی والے کو سمجھایا کہ اس کو فلاں مقام پر اتار دینا اور مجھے بھی سخت تاکید کی کہ سیدھا گھر جانا، ادھر ادھر نہ چلے جانا، میں جب اپنے شہر پہنچا تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا اور گاؤں کی گاڑی ملنا بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا، پریشان بھی ہو رہا تھا کہ ابھی کہاں جاؤں گا کہ گاڑی سے اترتے ہی سامنے پھپھو کا بیٹا نظر آ گیا۔ وہ مجھے لے کر اپنے گھر چلا گیا رات وہاں گزاری اور امی جی کو فون پر مطلع کر دیا کہ میں فلاں کے پاس ہوں، صبح سویرے ہی میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی دن شام کے وقت میں نے محسوس کیا کہ امی جی بہت غور سے میری طرف دیکھ رہی ہیں، چھوٹا تو تھا ہی، ایک دم سے پوچھ بیٹھا۔ ''امی جی کیا بات ہے؟ بہت غور سے آپ میری طرف دیکھ رہی ہیں۔''

امی جی بولیں: ''میں دیکھ رہی ہوں کہ کل رات میرا بیٹا جب گاڑی سے اترا ہو گا تو کیسے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا ہو گا۔''

پچھلی بار جب میں سالانہ تعطیلات گھر میں گزار کر واپس آیا تو میری جوتیاں گھر پر ہی رہ گئی تھیں، ایک دن میں امی جی سے فون پر بات کرنے لگا تو انہوں نے کہا۔ ''بیٹا! آج میں پڑوسیوں کے گھر سے واپس لوٹی تو دروازے سے داخل ہوتے ہی سامنے تمہاری جوتیوں پر نظر پڑی تو ایسا لگا کہ میرا بیٹا اندر بیٹھا ہوا ہے، میرا دل چاہا کہ جوتیاں اٹھا کر اپنے دل سے لگا لوں۔''

میری ہمشیرہ جب گھر میں تھیں تو میرے فون کرنے پر وہ بتاتی تھیں کہ امی تمہیں یاد کر کے رو رہی تھیں کہ میرا بیٹا پردیس میں پتہ نہیں کس حال میں ہوگا، میں کہتا۔ ''امی جی! میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں آپ بالکل بھی میری فکر نہ کریں۔'' تو کہتی ہیں: ''ہاں بیٹے تم تو ٹھیک ہی ہو گے لیکن میں کیا کروں اس دل کا کہ اس کو چین ہی نہیں آتا۔''

جب ہمشیرہ کی شادی ہو گئی اور وہ بھی کراچی آ گئیں تو شادی کے کچھ دنوں کے بعد مجھے بھی چھٹیاں ہو گئیں، میں گھر آ گیا، ایک رات ایسا ہوا کہ امی جی باہر برآمدے میں چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں اور میں اندر تکیہ سے ٹیک لگائے مطالعہ کر رہا تھا، مجھے باہر سے ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز آئی، میں اچھل کر بیڈ سے اترا اور امی جی کے پاس پہنچا تو وہ رو رہی تھیں، میں نے اپنے ہاتھ سے امی جی کے بہتے آنسو صاف کئے اور رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگیں: بیٹی کی یاد ستا رہی ہے، کل سے نمبر بھی نہیں مل رہا، آج تیسرا دن ہے اس سے بات کئے ہوئے پتہ نہیں کیوں میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔

امی جی اپنی ایک ایک اولاد کو یاد کر کے روتی رہتی ہیں کیونکہ ساری اولاد سوائے چھوٹے بیٹے کے، ایک ایک کر کے دور چلی گئی ہے، نہ امی وہاں جا سکتی ہیں نہ اولاد سہولت سے آ سکتی ہے، برسوں میں اگر کبھی سب اکٹھے ہو جائیں تو امی جی کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔

میں ہر وقت امی جی کی دعاؤں کا محتاج رہتا ہوں کیونکہ یہ مجھے بڑا سہارا دیتی ہیں، میں فون کر کے کہتا ہوں۔ ''امی جی! امتحان ہو رہے ہیں دعا کریں۔''

''بیٹا میں تو ہر وقت تم سب کے لئے دعا کرتی رہتی ہوں۔'' امی کہتی ہیں: ''ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر تمہاری کامیابی کے لئے دعا کرتی ہوں۔''

رزلٹ آؤٹ ہونے کے دن بھی میں امی جی سے

دعاؤں کی درخواست کرتا ہوں تو مجھے بڑی تسلی دیتی ہیں اور واقعی ان کی دعاؤں سے اور رب کے فضل و کرم سے رزلٹ ہمیشہ بہترین رہتا ہے۔

یہ ماں کی دعائیں ہی ہیں جو زندگی کی تپتی راہوں میں سائبان بن جاتی ہیں، زیست کی کٹھن راہیں آسان کردیتی ہیں، منزل کی طرف جاتے بند در وا کردیتی ہیں، پریشانیوں کی کالی گھٹاؤں کو منتشر کردیتی ہیں اور گھپ اندھیروں میں چمکتا نور بن جاتی ہیں۔

جب بھی کوئی مشکل پیش آئے تو پہلے اپنے رب کو پکارو، اس سے دعائیں مانگو اور اپنی ماں سے دعا کے لئے کہہ دو تو بعید ہے کہ وہ مشکل آسان نہ ہوجائے۔

ایک بار ہمارے استاد محترم نے چند لڑکوں کی مختلف ٹولیاں بنا کر ایک کام مکمل کرنے کے لئے بھیج دیا۔ ہم دو ساتھی تھے جن کو ایک تیسرے ساتھی کے گھر بھیج دیا گیا، دوسرے دن دوپہر کے وقت استاد صاحب ہمارے پاس آئے تو ہم دستر خوان پر بیٹھے تھے اور دستر خوان طرح طرح کی چیزوں سے سجا ہوا تھا، ہم اپنا کام بھی مکمل کرچکے تھے، اس لئے استاد محترم بولے: ”یہ بتاؤ، تمہاری ماں زندہ ہے؟“

”جی استاد جی!“ میں نے کہا۔

”تبھی تم لوگ اتنے آرام سے بیٹھے ہو“ استاد صاحب نے ایک خاص کیفیت میں کہا۔ ”اور ہم تھک تھک کر چور ہوچکے ہیں، دعائیں کرنے والی ماں جو نہیں رہی، تم لوگ اپنی ماں کی قدر کرو ورنہ بعد میں پچھتاوا ہی ہوتا ہے۔“

واقعی جب زندگی میں ماں باپ کی خدمت نہ کی ہو تو پھر آدمی پچھتاتا ہی رہتا ہے لیکن۔

اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

ایک دن میں لائبریری میں کتابیں دیکھ رہا تھا تو ایک الماری میں مجھے ماں کے موضوع پر لکھی ہوئی کتاب نظر آئی میں وہی اٹھا کر مطالعہ کی میز پر آگیا، اس کے واقعات پڑھنا شروع کئے تو آنسو بار بار پلکوں کی حدود سے بغاوت کر جاتے تھے، پھر اورق الٹنے پلٹنے پر ایک جگہ اقوال لکھے ہوئے نظر آئے، ایک جگہ لکھا تھا:

”ماں کی محبت چٹان سے زیادہ مضبوط، سمندر سے زیادہ گہری، عطر سے زیادہ خوشبودار اور جنت سے بڑھ کر خوبصورت ہوتی ہے۔“

دوسری جگہ لکھا تھا:

”لفظ ماں کے ساتھ شفقت و محبت، نرمی، رحم دلی، غمگساری، قربانی، ایثار، ضبط تقدس اور احترام وابستہ ہے۔“

میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر دوسرے دن امی جی سے فون پر بات ہوجائے اگر کبھی دیر ہوجائے تو اچانک کسی وقت درس کے دوران ہی دل بے چین ہوجاتا ہے، مجھے فوراً اپنی کوتاہی کا احساس ہوجاتا ہے، امی جی فون کے انتظار میں ہوں گی، میں سبق سے فارغ ہوکر سب سے پہلے گھر فون کرتا ہوں تو سلام کے فوراً بعد امی جی کہتی ہیں کہ میں کام تو کر رہی تھی لیکن میرے کان فون ہی کی طرف لگے ہوئے تھے کہ کب بیل بجے گی اور اپنے بیٹے سے بات ہوگی۔

اللہ تعالیٰ میری امی بلکہ ہم سب کی ماؤں کا سایۂ عاطفت خیر و عافیت کے ساتھ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں اور ہمیں خوب خوب اپنے والدین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ ایمان کی حالت میں ماں باپ کی خدمت سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور عاقبت بھی سنور جاتی ہے۔

میں جب کراچی میں سب کچھ پاتا ہوں لیکن ”امی جی“ کو نہیں پاتا تو میری زبان پر کسی جگہ پڑھا ہوا یہ شعر آجاتا ہے۔

خوشبو کے جزیروں سے سمندر کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے فقط تیری کمی ہے

☆......☆......☆

اتنی جلدی......واہ رے زمانے

ماں باپ کا دم بھرنے والا بیٹا شادی کے چند دن بعد ہی پرایا پرایا لگنے لگا، بہو بیگم کو سسرال کے ماحول نے ڈیپریس کردیا، ایک دکھیاوری ساس کی کتھا، کچھ نصیحتیں بہو بیگم کے لئے

صدیقہ نور

میں نے بڑے مان سے اپنے بیٹے کو دولہا بنایا۔ بڑے چاؤ سے بہو کو گھر کے آنگن کی رونق بنا کر لائی، لیکن یہ کیا، بہو بیگم کو سسرال میں قدم رکھے مہینہ بھر نہ گزرا کہ بہن کے لاڈ اٹھانے والا، ماں باپ کا دم بھرنے والا بیٹا، ایکدم سے پرایا پرایا لگنے لگا۔ بہو بیگم نے دل جدا کئے اور بیٹا بوڑھے ماں باپ کو بے سہارا اور کنواری بہن کو بے آسرا چھوڑ کر سسرال میں جا بسا، یعنی میں بہو بیاہ کر نہیں لائی، بیٹا رخصت کردیا۔ صرف ایک مہینے میں یہ فیصلہ کردیا کہ بیگم صاحبہ کی ساس اور نند سے بنتی نہیں۔ گھر کا ماحول پسند نہیں آیا، ڈیپریشن کا شکار ہوگئی۔ لہٰذا ایک ساتھ گزارا مشکل ہے۔ بیٹے کو بیوی کے ڈیپریشن کا اتنا خیال، لیکن بوڑھے ماں باپ اور کنواری بہن کا کوئی احساس نہیں، کس طرح دکھ بیماری میں اکیلے ہمت کرتی ہوں۔ تمہارے باپ کی ٹانگوں میں تو اب دم نہیں۔ گھر کے باہر کے کام بھی اب میری ہی ذمے داری ٹھہرے۔ اس مہنگائی کے دور میں کس طرح سے صرف پنشن پر گزارا ہوتا ہوگا، کبھی سوچا، جوان بہن کس طرح ٹیوشن پڑھا کر اپنا غم ہلکا کرتی ہوگی۔ کبھی اس کا چہرہ نگاہوں میں نہیں آتا کیا، اس لئے اپنے وجود کو گھسا گھسا کر تمہارے بازو مضبوط کئے، تمہیں اڑنا سکھایا، مگر جب پر لگ گئے تو ایسے اڑے کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ بوڑھے ماں باپ کس تکلیف میں ہیں۔ بیٹا میری تربیت میں تو کوئی کسر نہیں تھی، اتنا مجھے یقین ہے، ہاں مگر میرے انتخاب میں کسر رہ گئی۔ بہوئیں تو وہ بھی ہوتی ہیں جو دس سال، بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ سسرال میں انتہائی صبر و تحمل سے کئی نندوں، دیوروں، جیٹھ، جیٹھانیوں کے ساتھ مل جل کر رہتی ہیں، کبھی ساس سسر کے آگے زبان نہیں کھولتیں، کبھی نندوں کی شرارتوں سے تنگ آکر شوہر کے کان نہیں بھرتیں کہ بہن بھائی میں دوریاں ہوجائیں گی۔ رشتوں کا مان رکھنے والیاں تو ہر حال میں صبر و ہمت کا مظاہرہ کرتی ہیں اور خاندان کا شیرازہ بکھرنے نہیں دیتیں، لیکن آنکھوں دیکھی مکھی تو میں نے بھی نہیں نگلی۔ خاندان کی شرافت دیکھتے ہوئے تو رشتہ

طے کیا تھا۔ ماں، بہنوں نے بھی لڑکی کی سادگی اور نیک سیرت ہونے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے تھے۔ کیا نیکی اور سادگی یہ ہے کہ مہینے بھر میں ہی بیٹے کو ماں باپ، بھائی بہنوں سے جدا کر کے اپنے باپ کے قریب جا بسے۔ صرف ایک مہینے میں ہی سسرال کو برا ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ بہو بیگم جسے لڑنا ہوتا ہے، وہ تو ہوا سے بھی لڑتی ہے۔ آخر تمہارے ماں باپ کے گھر میں بھی تو تمہاری بھاوجیں ہیں، ان سے کیسے بنے گی۔ کیا ان کے سینے پر بھی مونگ ہوگی۔

آج ایک سال ہونے کو آیا ہے۔ خود تمہاری گود میں پیارا سا منا موجود ہے، جسے پال پوس کر جوان کرنے میں ابھی تمہیں بھی کئی سال لگیں گے اور جب اس کی شادی کرو گی تو تم بھی بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکی ہوگی۔ کیا اپنے لئے بھی وہی سب کچھ پسند کرو گی، جو تم خود کر رہی ہو، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ مسکراؤ میری بے بسی پر اے تارو
تم اپنی خیر مناؤ کہ رات جاتی ہے

کیا اپنے بھائیوں کے لئے بھی یہ بات پسند کرو گی کہ وہ تمہارے ماں باپ کا ساتھ چھوڑ کر سسرال میں یا ان کے گھر کے قریب جا بسیں کہ ان کی بیویوں کے سر پر بھی تو تم جیسی نندوں کی طرف سے ڈپریشن طاری رہتا ہوگا۔

پیاری بہو، تم تو ہماری عزت ہو۔ ہمارے آنگن کی رونق تو تم اور تمہارے بچوں سے ہی ہے۔ ہم تو بیٹیوں سے بڑھ کر تمہارا مان کرتے ہیں۔ جہاں چار برتن ہوں، کھنک تو پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ نئے ماحول کو سمجھنے میں تو کئی سال لگ جاتے ہیں۔ بس یہیں ماں کی تربیت بولتی ہے۔ دین کی تعلیم نظر آتی ہے۔ آج اگر صبر و تحمل سے کام لو گی تو کل تمہارے ہی لئے آسانیاں پیدا ہوں گی۔ یاد رکھو، صبر کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ اپنی انا کے خول سے باہر آؤ، جو لوگ تمہیں اپنا بنا کر لائے ہیں، ان کے لئے تھوڑی سی قربانی دے کر اپنا مقام خود پیدا کرو۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہئے کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے، بہو کی شان سسرال سے ہوتی ہے۔ یہاں کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھ کر نمٹاؤ۔ اگر اب بھی میکے میں دل اٹکائے رکھو گی، تو نہ تین میں رہو گی نہ تیرہ میں۔ شوہر اور سسرال کے مسائل سے گھبرا کر سسرال کے ماحول کو ڈپریشن زدہ کہہ کر اگر اپنے میکے کے ساتھ جا بسیں تو کیا میکے میں تمہاری عزت ہوگی، ہرگز نہیں۔ لڑکی کا اصل گھر سسرال ہی ہوتا ہے۔ اگر خاندان میں عزت اور عزت چاہتی ہو تو سسرال میں مقام پیدا کرو، ورنہ بیٹا دنیا تو مکافات عمل کا نام ہے۔ گلاب بوئے، سو گلاب ہی کاٹے، کیکر بوؤ گی تو خود ہی سوچ لو۔

☆......☆......☆

ماں

☆......سب سے خوبصورت اور شیریں ماں کا پیار ہے۔

☆......محبت کرنے والی اگر کوئی شے ہے تو وہ صرف ماں ہے۔

☆......ماں ایک ایسا سایہ ہے جو اندھیرے میں قریب تر ہوتی ہے۔

☆......ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے۔

☆......مجھے ماں اور پھول میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

☆......خالق ربانی کا عظیم تحفہ ہے ماں۔

☆......ماں ایک ایسی خوشبو ہے جس سے یہ جہاں مہک اٹھتا ہے۔ رب العزت نے اپنا وصف تخلیق اسے عطا کر کے اس کے درجات اور مقامات کو اتنا بلند کر دیا کہ جنت اس کے قدموں کے نیچے رہ گئی۔

(انتخاب:......مس شہلا ہاشمی)

میری ماں

عفت طاہرہ

بھنور میں پھر اچھالا ہے کسی نادیدہ قوت نے
مگر کیسے ہوا یہ معجزہ، معلوم کرنا ہے
تجھے کچھ یاد ہے، بس کل تجھے کب یاد آیا تھا
مجھے اے ماں برا وقت دعا، معلوم کرنا ہے

تپتی، دھوپ برساتے کھلے آسمان تلے گھنا سایہ، اپنی کوکھ سے جنم دے کر محبتوں سے پالنے والی اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ عزوجل سے دعائیں مانگنے والی ہستی "ماں"، کہ جب وہ دنیا میں نہ رہی تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔ "موسیٰ! طور کر طرف سنبھل کر آؤ، تمہارے پیچھے دعائیں کرنے والی ماں دنیا میں نہیں رہی۔"

"سبحان اللہ" کیا شان ہے ماں کی۔

جب ہمارے والد صاحب کی وفات ہوئی تو اپنے پرائے اور آشنا بیگانے بن گئے، جو رشتے دار بہانے بہانے سے آیا کرتے تھے انہوں نے سر پر ہاتھ رکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ یتیموں کا کون ہوتا ہے؟ "اللہ" اسی نے ہماری ماں کو ہمت دی کہ وہ جو گلی اور راستے تک نہیں پہچانتی تھیں، انہوں نے ہی ہمیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا اور ایسی تربیت کی کہ لوگ رشک کرتے ہیں۔ ہماری امی ماشاء اللہ صوم صلوٰۃ کی پابند اور تہجد گزار ہیں۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک ہم نے انہیں پابندی اور فکر سے نماز کا اہتمام کرتے دیکھا ہے، تلاوت قرآن پاک کا بھی بہت شوق ہے، تمام اوقات کی مخصوص سورتیں مثلاً سورۃ یٰسین، سورۃ واقعہ، سورۃ رحمان اور جمعہ کے دن سورۃ کہف اور سورۃ جمعہ جبکہ رات کو سورۃ سجدہ اور سورۃ الملک پڑھنے کے علاوہ اپنا روزانہ کا سبق بہت پابندی سے پڑھتی ہیں، باوجود اس کے کہ اب نظر کمزور ہو گئی ہے اور ہائی بی پی کی وجہ سے سر میں درد رہتا ہے، مگر یہی کوشش ہوتی ہے کہ تلاوت قرآن نہ چھوٹے، رمضان شریف میں بہت طبیعت خراب ہوگئی اور الٹیاں بھی لگی رہیں، مگر ماشاء اللہ ایک بھی روزہ قضا نہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے کھلا ہاتھ عطا کیا ہے، صدقہ و خیرات کرنے کا ہماری امی جان کو بہت ذوق ہے، یہاں تک کہ جب ہمارے حالات والد کی وفات کے بعد تنگ ہو گئے تو حتیٰ الامکان کسی مصیبت زدہ کی خود بھی مدد کرتیں اور اپنے صاحب ثروت جاننے والوں سے لے کر اس کے گھر پہنچاتیں، لیکن اللہ تعالیٰ پر ایسا پختہ یقین ہے کہ الحمدللہ تم الحمدللہ ہمیں کبھی صدقہ و خیرات کا ایک روپیہ تک نہ کھلایا، ہمیشہ کہتیں، اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج

نہ کرے، اپنا ہی محتاج رکھے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر اسی توکل اور اعتماد کا نتیجہ تھا کہ آج کل کے ماحول میں، جہاں باپوں کے ہوتے ہوئے بچے بگڑ رہے ہیں، وہاں ہم سب بہن بھائی کسی غلط راہ پر چلنے سے محفوظ رہے، ماشاء اللہ دونوں بھائی آرمی میں ہیں جبکہ ہم دو بہنیں عالمہ اور چھوٹی بہن گیارہویں میں پڑھ رہی ہے، رشتے نہ ہونے کی پریشانی عورتوں کو تعویذ گنڈوں اور جھوٹے عاملوں کے چکر میں ڈال دیتی ہے، اچھے اچھے امیر گھرانوں کی پڑھی لکھی لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں بوڑھی ہو رہی ہیں، مگر امی اس سلسلے میں کبھی پریشان نہیں ہوئیں۔ ''اللہ نے جو مقدر میں لکھا ہے وہ مل کے رہے گا۔'' یہی ان کا یقین ہے، نتیجتاً آج ہم دو بہن بھائیوں کی شادی اچھے گھرانوں میں ہو چکی ہے اور ہم ایک اچھی زندگی گزار رہے ہیں جبکہ تیسری بہن کا رشتہ خالہ زاد سے طے ہے، امی جان سادہ دل اتنی ہیں کہ نہ لوگوں کی چالاکیاں سمجھتی ہیں نہ ہوشیاریاں، لوگ اپنا مطلب نکال کے آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور جب دوبارہ مطلب پڑے تو پھر آجاتے ہیں، مگر وہ کبھی ان سے برا سلوک نہیں کرتیں، ہم بہن بھائی کہیں بھی کہ امی آپ کو ان کا رویہ یاد نہیں تو کہتی ہیں، ان کا عمل ان کے ساتھ، میرا عمل میرے ساتھ، اللہ تو دیکھ رہا ہے ناں! میں بہت زود رنج اور حساس ہوں، ایک دفعہ اپنی سہیلی سے کسی بات پر ناراضگی ہو گئی تو یہ امی ہی تھیں جو پیار سے سمجھا کر اور محبت سے ڈانٹ کر مجھے صلح کی طرف آمادہ کرتی رہیں، آج ہماری مثالی دوستی ہے، مجھے یہی تلقین کرتی ہیں۔ بیٹا! سسرال میں مل جل کر رہنا، کسی سے بدتمیزی مت کرنا، ساس سسر کو ماں باپ سمجھنا، ڈانٹ بھی دیں تو برا مت ماننا اور اپنے شوہر کو ناراض مت کرنا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شہیر کے بابا نے چلنے کو کہا ہو اور میری امی نے زبردستی روکا ہو، کہتی ہیں اس طرح مرد کا دل بیوی کی طرف سے کھٹا ہوتا ہے اور ساس کی بھی نفرت بڑھ جاتی ہے، بس اپنے گھر خوش رہو، اسی میں میری خوشی ہے، میں جب جب اپنے بیٹے شہیر حسن کے ناز اٹھاتی ہوں تو دل چپکے سے کہتا ہے۔ ''تمہاری ماں نے بھی تمہیں یونہی پالا ہوگا، یونہی نخرے اٹھائے ہوں گے...... اور میں دل کی سرگوشی سن کر اپنی ماں سے غائبانہ مخاطب ہوتی ہوں، پیاری امی جان! میں آپ کی محبتوں اور شفقتوں کا بدلہ کبھی نہیں اتار سکوں گی، مجھے اعتراف ہے آپ جتنی اچھی ماں ہیں، میں اتنی اچھی بیٹی نہیں مگر میں آپ سے بہت بہت محبت کرتی ہوں، میری پیاری امی! میری جنت! آپ کی عظمت کو سلام!

☆......☆......☆

ماں باپ قرآن کریم کی روشنی میں

☆......اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ کرو اور حسن سلوک رکھو۔ (اپنے) والدین کے ساتھ۔ (سورۂ نساء)

☆......اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ اس سب کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دے رکھا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (سورۂ انعام)

☆......اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اسی (ایک رب) کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ سے حسن سلوک رکھنا، اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تو تو ان سے ہوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا اور ان کے سامنے محبت سے انکساری کے ساتھ جھک کر رہنا اور کہتے رہنا (دعا کرتے رہنا) کہ اے میرے پروردگار ان پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے میرے بچپن میں پالا، پرورش کیا۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

مجھے میری امی واپس منگا دو!

رضی الدین سید

میں دس سال کی ایک ننھی سی مظلوم بچی ہوں، ایسی بچی جس کی آج کوئی ماں نہیں ہے۔ کبھی میری بھی ایک ماں ہوا کرتی تھی۔ میں اس کی گود میں سر رکھ کے کھیلا کرتی تھی، اس کے بوسے لیا کرتی تھی اور اس کے آگے ضد میں روتی تھی، وہ بھی مجھے بہت پیار کرتی تھی، میرے کپڑے بدلتی تھی، مجھے اپنے ساتھ لٹا کر سلاتی تھی، میری کنگھی چوٹی کرتی تھی، کیونکہ اسے مجھ سے حد درجہ محبت تھی، میں تھی بھی تو بالکل اپنی امی کی طرح! ویسی ہی ذہین، ویسی ہی حسین، ویسی ہی دبلی پتلی اور ویسی ہی ہنس مکھ۔''

امی نے میری کیا کیا خدمت نہیں کی ہے! وہ مجھے اچھی سے اچھی چیزیں لا کر دیتی تھیں، انہوں نے مجھے خوبصورت کپڑے خرید کر دیئے، چمکدار جوتے لا کر دیئے، میرے لئے کھلونوں کا ڈھیر کر دیا، آپ کو پتہ ہے کہ کیوں......؟ کیوں کہ میں اپنی امی کی بہت چہیتی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کے جیتی تھیں اور میں انہیں دیکھ کے جیتی تھی، وہ میں تھیں اور میں وہ تھی! جب میں انہیں ''امی امی'' کہہ کر پکارتی تھی تو جیسے ان کا دل بلیوں اچھلنے لگتا تھا۔

لیکن...... لیکن...... یہ تو سب تو بہت پرانی باتیں ہیں۔ آج سے کوئی آٹھ سال پہلے کی! اب میرے پاس امی کہاں ہیں؟ میں تو ان کی شکل بھی دیکھنے کو ترس گئی ہوں۔ ہاں دھندلی سی اک تصویر میرے دماغ میں البتہ موجود ہے۔ پہلے تو میں صرف دو سال کی تھی۔ لیکن آج میں ماشاء اللہ دس سال کی ہو چکی ہوں۔ درمیان کے آٹھ طویل سالوں میں اپنی امی سے مسلسل محروم رہی ہوں۔ جانے میری امی کہاں ہوں گی؟ کس حال میں ہوں گی؟ یقیناً وہ مجھے یاد تو کرتی ہوں گی۔ میرا نام لے لے کر پکارتی ہوں گی۔ تصور ہی تصور میں وہ میرے بالوں میں ہاتھ بھی پھیرتی ہوں گی۔ میرے منہ کو چوما بھی کرتی ہوں گی۔ کیونکہ میں اپنی امی کی بہت چہیتی بیٹی تھی نا......! میں نے کہا نا کہ میں ''وہ تھی، اور وہ'' میں تھیں۔

بہت زمانے سے میں نے امی کے ہاتھ سے پکا ہوا کھانا نہیں کھایا، پانی نہیں پیا؟ کیسا ہوتا ہے وہ کھانا، کیسا ہوتا ہے وہ پانی جسے مائیں اپنی بیٹیوں کو کھلاتی اور پلاتی ہیں؟ ان کا تو ذائقہ ہی سب سے الگ ہوتا ہوگا نا؟ میٹھا میٹھا، خوشبودار! زمانہ گزر گیا ہے یہ تمنا کرتے کرتے کہ میں کسی کو ''امی'' کہہ کر پکاروں۔ کتنا اچھا لگتا ہوگا جب کوئی معصوم بیٹی اپنی امی کو پکارتی ہوگی ''امی امی'' مگر میں

کس کو امی کہہ کر پکاروں؟ میری امی تو میرے پاس ہیں ہی نہیں۔ نہ جانے کب وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہیں؟

کیا وہ مجھ سے ناراض ہو گئی تھیں؟ نہیں، میری امی نے تو مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا تھا۔ ایک بار، رات کو میں ان کے ساتھ سوتے ہوئے خواب میں ڈر گئی تھی۔ چھوٹی سی تھی نا، تو ساری رات میری امی میرے ساتھ چپک کے لیٹی رہی تھیں۔ وہ جاگتی رہی تھیں، اور میں سوتی رہی تھی۔ میری امی تھیں ناوہ۔ آپ کو کیا پتہ کہ میری امی مجھ سے کتنا پیار کرتی تھیں۔

آج میں دس سال کی ہو گئی ہوں، مگر مجھے اپنی امی کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ گھر کا کونا کونا چھان مارا، آوازیں دیتی پھرتی ہوں، ”امی۔ امی۔ امی۔“ مگر امی ہوں گی تو جواب دیں گی نا؟ وہ تو یہاں ہیں ہی نہیں۔

سب کہتے ہیں انہیں امریکی پکڑ کر لے گئے ہیں۔ ہمارے ملک کے ایک سابق صدر پرویز مشرف ہوتے تھے، انہوں نے ہی انہیں راستے سے اغوا کروا کے امریکیوں کے حوالے کیا تھا۔ بیچاری میری نازک امی! بھلا کوئی ماں کو بھی اغوا کرتا ہے؟ اب ہمارے نئے صدر صاحب ہیں، لیکن وہ بھی کسی کی نہیں سنتے۔ میرے انکل! آپ بتائیں کیا انہوں نے صحیح کیا ہے؟ کیا ان کے گھر میں معصوم چھوٹی چھوٹی پھولوں جیسی بچیاں نہیں ہیں؟ بالکل میری طرح۔ کامنی اور دبلی پتلی سی! مگر ان کی امیاں تو ان کے گھروں میں ان کے ساتھ بیٹھی ہیں۔ وہ ان کے ساتھ ہنستی اور کھیلتی ہیں، دوڑتی اور بھاگتی ہیں اور خریداری کے لئے مارکیٹ لے کر جاتی ہیں۔ مگر میں! میں کس کے ساتھ بھاگوں دوڑوں؟ کس کے ساتھ ہنسوں اور کھیلوں؟ اور کس کے ساتھ خریداری کے لئے جاؤں؟

آپ ہی بتائیں یہ لوگ میری امی کو آخر واپس کیوں نہیں منگوا لیتے؟ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اپنی امی کے بغیر میں کتنی اداس رہتی ہوں؟ کل بھی رات کو بستر پر مجھے امی بہت یاد آ رہی تھیں اور ان کی یاد میں، میں پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ مگر تب بھی امی مجھے پیار کرنے نہیں آئیں۔ کیونکہ امی تو گھر میں ہیں ہی نہیں نا۔! ابھی تو مجھے اپنی امی کا سہارا درکار تھا۔ ان کا سایہ چاہئے تھا؟ میرے تو کوئی ابو بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ میری امی کو پہلے ہی چھوڑ کے جا چکے ہیں۔ اب میں ایک ایسی ننھی معصوم اور نازک سی بچی ہوں جس کا نہ تو کوئی باپ ہے اور نہ کوئی ماں!

نہ جانے میری امی آج کس حال میں ہوں گی؟ دکھی ہوں گی شاید؟ بھوکی بھی ہوں گی؟ روتی بھی ہوں گی؟ شاید انہیں نیند بھی نہیں آتی ہو گی؟ شاید وہ میرے انتظار میں بستر سے اٹھ اٹھ کر بیٹھ جاتی ہوں گی؟ کبھی وہ شاید دروازے کی طرف بھی بھاگتی ہوں گی اور پھر مایوس ہو کر زمین پر دھم سے جا گرتی ہوں گی۔

انکل، ایک بات پوچھتی ہوں۔ کیا صدر زرداری کے سینے میں دل نہیں ہے؟ کیا ان کا دل دھڑکتا نہیں ہے؟...... کیا ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں آتے؟ اور کیا آنٹی ڈاکٹر فہمیدہ مرزا کے بھی نہیں؟ خالہ فریال تالپور کے بھی نہیں؟ اور دادی فردوس عاشق اعوان کے بھی نہیں؟ انکل کیا اقتدار اتنا بے حس ہوتا ہے؟ میری تو نانی بھی معذور ہیں۔ کہتی ہیں بیٹی، میں تو تمہاری اماں کے لئے بھاگ دوڑ کر کر کے تھک گئی ہوں۔ کہاں کہاں میں نے تمہاری امی کے لئے خاک نہیں چھانی ہے؟ کن کن وزیروں اور حکومتوں کے پاس میں نہیں گئی ہوں؟ حتیٰ کہ آج میں بستر پر جا کر پڑ گئی ہوں۔ بس عافیہ کو یاد کر کے روتی ہی رہتی ہوں۔

ہاں انکل میں بھی روتی رہتی ہوں، وہ بھی روتی رہتی ہیں۔ ہم دونوں ہی روتے رہتے ہیں۔ روز دروازے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں کہ ابھی عافیہ آ جائے گی۔ ابھی میری امی لوٹ آئیں گی۔ مجھے پتہ ہے کہ جب وہ لوٹ کر آئیں گی تو بھاگ کر مجھے ایک دم سے گود میں اٹھا لیں گی۔ کیونکہ میں ان کی بہت پیاری بیٹی ہوں نا......! وہ میرے لئے اچھی اچھی سی فراکیں بھی لائیں گی۔

میں جب کلاس میں اچھے اچھے نمبر لاتی ہوں تو انکل نہ جانے کیوں میری آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں؟ سوچتی ہوں کہ یہ نمبر میں کس کو دکھاؤں؟ کیونکہ میری امی تو میرے گھر پر ہیں ہی نہیں نا۔

سنتے ہیں کہ ہماری حکومت نے پاکستانی ڈاکٹر خلیل چشتی کو ۱۲ سالہ بھارتی قید سے خود رہائی دلوائی ہے اور وہ آج ماشاءاللہ اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ خوش ہیں۔ یہ بھی سنتے ہیں کہ ہماری اسی حکومت نے دو تین مسافروں کو صومالیہ کے قزاقوں سے بھی رہائی دلوائی ہے اور وہ بھی آج اپنے گھروں میں بچوں کے ساتھ مزے کر رہے ہیں۔

تو پھر...... تو پھر...... یہ لوگ میری امی کو لے کر کیوں نہیں آتے ہیں؟ کیا وہ پاکستان کی شہری نہیں ہیں۔؟ کیا میں زرداری، گیلانی، کیانی اور حقانی کی بیٹی نہیں ہوں؟ کیا باپ ایسے ہی ہوتے ہیں انکل؟

میری خالہ کہتی ہیں کہ بیٹی یہ ملک ایسا بے رحم ہے کہ اس کے حکومت کرنے والے ڈالروں کے بدلے اپنی ماؤں کو بھی بیچ دیتے ہیں! ہاں شاید وہ سچ ہی کہتی ہوں گی، مگر انہوں نے آخر میری امی کو کیوں بیچ دیا؟ مجھے تو ابھی ان کا بہت سہارا چاہئے تھا۔ وہ تو پاکستان کا سرمایہ تھیں۔

میری نانی کہتی ہیں: ننھی بیٹی۔ تیری امی ضرور آئیں گی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے ساری زندگی قید نہیں رکھ سکتی۔ وہ کہتی ہیں تیری امی مجاہدہ ہے! دین اسلام کی بیٹی ہے! پاکستان کا سرمایہ ہے!

تو کیا میری نانی ٹھیک کہتی ہیں؟ لیکن زرداری، گیلانی اور کیانی جیسے انکل تو اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

اللہ میاں کو شاید میری یہ فریاد اچھی لگ رہی ہو گی اور مجھے بھی اب یقین سا ہو چلا ہے کہ وہ میری امی کو مجھ سے ضرور ملوائے گا۔ دیکھیں نا انکل کتنا بڑا زمانہ گزر گیا ہے، ہم دونوں کا ایک دوسرے سے ملے بغیر......

امی...... امی...... امی...... آپ آ جائیں، لوٹ آئیں۔ یا پھر مجھے بھی اپنے ساتھ وہیں لے جائیں...... چھوٹی سی تنگ و تاریک کوٹھری میں جہاں نہ کوئی سہولت ہے اور نہ پردے کی کوئی آسانی۔ وہیں جہاں آپ پچھلے دس سالوں سے قید تنہائی میں مبتلا ہیں......!

”یو آر دی گریٹسٹ، مائی ڈیئر سویٹ ممی!“ قوم جب ہی تو آپ کو سلام کرتی ہے امی!

☆......☆......☆

ارشاد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کے مجمع میں فرمایا: ”اس کی ناک خاک آلود ہو۔“ صحابہؓ یہ الفاظ سن کر گھبرا گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون شخص؟ فرمایا: ایک تو وہ شخص کہ اپنی زندگی میں بوڑھے ماں باپ کو پائے اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کرے (حضور نے بوڑھے کی قید اس لئے بڑھا دی کہ اگر ماں باپ جوان ہیں تو اول وہ اس کے محتاج نہیں ہوں گے جیسے اس کے پیر ہاتھ چلتے ہیں، ان کے پیر ہاتھ بھی چلتے ہیں، دوسرے ان کی خدمت سے دل بھی نہیں گھبراتا، اس لئے اگر ان کی کچھ خدمت بھی کر دی تو کچھ بڑی بات نہیں، بخلاف بوڑھے ماں باپ کے کہ وہ اس کے محتاج ہوتے ہیں اور چونکہ اکثر قویٰ بالکل کمزور ہو جاتے ہیں، خود کچھ بھی نہیں کر سکتے اور اکثر کام مرضی کے موافق نہیں ہوتے تو تنگ مزاج بہت ہو جاتے ہیں، اس لئے ایسے ماں باپ کی خدمت کرنا بوجہ ان کی معذوری کے ضروری ہے اور ان کی تنگ مزاجی ہو جانا اور نافرمانی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(احکام العشرہ الاخیر مواعظ مولانا تھانویؒ)

☆......☆......☆

شعبان المبارک کے فضائل

بنت حافظ محمود قریشی

شعبان کو اس لئے شعبان کہا گیا ہے کہ اس سے خیر کثیر نکلتی ہے، شعبان دراصل شعب سے مشتق ہے، اس کا معنی ہے پہاڑ کو جانے کا راستہ۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان آتا، تو فرمایا کرتے: ”اس میں اپنی جانوں کو پاک کرو اور اپنی نیتوں کو درست کرو۔“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر روزہ رکھتے کہ ہم کہتے کہ افطار نہیں کریں گے اور کبھی اس قدر طویل افطار کرتے کہ ہم سمجھتے کہ روزے نہیں رکھیں گے۔ (یعنی ایک انداز مقرر اور لازم نہیں کرتے تھے) البتہ آپ شعبان المعظم میں کثرت سے روزے رکھتے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اس قدر روزے رکھتا نہیں دیکھتا، جس قدر کہ شعبان میں روزے رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ مہینہ ہے کہ جس سے لوگ غافل ہیں۔ یہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے اور یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، میں نے پسند کیا کہ میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔ (نسائی)

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان المبارک کے علاوہ کسی مہینے میں مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا اور شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ ایک روایت میں ہے: آپ سارا شعبان ہی روزے رکھتے۔

منقول ہے کہ آسمان میں فرشتوں کی دو عید کی راتیں ہیں جیسے کہ مسلمانوں کی زمین پر دو دن کی عیدیں ہیں، فرشتوں کی عید کی رات شب برات ہے (جو نصف شعبان میں ہوتی ہے) اور لیلۃ القدر ہے (جو رمضان المبارک میں آتی ہے) اور مسلمانوں کی عید دو دن، فطر کا دن اور قربان کا دن ہے، اس لئے نصف شعبان کی رات کو فرشتوں کی عید کا نام دیا گیا۔

امام سبکی رحمہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا کہ اس رات کو عبادت کرنے سے سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور جمعہ کی رات کو عبادت کرنے سے ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اس لئے اسے لیلۃ التکفیر

(گناہوں کی معافی کی رات بھی کہا جاتا ہے) اور شب حیات بھی کہا جاتا ہے اور اس کا نام لیلۃ الشفاعۃ (شفاعت کی رات) بھی ہے۔

روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہویں شب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی امت کی شفاعت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہائی عطا ہوا، پھر چودھویں شب کو دعا کی، تو دو تہائی عطا ہوا۔ پھر پندرہویں شب کو دعا کی، تو سب کچھ عطا ہوا، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے اونٹ کی طرح دور بھاگے، یعنی نافرمانی کر کے اللہ سے دور بھاگے۔

اس کا نام شب مغفرت بھی ہے، اس لئے کہ امام احمد کی روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نصب شعبان کو بندوں پر نظر فرماتا ہے۔ پھر اہل زمین کو معاف کرتا ہے، سوائے دو کے۔ (۱)...... مشرک...... (۲)...... کینہ ور۔ اس کا نام شب آزادی بھی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک ضروری کام سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان تک بھیجا۔ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عرض کیا: آپ جلدی فرمادیں، میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ آپ نصف شعبان کی رات کے بارے میں مسائل بتا رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے انیس بیٹھو، میں تمہیں نصف شعبان کے بارے میں بتاتی ہوں۔ وہ رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے میری شب تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے لحاف میں آئے اور رات کو میں بیدار ہوئی تو میں نے انہیں غیر موجود پایا۔ میں نے کہا: شاید آپ قبطی لونڈی کی طرف چلے گئے ہیں۔ میں نکلی اور مسجد میں گئی، چلتے چلتے (اندھیرے کی وجہ سے) میرا پاؤں آپ سے جا لگا۔ آپ یہ کہہ رہے تھے:

ترجمہ میرے بدن اور میری صورت نے آپ کو سجدہ کیا۔ میرا دل آپ پر ایمان لایا اور میرے ہاتھ اور جو میں نے ان کے ساتھ اپنے پر زیادتی کی۔ اے عظیم ہر بڑی بات میں اس پر امید کی جاتی ہے، بڑا گناہ معاف کردے میرے چہرہ نے اسے سجدہ کیا، جس نے اسے پیدا کیا، اس کی صورت بنائی اور اس کے کان اور آنکھ بنائی۔ پھر آپ نے سر اٹھایا اور یہ دعا کی: اللھم ارزقنی قلباً تقیا نقیا من الشرک بریا لا کافرا و لا شقیاً۔ (اے اللہ مجھے ایسا دل عطا فرما جو پرہیزگار، شرک سے پاک نیک ہو، نہ کافر اور نہ ہی بدبخت ہو)

پھر دوبارہ سجدہ کیا، میں نے آپ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا۔ ترجمہ: ”میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ مانگتا ہوں، تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ، تجھ سے تیری پناہ، میں تیری تعریف نہیں کرسکتا، بس تو ایسا ہے جیسا تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ میں وہی کہتا ہوں، جو میرے بھائی حضرت داؤد نے فرمایا: میں اپنے آقا کے لئے مٹی میں اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہوں اور چہرے کا حق یہ ہے کہ اپنے آقا کے سامنے خاک آلود ہو۔“

پھر سر اٹھایا، میں نے عرض کیا: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ کس کام میں ہیں اور میں کس کام میں ہوں، آپ نے فرمایا: اے حمیرا کیا تم نہیں جانتی کہ یہ شب، نصف شعبان کی شب ہے، اللہ تعالیٰ اس شب میں بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر دوزخ سے انسانوں کو آزاد کرتے ہیں۔ سوائے چھ کے:

(۱)...... شراب کا عادی، (۲)...... والدین کا نافرمان، (۳)...... عادی زنا کرنے والا، (۴)...... قطع تعلق کرنے والا، (۵)...... فتنہ باز، (۶)...... چغل خور۔

ایک روایت میں فتنہ باز کے بجائے تصویریں بنانے والا ہے۔ اس کو لیلۃ القسمۃ والتقدیر (تقسیم اور تقدیر) کی رات بھی کہا جاتا ہے۔

☆......☆......☆

خوابوں کی تعبیر

مولانا عبداللہ صفدر

''خوابوں کی تعبیر'' اور ''آپ کے مسائل کا حل'' الحمدللہ ان دونوں نئے سلسلوں کی پذیرائی ہوئی اور اچھا رجحان ملا، فون پر بھی لوگوں نے رابطے کئے۔ ماہنامہ حیا کے قارئین اور قاریات سے گزارش ہے کہ ''آپ اپنے مسائل'' اور ''خوابوں کی تعبیر'' خط کے ذریعہ بھیجئے، خط لکھنے میں چند باتوں کا خیال ضرور رکھئے گا۔

☆......تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔☆......ایک صفحہ پر ایک سوال، یا ایک خواب تحریر کریں۔☆......تحریر صاف اور واضح ہو۔☆......لفافہ پر ''آپ کے مسائل کا حل'' یا ''خوابوں کی تعبیر'' ضرور لکھیں۔

نوٹ: جن خوابوں کی تعبیر کی اشاعت شمارہ میں نہ ہوگی ان کو تحریری جواب بھیج دیا جائے گا۔ جوابی لفافہ لازمی اپنے خواب نامہ میں رکھیں۔

خواب:......میں نے ایک خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر معلوم کرنا چاہتی ہوں، 13 صفر 1433ھ والے دن دیکھا۔ امی جی باورچی خانے میں کھانا بنانے میں مصروف ہے، ہم بہنیں کمرے میں بیڈ پر بیٹھی ہوئی ہیں، امی مجھے آواز دیتی ہے، تو میں باورچی خانے میں جاتی ہوں، مجھے کھانا ٹرے میں رکھ کر دیتی ہیں کہ جاؤ بیٹھک میں مجاہد آیا ہے، بہت دور سے، اسے کھانا دے آؤ، میں جاتی ہوں، تو کمرا بہت بڑا ہوتا ہے، اس میں باورچی خانے کا تمام نیا سامان موجود ہوتا ہے اور کمرا بھی وسیع وعریض ایک طرف کرسی میز پڑا ہوتا ہے، اس پر رسید بک پڑی ہوتی ہے، جہادی تنظیم کی، وہ مجاہد اس کو دیکھ رہا ہوتا ہے، میری طرف کمر ہوتی ہے، میں کہتی ہوں کہ کھانا، وہ کہتا ہے کہ رکھ دو، میں کھانا رکھ کر واپس کمرے میں آجاتی ہوں، کافی دیر بعد امی جی مجھے کہتی ہیں کہ برتن اٹھالاؤ، جب برتن لینے جاتی ہوں تو مجاہد کھانا کھا کر جا چکا ہوتا ہے، ٹرے میں برتن ہوتے ہیں، ٹرے میں مسواک کا پورا بنڈل ہوتا ہے، ساتھ میں کچھ مسواکیں چبا کر رکھی جاتی ہے، جیسے استعمال کرنے کیلئے اس کا منہ بناتے ہیں، مکئی کے سٹے (چھلی) کچھ دانے نکال کر استعمال کئے ہوئے ہیں، باقی مکمل دو تین سٹے پڑے ہوتے ہیں، کیلا بھی پڑا ہوتا ہے، آدھے سے تھوڑا استعمال کیا ہوتا ہے، مسواکیں ایک ایک بہنوں کو دیتی ہوں، باقی دو یا تین اپنے پاس رکھتی ہوں، باقی چیزیں امی جی کو دے دیتی ہوں۔ (بنت عبداللہ، ڈھوک رتہ)

تعبیر:......آپ نے جس طبقہ کے فرد کو خواب میں دیکھا، یہ بڑا مبارک طبقہ ہے، مگر آپ کا خواب کچھ امور کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ حتی الامکان غیر محرم کی طرف نگاہ نہ ڈالیں، دوسرے یہ کہ اس طبقہ کے افراد کو مالی غبن کا سامنا ہے، یعنی وصول بہت مگر حصول نہیں ہے۔ (اللہ رحم فرمائے) مزید یہ کہ آپ کے دین دنیا میں ترقی عطا ہوگی، سنتوں پر مضبوطی سے عمل حفاظت کا اصل ذریعہ ہے، آپ سب گھر والے کوشش کریں کہ ادنیٰ سی ادنیٰ سنت بھی ترک نہ ہو، ملک پاکستان اور عالم اسلام کے لئے خصوصیت سے دعاؤں کا اہتمام کریں۔ فقط واللہ علم

خواب:......میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں اور میری مدرسے کی استاد، ہمیں بفضل اللہ عمرے کی سعادت کی خبر ملتی ہے اور ہم فوراً تیار ہو کر روانہ ہوتے ہیں، ہم جب حرم شریف پہنچ جاتے ہیں تو میں اپنی ساتھی سے کہتی ہوں کہ......باجی پہلے ہم زیارت کعبہ سے پہلے اللہ کا شکر اور اپنے گناہوں کی معافی تو مانگ لیں تو وہ کہتی ہیں اچھا ٹھیک ہے۔ پھر میں انہیں تو نہیں دیکھتی لیکن میں حرم کے دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر خوب آہ و زاری سے مناجات بارگاہ الٰہی میں کرتی ہوں اور شکر ادا کرتی ہوں اور جیسے ہی جانے کا ارادہ کرتی ہوں آنکھ کھل جاتی ہے......یہ خواب صبح صادق کا ہے اس کی تعبیر کیا ہوگی۔

تعبیر:......مبارک خواب ہے، اللہ آپ کو حرمین شریفین کی زیارت کرائے گا، ان شاء اللہ، مگر آپ خوب اچھی طرح مسائل سمجھ کر جایئے گا، کیونکہ انسان عقیدت میں بعض اوقات غیر مستحسن فعل بھی کر جاتا ہے، مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد بیت اللہ کی زیارت کا صحیح اور مستحسن طریقہ یہ ہے کہ آپ کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر نظر لگا کر مناجات کریں، خواب میں مناسک سیکھنے کی طرف اشارہ ہے۔

☆......☆......☆

خواب:......میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک جگہ پر ہوں، چاندنی رات ہے اور وہ جگہ ہے سمندر کا ساحل، لیکن میں وہاں اپنے والد صاحب کو بہت ڈھونڈتی ہوں، مگر وہ نہیں ملتے، میں بہت زیادہ روتی ہوں، اچانک میرے والد صاحب سمندر کی لہروں کے درمیان سے آتے ہیں تو میں بھاگ کر ان کے گلے لگ کر روتی ہوں اور اپنی امی اور سب کو کہتی ہوں کہ یہ دیکھو یہ میرے ابو ہیں......پھر میں پوچھتی ہوں ابو آپ کہاں چلے گئے تھے تو میرے والد صاحب فرماتے ہیں، بیٹا سمندر کے درمیان ایک جگہ ہے میں وہاں گیا تھا، میں حیران ہوتی ہوں کہ سمندر کے درمیان کوئی کیسے رہ سکتا ہے؟ پھر اچانک کچھ لوگ سامان اٹھائے، پھر سمندر کے اندر جا رہے ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے میرے ماموں جاتے ہیں لیکن کچھ دور تک، پھر اچانک میں خواب میں اس جگہ جاتی ہوں، یہاں بھی چاندنی رات ہے، یعنی سمندر کے درمیان تو دیکھتی ہوں کہ وہاں ایک ٹیلہ سا بنا ہوتا ہے اور آس پاس سمندر ہی سمندر لیکن وہاں کے سب کے سب لوگ واپس چلے آتے ہیں تو میں اس ٹیلے پر اپنا بستر لگاتی ہوں اور لیٹی ہوں، وہاں اتنی خوشگوار اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوتی ہیں لیکن پھر اچانک میں واپسی کا ارادہ کرتی ہوں، جب میں واپس آتی ہوں تو سمندر خوب جوش سے بہتا ہے، میرے قد سے بھی اونچی لہریں اچھل رہی ہوتی ہیں لیکن میں بہت پرسکون حالت میں واپس آرہی ہوتی ہوں نا ہی مجھے ڈوبنے کا خوف اور نہ ہی اکیلے پن کا، نہ ہی مرنے کا، بس اطمینان سے واپس آتی ہوں تو بس دیکھتی ہوں کہ سمندر کے باہر کمرہ ہے وہاں اڑ کر جانا ہوتا ہے تو میں اڑتی ہوں تو فوراً اس دروازے پر پہنچ جاتی ہوں، دروازے پر میرے والد صاحب میری طرف آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں، بیٹا آپ کہاں گئی تھی؟ میں بتاتی ہوں کہ وہاں گئی تھی......وہ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ اکیلی ہی، ڈر نہیں لگا، میں نے جواب دیا، بالکل بھی نہیں......تو ابو حیران ہو کر ایک اور سوال کرتے ہیں کہ بیٹا! آپ کیسے پہنچی تھیں؟......(مطلب اس دروازے پر) کیونکہ جو اس دروازے سے نیچے گر جاتا ہے، یہاں تک اڑ نہیں سکتا اور نیچے پانی میں گر جاتا تو وہ بہت گناہ گار ہوتا اور اس کے گناہ معاف نہیں ہوتے......تو میں کہتی ہوں، میں تو الحمدللہ، یہاں آرام سے پہنچ گئی، مجھے یہ باتیں تو نہیں معلوم تھی، پھر میری آنکھ کھل جاتی ہے، یہ خواب صبح صادق کا ہے، اس کی تعبیر بھی آپ بتا دیں؟ (بنت رحمت، کراچی)

تعبیر:......اعزہ اقرباء اور تمام مومن ومومنات مسلمین ومسلمات جو مرحوم ہیں، ان کو ایصال کرتی رہیں، توبہ استغفار اور زیادہ کردیں، تکبر اور ریا کو قریب بھی نہ آنے دیں، زندگی میں کچھ دین سے بے پروائی اور غفلت کا ماحول آپ پر آزمائش بن کر آئے گا، مگر سرخروئی ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ اللہ ہم سب کا انجام اور عاقبت اچھی کرے۔ فقط واللہ علم



ماں......شاعروں کی نظر میں!

میری ماں کتنی پیاری ہیں

مرے ہر غم کو سہتی ہیں مری ماں کتنی پیاری ہیں
بلند و بالا وہ ہستی ہیں میری ماں کتنی پیاری ہیں

مجھے بھوکا نہیں رکھتی مجھے پیاسا نہیں رکھتی
خود بھوکی پیاسی رہتی ہیں مری ماں کتنی پیاری ہیں

وہ آنکھوں آنکھوں میں مجھ کو بتا دیتی ہیں حال دل
زبان سے کچھ نہ کہتی ہیں مری ماں کتنی پیاری ہیں

مری ماں کا جگر زخمی ہیں پھر بھی اف نہیں کرتی
مرے خاطر وہ ہنستی ہیں مری ماں کتنی پیاری ہیں

وہ مرے آنکھ میں آنسو کا قطرہ بھی جو دیکھے تو
وہ روتی ہیں تڑپتی ہیں میری ماں کتنی پیاری ہیں

مرے حق میں وہ اللہ سے سدا غالب دعا غالب
وہ صبح و شام کرتی ہیں مری ماں کتنی پیاری ہیں

(انتخاب:......حافظ عبدالقادر)

ماں

تو کتاب زندگی کا اک حسیں شہکار ہے
جز ترے بے رنگ و بو ہستی کا یہ گلزار ہے

رحمت و مہر و محبت سے گندھا پیکر ترا
دہر کے سب منظروں سے ہے جدا منظر ترا

رب رحماں نے اٹھایا رحم سے ترا خمیر
اور چاہا ہی نہیں ہوتی کوئی تیری نظیر

تری خلقت میں ہے شامل دردمندی، عاجزی
حق نے یوں تجھ کو عطا مخلوق پر کی برتری

نور سے تیرے ہوئے روشن گھروں کے بام و در
تیری خوشبو سے مہک اٹھے گلی کوچے نگر

خامۂ حق سے لکھی اک منفرد تحریر تو
گھر کے البم میں سجی سب سے حسین تصویر تو

ہر زباں کا سب سے میٹھا نام ترا نام ہے
جو تری خدمت میں گم ہے کیا ہی خوش انجام ہے

جس گھڑی حق نے محبت کا ثمر پیدا کیا
تیرے ہاتھوں سے جہاں بھر میں اسے پھیلا دیا

خلق سے اظہار الفت کا اگر آیا خیال
دی خدا نے بھی ہمیں تیری محبت کی مثال

گوہر خدمت سے روشن تر ہوا ہے تیرا نام
تو ہے گویا اس جہاں میں رحمت حق کا پیام

خواب آور ساعتوں میں تیری شب بیداریاں
کیا بھلائے کوئی یہ ایثار، یہ غم خواریاں

جب خیال آتا ہے تیری خلد زا آغوش کا
ٹوٹتا جاتا ہے رشتہ ذہن سے پھر ہوش کا

اس زمین پر آسماں کا آخری تحفہ ہے تو
یعنی جن قدموں تلے جنت ہے وہ رستہ ہے تو

تری رحمت پر ہے چھائی رحمت پروردگار
تو ہے مری صبح صادق، تو مری شام بہار

کار ہر دشوار میں ہے میری آسانی بھی تو
ہے دعا بھی تو مری، تاثیر پنہانی بھی تو

تو جہان خیر و شر میں ہے نشان خیر کی
ترے دم سے اب بھی باقی ہے کہانی خیر کی

امر ربی کی ہوئی تعمیل تیری ذات سے
جوہر انساں کی ہے تکمیل تیری ذات سے

پوچھنے پر یہ میری خدمت کا مرکز ہے کہاں؟
ایسے فرمایا نبیؐ نے، ماں! تری ماں! تیری ماں!

(انتخاب:......محمد آصف مرزا)

ماں کے حضور

خوشبو اس کو کہتے ہیں سب، پھول سے اس کو نسبت ہے دکھ بھی سارے جھیلے اس نے کتنی اعلیٰ فطرت ہے
ماں ہے میری پیاری ماں اس پہ قرباں دل اور جاں

خوب کرو ماں باپ کی خدمت، عزت و عظمت پاؤ گے رحمت عالمؐ نے فرمایا، ماں کی خدمت جنت ہے
ماں ہے میری پیاری ماں اس پہ قرباں دل اور جاں

سب رشتوں میں افضل ہے وہ، رتبہ پایا پاکیزہ میٹھی میٹھی باتیں اس کی، اعلیٰ اس کی چاہت ہے
اس پہ قرباں دل اور جاں اس پہ قرباں دل اور جاں

خود گیلے میں سو جاتی ہے، مجھ کو سلائے سوکھے میں ہر دکھ سکھ میں ساتھ نبھانا ممتا ہی کی عادت ہے
اس پہ قرباں دل اور جاں اس پہ قرباں دل اور جاں

جس نے ماں اور باپ کے دل کو جیتا دنیا میں سن لے اس کو یہاں بھی راحت ہوگی اس کو وہاں بھی راحت ہے
اس پہ قرباں دل اور جاں اس پہ قرباں دل اور جاں

ماں کی عظمت خوب لکھی ہے، ہر اک لکھنے والے نے دل کے قلم سے میں نے لکھا ماں تو خدا کی رحمت ہے
اس پہ قرباں دل اور جاں اس پہ قرباں دل اور جاں

روشن میرا مستقبل ہے، ماں کی دعاؤں سے طاہر آج جو بھی کچھ ہوں لوگو! ماں کے سبب سے عزت ہے

اس پہ قرباں دل اور جاں   اس پہ قرباں دل اور جاں

ماں کی عظمت

ماں کی عظمت اللہ اللہ، ماں کی رفعت اللہ اللہ   ماں ہے شفقت اللہ اللہ، ماں ہے جنت اللہ اللہ
ماں تو رحمت کا پیکر ہے، میری ہستی کا محور ہے
اس کی حرمت اللہ اللہ، اس کی سعادت اللہ اللہ   وہ ہے رحمت اللہ اللہ، وہ ہے نعمت اللہ اللہ
ماں تو رحمت کا پیکر ہے، میری ہستی کا محور ہے
سب سے بڑی تو وہ محسن ہے، اس کا دل تو ناممکن ہے   ہستی کا وہ روشن دن ہے، ماں کی نکہت اللہ اللہ
ماں تو رحمت کا پیکر ہے، میری ہستی کا محور ہے
مجھ پر قرباں کرتی ہے وہ، مجھ پر ہر دم مرتی ہے وہ   میرا ہی دم بھرتی ہے وہ، اس کی شفقت اللہ اللہ
ماں تو رحمت کا پیکر ہے، میری ہستی کا محور ہے
سوچتا ہوں میں، ماں کو دیا کیا، اس کا ہوں میں کیسا بیٹا   اس کا کرم ہے لحہ لحہ، ماں کی خدمت اللہ اللہ
ماں تو رحمت کا پیکر ہے، میری ہستی کا محور ہے
طاہر ماں کو لاکھوں سلام، اس کا جو بھی ہے اقدام   ایک لحہ ہے اکرام، وہ ہے راحت اللہ اللہ
ماں تو رحمت کا پیکر ہے، میری ہستی کا محور ہے

ماں...... ایک مقدس ہستی

ایک مقدس ہستی ہے وہ
میرے دل میں بستی ہے وہ
اس کی محبت
سب سے اعلیٰ
سب رشتوں میں وہ بالا
اس کی گود ہے
میری جنت
پھولوں جیسی خوشبو اس میں
روشن روشن
چاہت اس میں
اس نے مجھ کو خوب سنبھالا
خون جگر
دے دے کر پالا
قربانی ہے اس کا شیوہ
قربانی وہ دیتی ہے
اپنے آپ کو دیکھتا ہوں جب
میں نے کیا قربانی دی
ماں کے احسانوں کا بدلہ
کون بھلا دے پائے گا
ہاں اتنا تو کر سکتا ہوں
ماں کی لحد پہ حاضری دے کر
اشکوں کے چند ہار بنا کر اپنی ماں کو پیش کروں
اور خدا سے عرض کروں
میری ماں کو جنت دے دے
راحت دے دے، فرحت دے دے

(شاعر:.....طاہر سلطانی)

والدہ کے نام

سویا نہیں ہوں مجھے سلادو ماں   آجاؤ مجھے لوری سنادو ماں
اشک میری آنکھوں میں جم سے گئے ہیں   کر کے دل پہ جبر مجھے رُلا دو ماں
دیکھو کتنی بے ترتیب ہوگئی ہے زندگی   بکھرے ہیں میرے بال بنادو ماں
اک کرب سے آشنا رہا ہوں ہر گھڑی   اس درد کا احساس مٹا دو ماں
بہت ڈر لگتا ہے مجھے دنیا سے   تم مجھے دنیا سے چھپا لو ماں
جل رہا ہوں میں ان دیکھی آگ میں   چوم کے میرا ماتھا آگ بجھادو ماں
موت کی آغوش میں جب تھک کے سوجاتی ہے ماں   تب کہیں جا کر تھوڑا سا سکون پاتی ہے ماں
روح کے رشتوں کی یہ گہرائیاں تو دیکھئے   چوٹ لگتی ہے ہمیں اور چلاتی ہے ماں
مانگتی کچھ نہیں اپنے لئے اللہ سے   اپنے بچوں کے لئے دامن کو پھیلاتی ہے ماں
پیار کہتے ہیں کسے اور ممتا کیا چیز ہے   کوئی ان بچوں سے پوچھے جن کی گزر جاتی ہے ماں
چاہے ہم خوشیوں میں ماں کو بھول جائیں   دوستوں جب مصیبت سر پہ آتی ہے تو یاد آتی ہے ماں

(انتخاب:.....محمد سعید علوی)

ماں کی ممتا

موت کی آغوش میں جب تھک کے سوجاتی ہے ماں   تب کہیں جا کر تھوڑا سکوں پاتی ہے ماں
موت کی آغوش میں بھی کب سکوں پاتی ہے ماں   جب پریشانی میں ہوں بچے، تڑپ جاتی ہے ماں
جاتے جاتے پھر گلے بچے سے ملنے کے لئے   توڑ کر بند کفن بانہوں کو پھیلاتی ہے ماں
بھوکا سونے ہی نہیں دیتی یتیموں کو کبھی   جانے کس کس سے کہاں سے مانگ کر لاتی ہے ماں
ہڈیوں کا رس پلاکر اپنے دل کے چین کو   کتنی ہی راتوں کو خالی پیٹ سو جاتی ہے ماں
جب کھلونے کو مچلتا ہے کوئی غربت کا پھول   آنسوؤں کے ساز پر بچے کو بہلاتی ہے ماں
مار دیتی ہے طمانچہ گر کبھی جذبات میں   چومتی ہے لب کبھی، رخسار سہلاتی ہے ماں
کب ضرورت ہو مری بچے کو اتنا سوچ کر   جاگتی رہتی ہے ممتا اور سو جاتی ہے ماں
گھر سے جب پردیس کو جاتا ہے گودی کا پلا   ہاتھ میں قرآں لئے آنگن میں آجاتی ہے ماں
لوٹ کر واپس سفر سے جب بھی گھر آتے ہیں ہم   ڈال کر بانہیں گلے میں، سر کو سہلاتی ہے ماں
ایسا لگتا ہے کہ جیسے آگئے فردوس میں   کھینچ کر بانہوں میں جب سینے سے لپٹاتی ہے ماں
دیر ہوجاتی ہے گھر آنے میں اکثر جب ہمیں   ریت پہ مچھلی ہو جیسے، ایسے گھبراتی ہے ماں
سامنے آنکھوں کے نکلے گر جواں بیٹے کا دم   زندگی بھر سر کو دیواروں سے ٹکراتی ہے ماں
شکریہ ہو ہی نہیں سکتا کبھی اس کا ادا   مرتے مرتے بھی دعا جینے کی دے جاتی ہے ماں

(انتخاب:.....محمود عباسی)

ماں کے نام

ساری زندگی ماں کے نام کرتی ہوں
میں خود کو ماں کا غلام کرتی ہوں
جنہوں نے کی زندگی اولاد پہ نثار
جہاں دیکھتی ہوں لفظ ماں لکھا ہوا
چومتی ہوں اس کا احترام کرتی ہوں

(انتخاب:......ہادیہ حبیب)

ماں

ماں تیرے دودھ کا حق ہم سے ادا کیا ہوگا
تو ہو ناراض تو خوش ہم سے خدا کیا ہوگا
ماں تیرے دودھ کا حق ہم سے ادا کیا ہوگا
یاد ہے آج بھی اے ماں زمانہ تیرا
مجھ کو اسکول تلک چھوڑ کر آنا تیرا
سخت جاڑو کی ٹھٹھرتی ہوئی راتوں میں
ماں چھپالیتی تھی تو پیار سے باہوں میں مجھے
گرمیوں میں مجھے آنچل کی ہوا دیتی تھی
پھول میں پھلنے کی تو مجھ کو دعا دیتی تھی
رات بھر جاگ کے سینے پہ سلایا تو نے
خود رہی بھوکی مگر مجھ کو کھلایا تو نے
تیرے دل جیسا کسی اور کا دل کیا ہوگا
ماں تیرے دودھ کا حق ہم سے ادا کیا ہوگا
تجھ کو اللہ نے کیا خوب شرف بخشا ہے
ذکر و قرآن کے پاروں میں تیرا آیا ہے
تیری عظمت کو فرشتوں نے سلامی دی ہے
یاد ولیوں نے اماموں نے غلامی دی ہے
اپنے بیٹوں کے ستم ہنس کے اٹھالیتی ہے
اور تو ہے کہ انہیں پھر بھی دعا دیتی ہے
ہے تیری راک پہ اللہ کی قدرت گوگنا
مرتبہ میں کوئی ماں تجھ سے بڑا کیا ہوگا
ماں تیرے دودھ کا حق ہم سے ادا کیا ہوگا

(انتخاب:......بنت محمد فاروق)

نظم

میری ماں میری پیاری ماں
تجھ پہ دل و جان ہے قربان
جو ماں کا دل دکھائے گا، وہ دنیا میں پچھتائے گا
سب دنیا میں رہ جائے گا، کچھ ہاتھ نہ تیرے آئے گا
میری ماں، میری پیاری ماں
تجھ پہ دل و جان ہے قربان
تیری ماں نے کتنے دن تک پیٹ میں تجھ کو پالا
دنیا میں جب آیا تجھ کو دے دیا منہ کا نوالہ
منہ سے کچھ نہ بولی لفظ شکر خدا کا نکالا
روکھی سوکھی کھا کر اپنے منہ پر تالا ڈالا
دیکھ پلٹ کر اس کو ورنہ جیتے جی مر جائے گا
جو ماں کا دل دکھائے گا، وہ دنیا میں پچھتائے گا
میری ماں، میری پیاری ماں
تجھ پہ دل و جان ہے قربان
تو جو رویا تو ماں نے گود میں اٹھایا تجھ کو
رات رات کو جاگ کر ماں نے جھولا جھلایا تجھ کو
خود گیلے میں سوتی تھی سوکھے میں تجھ کو سلایا
اب بھی وقت ہے سوچ لے تو نے کیا کھویا کیا پایا

چوم لے ماں کے قدموں کو یہ موقع پھر نہ آئے گا
جو ماں کا دل دکھائے گا، وہ دنیا میں پچھتائے گا
میری ماں، میری پیاری ماں
تجھ پہ دل و جان ہے قربان
ممتا کی آغوش میں تو نے کتنا وقت پایا
تجھ پہ تیرے والد کی حرمت کا تھا وہ سایہ
باپ کی شفقت سے تو نے تعلیم کا زیور پایا
اب بھی کر لے محبت ان سے تو تارا بن جائے گا
مری ماں، میری پیاری ماں
تجھ پہ دل و جان ہے قربان

(انتخاب:......بنت مولانا عبدالرزاق زاہد)

ماں

زندگی کے سفر میں گردشوں کی دھوپ
جب کوئی سایہ نہیں ملتا تو یاد آتی ہے ماں
اپنے آنچل سے گلابی آنسوؤں پونچھ کر
دیر تک تم زینت پر اشک برساتی ماں
دے کے اپنے لعل کو اسلام کی آغوش میں
گود خالی پھر سوئے جنت چلی جاتی ہے ماں
صفحہ ہستی پہ لکھتی ہے اصول زندگی
اس سے مکتب اسلام کہلاتی ہے ماں
مانگتی ہی نہیں کچھ اپنے لئے اللہ سے
اپنے بچوں کے لئے دامن پھیلاتی ہے ماں
پیار کے کہتے ہیں ممتا کیا چیز ہے
ان بچوں سے پوچھ جن کی مر جاتی ہے ماں
ماں تیرے بعد بتا کون لبوں سے اپنے
وقت رخصت میرے ماتھے پہ دعا لکھے گا

☆......☆......☆

تیرے آنچل کی ٹھنڈی ہوا چاہئے
میری پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہئے
لوری گا کے تو مجھ کو سلاتی رہے
مسکرا کے سویرے جگاتی رہے
مجھ کو اس کے سوا اور کیا چاہئے
پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہئے
تیری ممتا کے سائے کو چھوتا چلوں
تیرے دامن کے تارے پروتا چلوں
تیری خدمت کا بس یہ صلہ چاہئے
پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہئے
تیری خدمت سے دنیا میں عظمت میری
تیرے قدموں کے نیچے ہے جنت میری
مجھ کو ہر دم تیرا آسرا چاہئے
پیاری ماں مجھ کو تیری دعا چاہئے
کھیلنے سے مجھ کو روکتی تھی مٹی میں
اوڑھ کر وہی مٹی آج سو رہی ہے میری ماں

ماں سے ایک درخواست

درس شجاعت دے مجھے بزدل نہ بنا
مومن ہوں! اے ماں مجھے فاسق نہ بنا
تو راہ جہاد کو سبب موت نہ بنا
مومن ہوں اے ماں مجھے فاسق نہ بنا
میرے حوصلوں کو بخشا کر دے مجھے بزدل نہ بنا
مومن ہوں اے ماں مجھے فاسق نہ بنا

دیکھو حورعین میرا انتظار کررہی ہیں
شراب کا کاسہ لے کر کھڑی ہیں

دعائیں دے مجھے اپنی بڑی قسمت گھڑی سے
آسنان و خنجر سجا کے مجھے دولہا بنا

درس شجاعت دے مجھے بزدل نہ بنا
مومن ہوں اے ماں مجھے فاسق نہ بنا

(انتخاب:.....کلثوم اختر، نسیم)

ماں

ہم جگنو تھے!
ہم رنگ برنگے پنچھی تھے!
ماں ہم دونوں بھی ساتھی تھے!
تیری انگلی تھام کے چلتی تھی،
میں آنسو آنسو روتی تھی،
تو روز مجھے پہناتی تھی،
تو اپنے ساتھ سلاتی تھی،
اس پھول کو سینچا ہاتھوں سے!
میں سجھی تیری باتوں سے،
اب بھی رات کو سوتی ہوں!

ہم تتلی تھے!
کچھ ماہ وسال کی جنت میں......
میں چھوٹی سی اک بچی تھی،
تو دور نظر سے ہوتی تھی،
خوابوں کا اک روشن بستہ،
جب ڈرتی تھی میں راتوں کو
ماں تو نے کتنے برسوں تک
جیون کے گہرے بھیدوں کو،
میں تیرے ہاتھ کے تکیے پر،
ماں میں چھوٹی سی اک بچی......

تیری یاد میں آج بھی روتی ہوں!

(انتخاب:.....عائشہ فیاض، کراچی)

والدہ مرحومہ کی یاد میں

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پردۂ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے

آسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں

ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں
سبزۂ گل بھی ہیں مجبور نمو گلزار میں

نغمۂ بلبل ہو یا آواز خاموش ضمیر
ہے اسی زنجیر عالمگیر میں ہر شے اسیر

آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں
خشک ہوجاتا دل میں اشک کا سیل رواں

قلب انسانی میں رقص عیش وغم رہتا نہیں
نغمہ رہ جاتا ہے لطف زیرو بم رہتا نہیں

علم و حکمت رہزن ساماں اشک و آہ ہے
یعنی اک الماس کا ٹکڑا دل آگاہ ہے

گر جو میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں
آنکھ میری مایہ دار اشک عنابی نہیں

جانتا ہوں آہ میں آلام انسانی کا راز
ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز

میرے لب پر قصۂ نیرنگی دوراں نہیں
دل مرا حیراں نہیں خنداں نہیں گریاں نہیں

پر تری تصویر قاصد گریۂ پیہم کی ہے
آہ یہ تردید میری حکمت محکم کی ہے

گریۂ سرشار سے بنیاد جاں پابندہ ہے
درد کے عرفاں سے عقل سنگدل شرمندہ ہے

موج دود آہ سے آئینہ روشن مرا
گنج آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

رفتہ و حاضر کو گویا پاپا اس نے کیا
عہد طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا

جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جان ناتواں
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں

اور اب چرچے ہیں جس کی شوخی گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشم گوہر بار کے

علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور

زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفل سادہ رہ جاتے ہیں ہم

بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار

خاک مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آوں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آوں گا

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

وہ جواں قامت میں ہے جو صورت سرو بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

کاروبار زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر وہ بازو مرا

تجھ کو مثل طفلک بیدست و پا روتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح ومسا روتا ہے وہ

تخم جس کا تو ہماری کشت جاں میں بو گئی
شرکت غم سے وہ الفت اور محکم ہوگئی

آہ یہ دنیا، یہ ماتم خانۂ برناؤ پیر
آدمی ہے کس طلسم دوش و فردا میں اسیر

کتنی مشکل زندگی کس قدر آسان ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزاں ہے موت

زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دختر ان مادر ایام ہیں

کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نے مجال شکوہ ہے نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے اک طوق گلو افشار ہے

قافلے میں غیر فریاد ورا کچھ بھی نہیں
اک متاع دیدۂ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہوجائے گا لیکن امتحان کا دور بھی
ہیں پس نہ پردۂ گردوں ابھی دور اور بھی

سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ وگل ہیں تو کیا
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا

جھاڑیاں جن کے قفس میں قید ہے آہ خزاں
خفتہ خاک پے سپر میں ہے سرار اپنا تو کیا
زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدہ قدرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
آہ غافل موت کا راز نہاں کچھ اور ہے
جنت نظارہ ہے نقش ہوا بالائے آب
موج کے دامن میں پھر اس کو چھپادیتی ہے یہ
پھر نہ کرسکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
اس روش کا کیا اثر ہے ہیئت تعمیر پر
فطرت ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو
آہ سیماب پریشاں انجم گردوں فروز
عقل جس سے سر بزانو ہے وہ مدت ان کی ہے
پھر یہ انسان آہ سوئے افلاک ہے جس کی نظر
جو مثال شمع' روشن محفل قدرت میں ہے
جس کی نادانی صداقت کے لئے بیتاب ہے
شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
تخم گل کی آنکھ زیر خاک بھی بے خواب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہوسکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
ہے لحد اس قوت آشفتہ کی شیرازہ بند
موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
کہتے ہیں اہل جہاں درد اجل ہے لا دوا
دل مگر غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتا نالہ ماتم نہیں

سبز کردے گی انہیں باد بہار جاوداں
عارضی محل ہے یہ مشت غبار اپنا تو کیا
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں
ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
عام یوں اس کو نہ کردیتا نظام کائنات
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
نفس کی ناپائیداری سے عیاں کچھ اور ہے
موج مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
کتنی بیدردی سے نقش اپنا مٹادیتی ہے یہ
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا
یہ حجت ہے ہوا کی قوت تعمیر پر
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو
شوخ پر چنگاریا ممنون شب ہے جن کا سوز
سرگزشت نوع انساں ایک ساعت ان کی ہے
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے جو پاکیزہ تر
آسماں اک نقطہ جس کی وسعت فطرت میں ہے
جس کا ناخن ساز ہستی کے لئے مضراب ہے
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے
خود نمائی خود فضائی کے لئے مجبور ہے
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ڈالتی ہے گردن گردوں میں جو اپنی کمند
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
موت اس گلشن جز سنجیدن پر کچھ نہیں
زخم فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا
حلقۂ زنجیر صبح و شام سے آزاد ہے
وقت زخم تیغ فرقت کا کوئی مرہم نہیں

سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
ربط ہوجاتا ہے دل کو نالہ، و فریاد سے
آدمی تاب شکیبائی سے گو محروم ہے
جو ہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
رخت ہستی خاک غم کے شعلہ افشانی سے ہے
آہ یہ ضبط فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
پردۂ مشرق سے جسدم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
لالۂ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
سینۂ بلبل کے زنداں سے سر دو آزاد ہے
خفتگان لالۂ زار و کوہسار و رودبار
یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام و صبح
دام سیمیں تخیل ہے مرا آفاق گیر
یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے
وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
مختلف ہر منزل ہستی کی رسم و راہ ہے
ہے وہاں بے حاصلی کشت اجل کئے واسطے
نور فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
آسماں تیر لحد پر شبنم افشانی کرے

اشک پیہم دیدہ انساں سے ہوتے ہیں رواں
خون دل بہتا ہے آنکھوں کی سرمک آباد سے
اس کی فطرت میں یہ اک احساس نامعلوم ہے
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آگہی ہے یہ دلآسائی فراموشی نہیں
داغ شب کا دامن آفاق سے دھوتی ہے صبح
بے زباں طائر کو سرمست نوا کرتی ہے یہ
سینکڑوں نغموں سے باد صبح دم آباد ہے
ہوتے ہیں آخر عروس زندگی سے ہمکنار
مرقد انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح
کرلیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہاں بے ثبات
آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
ساز گار آب و ہوا تخم عمل کے واسطے
تنگ ایسا حلقۂ افکار انسانی نہیں
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا
سبزۂ نور ستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بچہ اور ماں

اچھی ماں مجھے بتادو ابھی — کیوں ہے بچے کی ماما اتنی
تم کو بچہ سے کیوں یہ الفت — کس لئے اس قدر محبت ہے
ماں نے بچے کو یوں جواب دیا — حیف تم جانتے نہیں بیٹا
کیسا لیٹا ہے یہ خوش و خرم — نہ کوئی فکر ہے نہ کوئی غم
نہ تو روتا نہ بلبلاتا ہے — گود میں کیا ہمک کے آتا ہے
مسکراتا ہے کیا ہی خوش ہوکر — جیسے چڑیا مگن ہو ڈالی پر
جب کہ سونے کا وقت ہے آتا — میرے سینے سے ہے چمٹ جاتا

جب کہ آنکھوں میں نیند آتی ہے / بستر اس کا میری چھاتی ہے
نیند لے کر ہنسی خوشی اٹھا / پھول گویا کھلا چنبیلی کا
لگ گئی بھوک کہہ نہیں سکتا / پیاری نظروں سے ہے مجھے تکتا
پیار کا میرے بس یہی ہے سبب / نہیں آتا بیان میں مطلب

ماں اور بچہ

بولی بچے سے ماں میرے پیارے / صدقے اماں جواب دو پیارے
کہ ہے بچے کو ماں سے الفت کیوں / رکھتا ہے اس قدر محبت کیوں
دیا بچہ نے یوں جواب اس کو / اے ہے اماں خبر نہیں تم کو
مجھ کو تکلیف سے بچاتی ہو / پیار سے گود میں بٹھاتی ہو
جی مرا بدمزہ اگر ہوجائے / میرے دکھ کا تمہیں اثر ہوجائے
مجھ کو ہو درد تم کو حیرانی / چپکے چپکے کرو نگہبانی
پیار کرتی ہو منہ دھلاتی ہو / اچھے کھانے مجھے کھلاتی ہو
اور سب جو آرہے ہیں نظر / تم زیادہ ہو مہرباں مجھ پر
جانتا ہوں زیادہ سب سے تمہیں / چاہتا ہوں اسی سبب سے تمہیں
پیاری اماں کہا نہیں جاتا / نہیں مطلب بیان میں آتا

(انتخاب:.....محمد ساجد میمن)

ماں

کیا بھلے دن تھے کہ تری گود میں پلتا تھا میں / مامتا کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں چلتا تھا میں
میری خوشیوں سے خوشی ہوتی تھی غم سے غم تجھے / فکر رہتی تھی مرے آرام کی ہر دم تجھے
چلنے لگتی تھی نسیم جانفزا میرے لئے / جب بھی اٹھتے تھے ترے دست دعا میرے لئے
کھیلتا رہتا تھا میں سائے میں ٹھنڈی نیم کے / مجھ کو ملتے تھے اسی میں لطف ہفت اقلیم کے
فاختاؤں کی صدا کتنا لبھاتی تھی مجھے / داستان یوسف کنعاں سناتی تھی مجھے
میں بہل جاتا تھا ان کے نغمہ مغموم سے / اب بھی مجھ کو انس ہے اس طائر معصوم سے
اب وہ کیفیت نہیں ملتی گل و گلزار میں / لطف آتا جو مجھ کو سایہ اشجار میں
یہ زمانہ مختصر تھا ابر باراں کی طرح / کوئی دن میں چل دیا باد بہاراں کی طرح

☆.....☆.....☆

آج تیری یاد میں روتا ہوں میں زار و قطار / ذہن پر چھایا ہوا ہے عمر رفتہ کا غبار
جب خیال آتا ہے چبھ جاتے ہیں دل میں خار سے / وقت آخر میں رہا محروم تیرے پیار سے
کردیا غم نے ترے سرگشتہ و حیران مجھے / شہر کی نسبت بھلا لگتا ہے گورستان مجھے
تیری خاک گور آنکھوں سے لگاتا ہوں کبھی / آہ بھرتا ہوں کبھی ، آنسو بہاتا ہوں کبھی

چاہتا ہے دل کہ تیرے ساتھ کچھ باتیں کروں / یوں مخاطب تجھ سے ہوتا ہوں بصد شوق دروں
اے مری ماں! میری پیاری ماں مری خود دار ماں / صابرہ ماں!، ہاجرہ ماں، پیکر ایثار ماں
کس لئے خاموش ہے کیوں لب کشا ہوتی نہیں / کیا نہیں سنتی مری آواز تو زیر زمیں
بول میری ماں! تیرا بیٹا بلاتا ہے تجھے / آپ بیتی تیرے پیاروں کی سناتا ہے تجھے
"ماں" کہوں تو ایک ٹھنڈی سانس بھر لیتا ہوں میں / آہ کرلیتا ہوں فریاد کرلیتا ہوں میں

☆.....☆.....☆

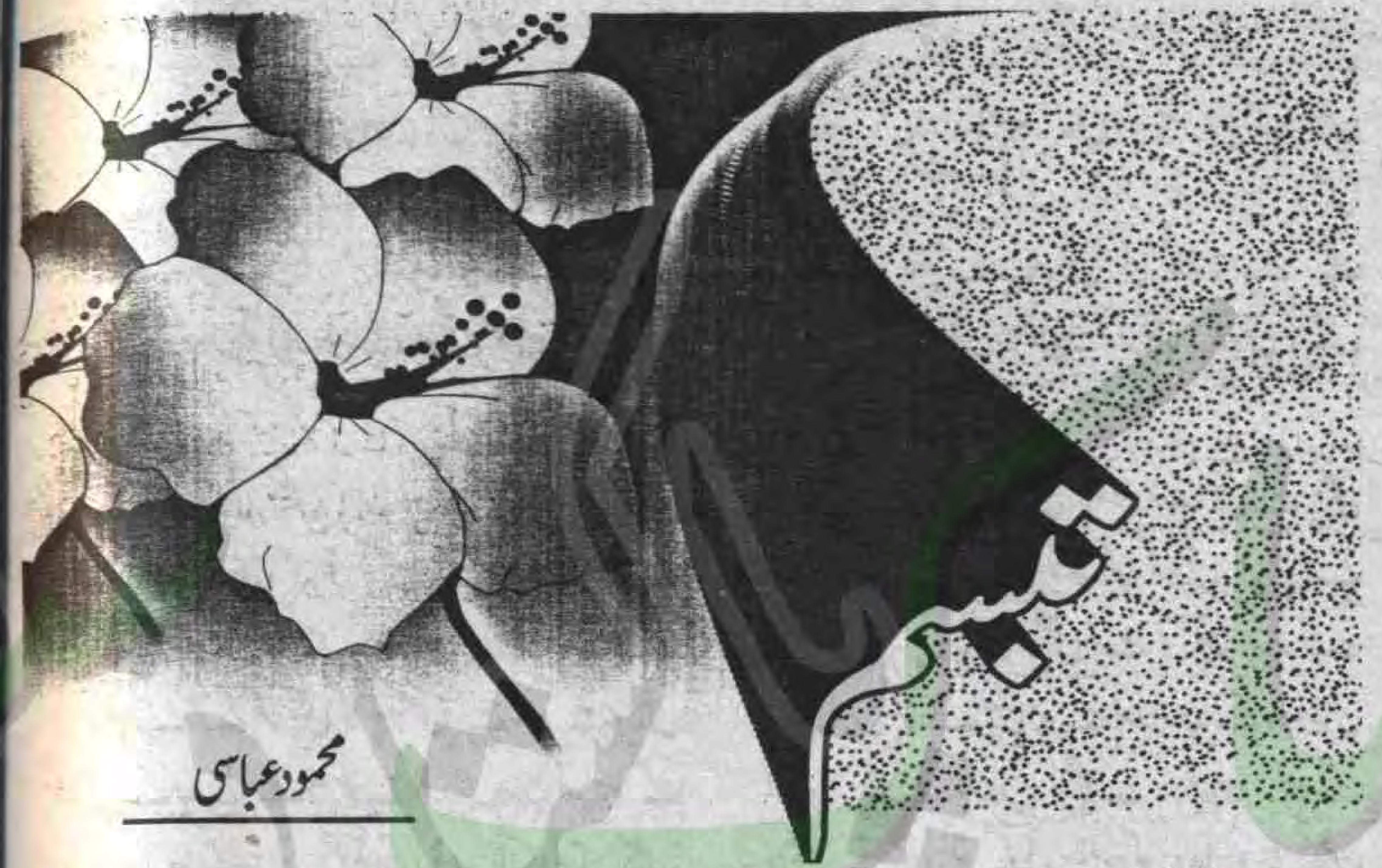
مجھ پہ تنہائی میں ایسا وقت آتا ہے کبھی / دھیان تیرا اس طرح نقشہ جماتا ہے کبھی
میں سمجھتا ہوں کہ تو بیٹھی ہے میرے سامنے / پھر عنایت کی ہے مجھ کو گردش ایام نے
آکے اس دنیا میں واپس عالم اسرار سے / میرے سر پر ہاتھ رکھتی ہے تو اپنا پیار سے
نام لے لے کر سبھی کا پوچھتی ہے مجھ سے حال / کس طرح گزرے ہیں میرے بعد سب کے ماہ و سال
تیرے جانے سے ہم اپنے گھر میں بے گھر ہوگئے / اب یگانے اور بیگانے برابر ہوگئے
ملنے جائیں تو کوئی اپنی بلا لیتا نہیں / واپس آئیں تو کوئی ہم کو دعا دیتا نہیں

☆.....☆.....☆

جوں ہی رکھا پاؤں ہم نے جاکے گورستان میں / فاختہ کی دکھ بھری آواز آئی کان میں
آج اس آواز میں کیا درد، کتنا سوز تھا / یہ سرود شام ہستی کس قدر دلدوز تھا
بھولی بسری کتنی باتیں آج پھر یاد آگئیں / کتنی تصویریں نظر کے سامنے لہرا گئیں
ماں کی شفقت، باپ کی تادیب، بہنوں کا سلوک / یاد آتے ہی اٹھی، بیساختہ سینے سے ہوک
فاختہ! اب صبر کر، کیا فائدہ اس شور سے / چیختی ہے آج تو کس درد، کتنے زور سے
جو تری بولی سمجھتی تھی وہ رخصت ہوگئی / اب نہ بولے گی کہ وہ خواب گراں میں سوگئی
رو نہ اے بھولے پکھیرو اب زیادہ غم نہ کر / میں دعا کرتا ہوں، تو آمین کہہ ماتم نہ کر
اس جہاں کو جانے والے لوٹ کر آتے نہیں / کچھ نہیں کھلتا کہ ہے کتنی حسیں وہ سرزمیں
تیرے نالے ہیں عبث، سر پھوڑنا بیسود ہے / دل نہ میلا کر کہ یہ دنیائے ہست و بود ہے
جا کے مل لینا اسے فردوس کے گلزار میں / منتظر ہوگی تری وہ سایہ اشجار میں

ماں کے لئے دعا

کر دعا میری الٰہی مستجاب / بخش دینا مجھ کو تو روز حساب
مغفرت ماں باپ کی بھی میرے کر / کل مسلمانوں سے بھی تو درگزر
جیسے بچپن میں میرے ماں باپ نے / رحمت و شفقت سے پالا ہے مجھے
تو بھی ان پر یا الٰہی رحم کر / ان کو رحمت کا صلہ دے سر بسر
مجھ پہ یا رب اور میرے ماں باپ پر / تو نے جو احساس کئے ہیں سر بسر
مجھ کو دے توفیق ان کے شکر کی / اور اچھے کاموں کی توفیق



شادی بیاہ کی تقریبات سے بھی اس قسم کے گلے شکوے ہونے لگے ہیں۔

''حد کردی باجی آپ پورے دو مہینے ٹائیفائیڈ میں مبتلا رہی اور ہمیں کانوں کان خبر نہ ہوئی۔''

ایسی شکایتیں ایک اعتبار سے درست بھی ہیں۔ رشتہ داری اور قرابت داری شادی بیاہ اور رنج وغم کے موقع پر سب کو نہ صرف بلانا چاہئے بلکہ باقاعدہ دعوت نامہ دینا چاہئے جس کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے۔

مکرم......السلام علیکم

ابا حضور کی رسولی کا آپریشن مورخہ 10 جولائی کو ہونا طے پایا ہے اس موقع پر آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے باعث صد افتخار ہوگی۔

پروگرام آپریشن

روانگی مریض......دس بجے

آپریشن......بارہ بجے دوپہر

واپسی مریض......تین بجے سہ پہر

ظہرانہ.........چار بجے سہ پہر

مقام سپیشل وارڈ، جمرود روڈ، حیات شہید اسپتال، پشاور۔

(انتخاب:......امجد علی، مہمند)

محمود عباسی

ایک کنجوس جس کا نام جنجال تھا جو پشاور کا رہنے والا تھا۔ سنا کہ ''کراچی'' میں اس سے بڑا کنجوس رہتا ہے۔ جنجال کنجوس کو یقین نہ آیا کہ دنیا میں کوئی اس سے بھی زیادہ کنجوسی کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ تحقیق احوال کے لئے کراچی روانہ ہوا۔

کراچی پہنچ کر وہ کنجوس کے مکان کا پتہ پوچھتا ہوا اس کے گھر جا پہنچا۔ کراچی کا کنجوس جس کا نام کنگال تھا۔ جنجال کنجوس کے آنے سے بڑا خوش ہوا۔ خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا، محبت سے بٹھایا۔ اس کا حال احوال پوچھا، کراچی کے حالات اسے سنائے، اس کی دلچسپی کی باتیں کرتا رہا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو جنجال سے کہنے لگا کہ تم سفر کرکے آئے ہو۔ ویسے بھی کھانے کا وقت ہوگیا ہے چلو بازار چل کر کچھ کھانے کے لئے لے آئیں۔ یہ سن کر جنجال کنجوس دل میں سوچنے لگا، یہ تو بڑے دل کا مالک ہے۔ اس کے بارے میں کنجوس ہونے کی بات کسی نے غلط طور پر مشہور کردی۔ ساتھ ہی کہنے لگا۔ ''ضرور'' ضرور چلئے چلتے ہیں، یہ کہہ کر دونوں کنجوس بازار کی طرف چل دیئے۔

راستے میں ایک نانبائی کی دکان آئی، کنگال کنجوس

جو میزبان تھا، دکان پر رک گیا اور نانبائی سے پوچھا کہ میاں تمہارے پاس روٹی ہے۔ نانبائی بولا، جناب! جتنی درکار ہو، پیش کردوں۔ کنگال کنجوس نے کہا، میاں پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری روٹی کی خاص بات کیا ہے؟ نانبائی نے جواب دیا، جناب! میری روٹی کی تعریف یہ ہے کہ ''بالکل تازہ اور مکھن کی طرح نرم'' یہ سن کر کنگال کنجوس جنجال کنجوس سے کہنے لگا کہ سنا آپ نے روٹی کا کمال یہ ہے کہ وہ تازہ ہو اور مکھن کی طرح نرم ہو اور پھر روٹی کی بجائے مکھن ہی کیوں نہ خرید لیا جائے۔ جنجال کنجوس از راہ اخلاق بولا، درست ہے جناب!

کچھ دور جاکر مکھن کی دکان آئی۔ کنجوس نے رک کر مکھن والے سے پوچھا کہ تمہارے پاس مکھن ہے؟ دکاندار نے کہا، جناب جتنا درکار ہے۔ کنگال کنجوس بولا، یہ تو بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے اپنے مکھن کی کوئی خاص بات کہو۔ مکھن والا بولا، جناب نہایت نفیس، خوش ذائقہ اور روغن زیتون کی طرح۔ یہ سن کر کنگال کنجوس جنجال سے مخاطب ہوا کہ سنا آپ نے مکھن کو زیتون کے تیل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تو کیوں نہ ہم تیل خرید لیں۔ مہمان بے چارہ مہمان تھا، اور اب مہمانی کے پیش نظر بولا، درست ہے جناب!

تھوڑی دور چل کر تیل کی دکان آئی۔ کنگال کنجوس نے دکاندار سے پوچھا کہ میاں روغن فروش! تمہارے پاس اچھا تیل ہے؟ تیلی نے جواب دیا، بہت ہے۔ کنجوس کہنے لگا، پہلے تیل کی کوئی خوبی بتاؤ۔ تیلی نے جواب دیا کہ جناب آب تازہ کی طرح شفاف۔ یہ سن کر کنگال کنجوس جنجال کنجوس سے کہنے لگا کہ تیل کی یہ خوبی ہے کہ آب تازہ کی طرح شفاف ہے تو چلئے گھر واپس چلتے ہیں۔ پانی کی صراحی موجود ہے اسی کو استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ دونوں واپس آئے اور کنگال کنجوس نے صرف پانی کی صراحی مہمان کے لئے دسترخوان پر رکھ دی کہ حضرت شوق فرمائیں۔ پشاور کے جنجال کنجوس نے پانی کا ایک گھونٹ پیا اور بولا، الحمدللہ میرا پشاور سے کراچی تک طویل سفر بے کار نہیں گیا، جیسا سنا تھا اس سے بڑھ کر ہی پالیا۔

(انتخاب:......ابن امین، کراچی)

☆......☆......☆

سردار جی کپ میں چمچہ ہلاتے ہوئے چائے کی چسکی لیتے، برا سا منہ بناتے، کپ نیچے رکھتے اور دوبارہ چمچہ ہلانے لگتے، پھر کپ اٹھاتے، چسکی لیتے، برا سا منہ بناتے اور کپ نیچے رکھ کر چمچہ ہلانے لگتے۔ جب وہ یہ عمل پانچ سات بار دہرا چکے تو چمچہ ٹرے میں پھینک کر بولے۔

''لو بھئی دوستو! ایک بات تو طے ہوگئی۔''

دوستوں نے چونک کر پوچھا۔ ''وہ کیا؟''

سردار جی اسی یقین سے بولے۔ ''یہی کہ اگر چائے میں چینی نہ ہو تو چائے میں جتنا چمچہ ہلائیں، چائے میٹھی نہیں ہوسکتی۔''

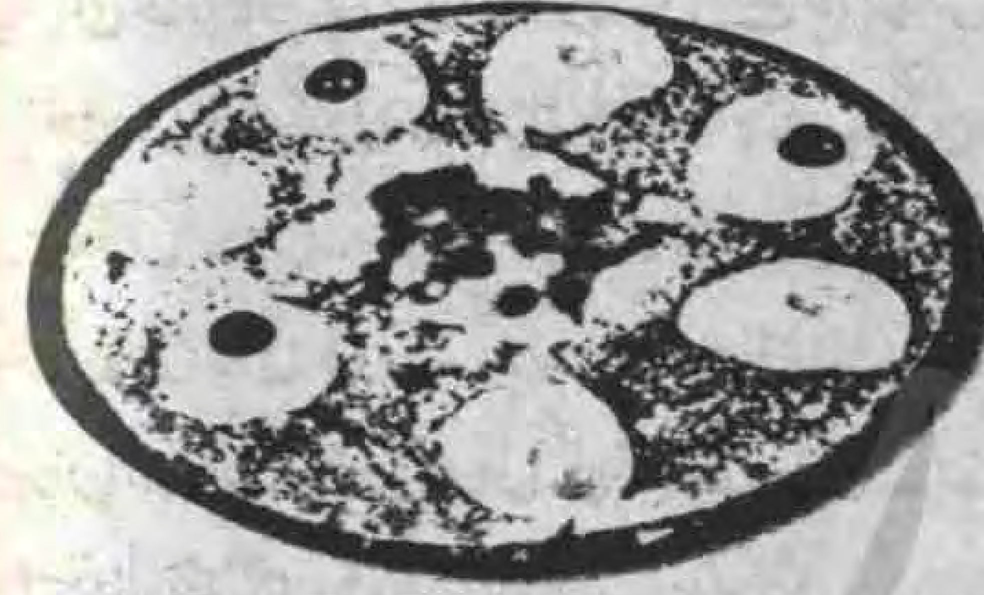
(منیر احمد، سمن آباد، کراچی)

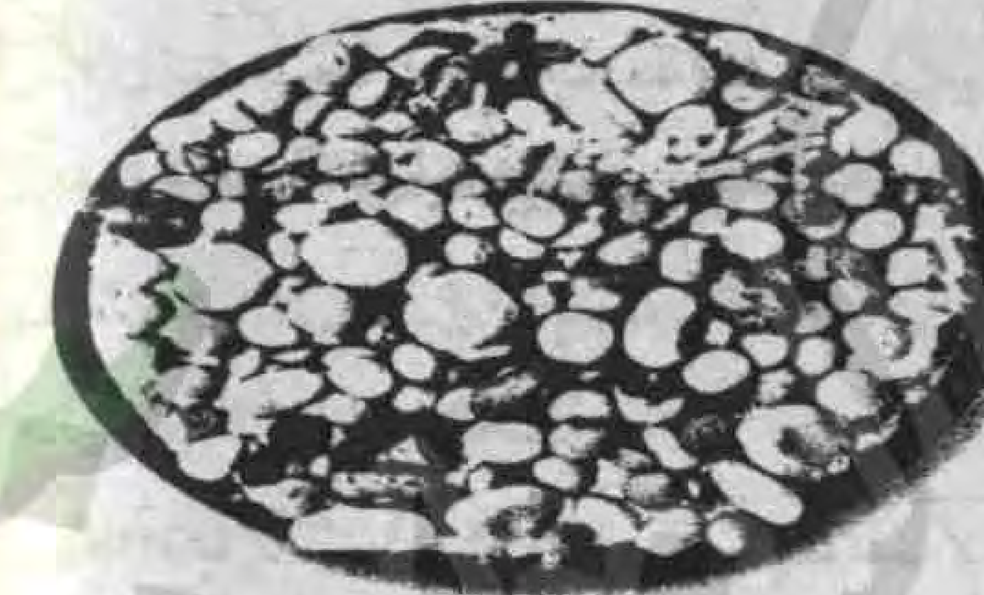
☆......☆......☆

قہقہہ مار کر ہنسنے کی آفتیں

فقیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قہقہہ مار کر ہنسنے سے بہت ہی بچو کیونکہ اس میں آٹھ آفتیں ہیں۔

☆......علم و عقل والے تیری مذمت کریں۔ ☆......بے وقوف اور جاہل لوگ تجھ پر دلیر ہوجائیں گے۔ ☆......اگر تو جاہل ہے تو اس سے تیری جہالت اور بڑھے گی اور عالم ہے تو علم میں کمی آئے گی کیونکہ روایت میں ہے کہ عالم جب قہقہہ مارتا ہے تو اس کے علم کا ایک حصہ ضائع ہوجاتا ہے۔ ☆......اس سے پرانے گناہ بھول جاتے ہیں۔ ☆......اس سے آئندہ گناہوں پر جرأت ہوتی ہے کیونکہ زوردار ہنسی سے دل سخت ہوجاتا ہے۔ ☆......اس سے موت اور اس کے بعد والے حالات سے غفلت اور نسیان پیدا ہوتا ہے۔ ☆......تجھے دیکھ کر جو ہنسے گا اس کا بوجھ بھی تجھ پر ہوگا۔ ☆......اس ہنسی کی وجہ سے آخرت میں بہت زیادہ رونا پڑے گا۔ ....(مراسلہ: سعدیہ شکیل، نیو کراچی)





باورچی خانہ

میٹھا میٹھا کھاؤ، میٹھا میٹھا بولو کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔

شامی کباب

اجزاء:

قیمہ......ایک سیر
گھی......آدھ سیر
انڈا......ایک عدد
پیاز......دو تولہ
ادرک......ایک چھٹانک
مرچ، خشخاش......چھ ماشہ
بھنے ہوئے چنوں کا بیسن......ایک چھٹانک
لونگ، الائچی، دارچینی......ہر ایک دو دو ماشہ
دہی......تین چھٹانک
نمک......ڈھائی تولہ

ترکیب:

پہلے قیمہ گھی میں بھونئے، اس کے بعد قیمہ میں مصالحہ ملائیے اور اسے پیس کر ٹکیاں بنائیے، پھر انڈے کی زردی اور سفیدی کو خوب لت پت کر کے ٹکیوں پر لگائیے اور تل لیجیے، اس کے بعد پیش کیجیے۔

☆......☆......☆

یخنی پلاؤ

اجزاء:

گوشت......ڈیڑھ سیر
چاول......ایک سیر
لہسن، پیاز، ادرک، دھنیا......ایک ایک چھٹانک
نمک......تین تولہ
لونگ، الائچی، دارچینی، سیاہ مرچ، زعفران......ایک ماشہ
دہی......پاؤ بھر
کیوڑہ......پانچ تولہ

ترکیب:

پہلے گھی میں پیاز کے لچھے تلنے کے بعد آدھا لہسن، دھنیا اور دارچینی کو پیس کر گوشت کے ساتھ اتنا بالئے کہ گل جائے، اس کے بعد بوٹیوں کو گوشت کی یخنی میں دھو کر نکال لیجیے اور یخنی کو لونگ سے دو تین دفعہ بگھاریے۔ مگر تھوڑا سا گھی رکھ چھوڑیے، پھر آدھا پسا ہوا مصالحہ چھان کر باقی گوشت اور بوٹیوں میں ڈال دیجیے اور اسے لہسن کے پانی اور دہی سے خوب بھونئے۔ پھر سیاہ مرچ، زعفران نصف کیوڑہ، چند پسی ہوئی الائچیاں اور لونگیں ڈال کر ابالئے اور ابالنے کے لئے اگر پانی کی ضرورت ہو تو وہ بھی دیجیے، اس کے بعد جب یخنی رہ جائے، اس وقت قورمہ ڈال دیجیے اور پتیلی کے منہ پر آٹا لگا دیجیے۔ تھوڑے وقت میں وہ تیار ہو جائے، باقی زعفران اور باقی کیوڑہ حل کر کے اوپر سے ڈال دیجیے۔ پھر استعمال میں لائیے۔

☆......☆......☆

تہہ بہ تہہ یخنی پلاؤ

اجزاء:

چاول......ایک سیر
گوشت......ایک سیر
گھی......آدھ سیر
زعفران، لونگ، الائچی، دارچینی......ایک ایک ماشہ
کیوڑہ......ایک چھٹانک
دہی......پاؤ بھر
پیاز، دھنیا، ادرک......تین تین تولہ
سیاہ مرچ......تین ماشہ
زیرہ......دو ماشہ
نمک......چار تولہ

ترکیب:

پہلے گھی میں پیاز لال کر کے اتار لیجیے اور گھی میں ایک سیر گوشت ڈال کر بھونئے، جب گوشت کا پانی جل جائے، نمک ڈیڑھ تولہ ڈالئے اور مصالحہ ادرک، دارچینی، دھنیا بھی پیس کر ڈال دیجیے اور پانی ڈال کر پکائیے، جب گوشت گل جائے تلی ہوئی پیاز مل کر ڈالئے اور ایک جوش دیجیے پھر زعفران لونگ، نصف پسی ہوئی الائچیاں اور سالم سیاہ مرچ ڈال کر آگ پر رکھ دیجیے۔ تاکہ پانی جل جائے اور تھوڑا سا لعاب اور گھی باقی رہ جائے، پھر دو سیر گھی کو بطور یخنی چھان کر لونگوں سے ایک دو دفعہ بگھار دیجیے۔ پھر سیر بوٹیوں میں گھی اور قدرے مصالحہ ڈال کر بھون کر تہہ بنا کر رکھئے۔ پھر چاول بھگو کر باقی یخنی میں جوش دیجیے اور جب کنی رہ جائے، گوشت کی تہہ پر تھوڑے سے چاولوں کو بچھائیے۔ پھر قورمہ کی تہہ بچھائیے۔ اسی طرح برابر تہہ دے کر باقی زعفران کیوڑہ میں حل کر کے ہر تہہ پر چھڑکتی جائیے اور اوپر سے گھی ڈال دیجیے۔ پھر آٹے سے دیگچی کا منہ بند کر کے دم پر رکھ دیجیے، نہایت عمدہ اور مزیدار ہوگا۔

☆......☆......☆

لذیذ کوفتہ پلاؤ

اجزاء:

گوشت......دو سیر
گھی......ایک سیر
چاول......ایک سیر
لونگ، الائچی، مرچ سیاہ، زیرہ......ایک چار ماشہ
زعفران......تین ماشہ
ادرک......آدھ پاؤ
پیاز......پاؤ بھر
میدہ......دو تولہ
نمک، کشمش، بادام، پستہ......ہر ایک ڈھائی چھٹانک
چرونجی، خرما......ہر ایک ڈھائی چھٹانک
نمک......چھ تولہ

ترکیب:

پہلے ایک سیر گوشت کی یخنی پکائیے۔ پھر چھان کر لونگ اور گھی سے کئی مرتبہ بگھاریے۔ پھر یخنی میں نمک ڈال کر گھی میں بگھاریے۔ پھر دھنیے کے پانی میں دو پیاز بگھاریے، پھر پیاز ادرک کو باریک پیس لیں اور آدھا آٹا اور انڈے کتر کر بھر دیجیے۔ پھر آدھ سیر گھی میں لونگ اور الائچی سیاہ مرچ ڈال کر تلئے، پھر یخنی ڈال کر پکائیے اور ایک ماشہ زعفران دے کر لعاب دار اتار لیجیے۔ اس کے بعد چاول دھو کر یخنی میں پکائیے۔ جب قدر یکنی رہ جائے۔ اسے کھول کر باقی زعفران چھڑک دیجیے اور ڈھانک دیجیے، پھر استعمال میں لائیے۔



"ماہنامہ حیا" کی قاریات کے لئے ایک رنگارنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ "گلدستہ حیا" آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

ماں! تجھے سلام

☆......میں نے چاند دیکھا، چاند کے بعد ستاروں کو بھی دیکھا، پھولوں اور پھولوں کی وادیوں کو بھی دیکھا، اس کے بعد ایک نظر قدرت کے حسین نظاروں، اونچے پہاڑوں، گہرے سمندروں، کائنات کے شاہکاروں اور خوبصورت انسانوں پر پڑی، یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد میں پریشان سی ہوگئی کہ ان سب سے خوبصورتی میں اول درجہ کس کو دوں؟ چاند کو، ستاروں کو یا کائنات کے کسی شاہکار کو، لیکن پھر میری نظر ایسی جگہ چلی گئی، جو ان سب سے زیادہ حسین تھی، اس کے سامنے ان سب چیزوں کی خوبصورتی ماند پڑ گئی، انسانوں کے درمیان یہ ایسی ہستی ہے، جس کے سامنے عظیم سے عظیم انسان بھی اپنا سر جھکا دیتے ہیں، جس کے احترام کے لئے دنیا کا ہر انسان کھڑا ہو جاتا ہے، وہ عظیم شخصیت "ماں" ہے، جس کی ممتا مرتے دم ختم نہیں ہوتی، میں سمجھتی ہوں کہ قدرت نے دنیا میں حضرت انسان کو اگر کوئی تحفہ دیا ہے تو وہ "ماں" ہے، جنت میں پہنچنے سے پہلے اگر جنت کا نظارہ دیکھنا چاہتے ہو تو وہ ماں ہے۔

کسی دانا نے خوب کہاں ہے: "ماں کائنات کا آخری تحفہ ہے۔" ماں ہی ایسی ہستی ہے، جس کی دعا بارگاہ الٰہی میں یکسر پہنچتی ہے، ماں محبت سے سرشار اور پیار کا سمندر ہے، تربیت کی پہلی درس گاہ "ماں" اخلاقیات کا منبع ہے، دکھی دل کی دوا ہے، ماں کی گود انسان کا سکون ہے، ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے، ایک دفعہ میں نے اپنی ماں سے سوال کیا: ماں! تجھے دنیا میں سب سے عزیز چیز کیا ہے؟ ماں نے جواب دیا: "میرا بیٹا" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پھر

ماں سے مخاطب ہوئی اور کہا: ماں! بیٹے سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے؟ ماں نے کہا: "بیٹی" میں نے ادب سے آنکھیں جھکالیں اور کہا: "ماں محبت میں تیرا کوئی ثانی نہیں۔"

جب خدا نے ماں کو بنایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ چاند کی ٹھنڈک، شبنم کے آنسو، بلبل کے نغمے، گلاب کے رنگ، پھول کی مہک، کوئل کی کوک، سمندر کی گہرائی، دریاؤں کی روانی، موجوں کا جوش، کہکشاں کی رنگینی، زمین کی چمک، صبح کا نور اور آفتاب کی تمازت کو جمع کیا جائے تاکہ ماں کی تخلیق کی جائے۔ جب ماں کو خدا نے بنالیا تو فرشتوں نے پوچھا۔ اے مالک دو جہاں! تو نے اس میں اپنی طرف سے کیا شامل کیا ہے؟ تو رب العزت نے فرمایا: "محبت" کسی نے پوچھا: ماں کیا ہے؟...... جواب ملا، ماں ایسا سمندر ہے جو اولاد کے لاکھوں راز اپنے سینے میں چھپالیتی ہے۔ ماں ایسی دھنک ہے، جس میں ہر رنگ نمایاں ہوتا ہے، ایسی غزل ہے، جو سننے والے کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے، ماں گلشن کا وہ پھول ہے، جس سے خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے، ماں چودھویں رات کی چاندنی ہے، ماں کے بغیر چاندنی رات تاریک لگتی ہے، ماں کائنات کی رونق ہے۔ "ماں" تیری عظمت کو میں ایک بار نہیں ہزار بار سلام پیش کرتی ہوں۔

(انتخاب:......فریحہ اشرف کمالوی)

☆......☆......☆

ماں کی دعا کا اثر

☆......دنیا بھر میں پھلنے پھولنے کے لئے والدین کی دعا بہت ضروری ہے، والدین کی یا بزرگوں کی دعا ایک بہت بڑی نعمت ہے، جس کا کوئی مول نہیں، اس سے بڑا مسیحا کوئی نہیں، دوا نہیں، کوئی توڑ نہیں...... یہ دعا ایک ایسی چھاؤں ہے جو آپ کو دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کر دیتی ہے بلکہ قیامت تک آپ پر ایک سائبان بن کر چھائی رہتی ہے، والدہ کی دعا کا اثر کس طرح ہوتا ہے، دو اماموں کے واقعے پڑھئے اور ماں کی دعا کے اثر کا اندازہ لگایئے:

امام بخاری رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ کی مستجاب دعا:...... امام بخاری کے نابینا ہونے کا ان کی والدہ کو بہت ہی قلق وافسوس تھا، اس لئے وہ نہایت فکر اور گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ سے امام بخاری کی بصارت کے لئے دعا کیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رات کو اسی فکر کے ساتھ سوئیں تو رات کو خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہارے رونے کو اللہ تعالیٰ نے قبول کر کے تمہارے فرزند کو بصارت عطا فرمادی ہے، چنانچہ جب صبح کو دیکھا تو امام بخاری کی بینائی آچکی تھی۔

ماں کی دعا سے زبان کھل گئی:...... سلیم بن ایوب فرماتے ہیں کہ میں دس برس کا تھا اور مجھ سے سورۂ فاتحہ تک نہیں پڑھی جاتی تھی، تو بعض مشائخ نے مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی ماں سے التجا کر کہ وہ تیرے واسطے قرآن اور علم کے لئے دعا کرے، میں نے اپنے علم کے لئے اپنی ماں سے دعا کرائی۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ ماں کی دعا کا اثر ایسا ہوا کہ حضرت سلیم بن ایوب ایسے جید عالم ہوئے کہ کوئی عالم ان کے پائے کا نہ تھا، وہ گویا ایسے سوار تھے کہ کوئی ان کی گرد نہ پاتا اور نشان قدم تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

یہ تھا ماؤں کی دعا کا اثر، تو ماں کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو دعا دے، آج کل کی ماؤں کی زبان سے دعا کم، بددعا زیادہ نکلتی ہے، لیکن اس کا سبب بھی والدین ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ جس طرح ان کی تعلیم وتربیت کرنی چاہئے، وہ نہیں کر پاتے اور جب اولاد ذرا بھی نافرمانی کرے تو بددعا دینا شروع کر دیتے ہیں، اگر آج کل کے والدین صحیح

تربیت کرے تو وہ دن دور نہیں کہ یہی بچے امام بخاری، امام سلیم بن ایوب بنیں۔

اولاد کی تعلیم و تربیت کے بارے میں اکابرین امت کے چند اقوال:......امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ماؤں کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں سب سے پہلے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ یہ بچے صرف ان کے ہی نہیں، بلکہ قوم کے ہیں، اگر ان کی تعلیم و تربیت میں کسی قسم کی خرابی ہوئی تو پوری قوم کے ساتھ انتہائی بے ایمانی اور پوری قوم کے ساتھ غداری ہوگی اور یہ ایسی خیانت ہوگی کہ اس کا کوئی بدلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بچوں کو شروع سے ہی عقائد، عبادات، حسن معاشرت، اخلاق، حسن عمل، حسن سلوک کی عادت ڈالنی چاہئے تاکہ وہ بڑے ہو کر اپنی قوم کے سچا رہبر بن سکیں۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:......علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان کی دماغی اور ذہنی صلاحیتوں کی حفاظت اس قدر ضروری ہے، اتنی اور کوئی چیز ضروری نہیں، جس وجہ سے مسلمان عورت (ماں) اپنے بچے کی تعلیم و تربیت میں دن رات مشغول رہتی ہے، وہ اس لئے بچوں کی تربیت نہیں کرتی کہ وہ بچہ بڑھاپے میں ان کے کام آسکے گا بلکہ ان کی تربیت اور ان کی محنت و شفقت کا مقصد ہی صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ بچے قوم کی امانت ہیں اور ان کی صحیح تربیت کر کے قوم کے سپرد کرنا ہے، اسی مقصد کے پیش نظر اگر ہمارے یہاں کے بچوں کا دوسرے اقوام کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو ان میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا فرمان:......حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری والدہ کا معمول تھا کہ جس دن ہمارے گھر میں کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو والدہ فرماتیں کہ آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں، مجھے یہ بات سن کر بہت مزہ آتا۔ ایک دن ایک شخص بہت سا غلہ ہمارے گھر دے گیا، جس کی وجہ سے چند دنوں تک مسلسل روٹی پکتی رہی، مگر مجھ کو تمنا تھی کہ والدہ جو فرماتی تھیں کہ ہم خدا کے مہمان ہیں، وہ دن کب آئے گا، آخر ایک دن جب وہ غلہ ختم ہو گیا تو والدہ نے کہا کہ سب خدا کے مہمان ہیں، یہ سن کر مجھے ایسا ذوق و سرور حاصل ہوا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان:......بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی تربیت کے قابل ہوتا ہے، عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جب بچہ چار یا پانچ سال کا ہوگا، اس وقت اس کی تربیت کا وقت ہوگا، مگر یہ صحیح نہیں جبکہ اس سے پہلے بھی اس کے سامنے کوئی برا کلمہ نہیں کہنا چاہئے اور نہ ہی کوئی برا انداز ان کے سامنے اپنانا چاہئے۔

(انتخاب:......بنت حافظ محمود قریشی، لیاقت آباد، کراچی)

☆......☆......☆

ماں کی نافرمانی قیامت کی علامت ہے

☆......اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ فرمایا کہ اللہ ہی کو پتہ ہے، کب آئے گی۔ کہا، کوئی نشانی تو بتا دیں؟ فرمایا: دیکھو! جب اولاد ماؤں سے نوکروں کی طرح بات کرے گی تو بس قیامت آگئی۔

اولاد سے عام شکایت

☆......یہی اولاد جس کی خدمت میں نحیف (کمزور) ماں نے دن رات مشغول رہ کر اپنے جسم و جان کی

قوتیں گھلادیں اور جھولی پھیلا پھیلا کر ان کے لئے ہر وقت دعائیں کرتی رہی، اگر ماں کی امیدوں پر پانی پھیر دے اور اس کی توقعات کے خلاف وہ نافرمان باغی بن کر اٹھے تو اندازہ کیجئے کہ اس ماں کا کیا حال ہوگا۔ اس کی روحانی اذیت اور دلی رنج و غم کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ اولاد سے عام شکایت ہے کہ اولاد نافرمان ہوگئی ہے، چند ایک خوش نصیب گھرانوں کو چھوڑ کر باقی سب کا یہی کہنا ہے۔ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، ماں باپ سے غافل، ادب و احترام دلوں سے نکل کر نجانے کہاں بسیرا کر چکا ہے، اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ سے حسن سلوک، خدمت، فرمانبرداری، ان کا احترام یہ سب گویا بے معنی الفاظ ہیں، آج ہم جس گھر، جس مجلس میں جائیں، یہی شکایت، نظروں کے سامنے والدین کرتے نظر آتے ہیں کہ اولاد نافرمان، باغی اور سرکش ہوگئی ہے، پھر کچھ سمجھدار اور بصیرت سے آشنا لوگ بتاتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے تو آپ سب "قارئین حیا" بھی سنیں، اس کی بڑی وجہ میں آپ کو بتاتی ہوں "آج ہمارے ماحول کی خرابی، زمانے کی رنگا رنگی، غلط اور گمراہ کن نظریات، فحش لٹریچر، بے اخلاق اور مخلوط نظام تعلیم، گھر گھر کیبل ٹی وی جیسے مہلک جراثیم ہونے کی وجہ سے اولاد بگڑ گئی۔" میری تمام والدین سے گزارش ہے کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کی طرف راغب کریں اور اپنے ماحول سے ان تمام امراض کو نکال دیں، ان شاء اللہ یہ شکایت دور ہو جائے گی اور آج کے دور میں یہ کام عظیم ماں ہی سرانجام دے سکتی ہے۔

(انتخاب:......قرۃ العین خالد، جامعہ عربیہ نعمانیہ، کمالیہ)

☆......☆......☆

سوچ کر بولئے

☆......بچوں کی تربیت کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے، بعض عورتیں ایسی ہوتی ہے کہ بچوں کی چھوٹی سی غلطی پر بھی بچوں کو ڈانٹنا شروع کر دیتی ہیں، بہت بار ایسے الفاظ منہ سے نکالتی ہیں کہ آدمی سن کر حیران رہ جاتا ہے، بہت سی عورتیں تو روتے ہوئے بچوں کو یہاں تک بددعا دے دیتی ہیں کہ "اس سے تیرا مر جانا بہتر تھا۔" اس قسم کی باتیں اگر ماں اپنے معصوم بچے کے بارے میں خود کرے گی تو گویا وہ اپنی تباہی کو خود دعوت دے رہی ہے۔ ہمارے مشائخ نے ایک واقعہ لکھا کہ ایک جاہل عورت تھی، اس کا بچہ بیمار تھا، جو روتا رہتا تھا، ماں کو جاگنا پڑتا تھا، ایک بار ماں نے تنگ آکر کہا کہ اگر تو سو ہی جاتا تو اچھا تھا (یعنی مر جاتا)۔ جب اس نے یہ بددعا کی تو اللہ رب العزت نے اس کو قبول کر لیا، مگر اس بچہ کو اس وقت موت نہیں دی، جب بچہ بڑا ہو گیا اور نیک بنا، تعلیم یافتہ بنا، اچھا کاروبار کرنے والا بنا، اتنا خوبصورت اور نیک سیرت کہ اس کو دیکھ کر لوگ حسرت کرتے کہ کاش ہمارے بچوں کی جوانی بھی ایسی ہوتی، جو بھی اس نوجوان کو دیکھتا، اس نوجوان کے چہرے کی رعنائی کو دیکھتا ہی رہ جاتا، جب عین اس کے شباب کا عالم تھا تو ماں نے اس کی شادی کا انتظام کیا اور جب شادی میں چند دن باقی رہ گئے تو اللہ رب العزت نے اس کو موت دے دی، عین شباب کے عالم میں، جب وہ نوجوان مرا تو اب اس کی ماں پاگل بن گئی، روتی پھرے اور کہتی رہے کہ میرا بیٹا جوان تھا، اللہ نے مجھ سے چھین لیا، حالانکہ اس کو پتہ نہیں کہ یہ تو اس کی اپنی مانگی ہوئی بددعا تھی، مگر اللہ نے پھل کو پکنے دیا اور جب پھل پک گیا تو اس پکے ہوئے پھل کو توڑا، تاکہ تجھے پتہ چلے کہ تو نے کس نعمت کی ناقدری کی تھی، اس لئے بسا اوقات عورتیں اپنی زبان سے مصیبتوں کو بلا بیٹھتی ہیں، بعد میں افسوس کرتی ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ زبان سے جب بھی کوئی لفظ نکالیں تو ذرا سوچ سمجھ کر نکالیں۔

(انتخاب:......آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

بے مثال محبت

☆......ماں کو اولاد کے ساتھ کتنی محبت ہوتی ہے؟ اس کا کوئی بھی اندازہ نہیں کر سکتا، یہ تو ماں ہی جانتی ہے، سی لئے کہتے ہیں: ماں کی محبت، وہ گہرا سمندر ہے، جس کی گہرائیوں کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا، ماں کی محبت وہ مالیہ پہاڑ ہے، جس کی بلندیوں کو آج تک کوئی نہیں چھو سکا، ماں کی محبت وہ گلشن ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ یران کن بات یہ ہے کہ اس دنیا میں سب نیکوں اور اچھوں سے پیار کرتے ہیں، اگر دنیا میں کوئی ایسی ذات ہے جو روں سے بھی پیار کرتی ہے تو وہ ماں ہی تو ہے، اسی لئے ماں کے بارے میں دنیا کے دانشوروں نے مختلف اقوال کہے ہیں، مثال کے طور پر شیخ سعدیؒ نے فرمایا: ماں کی محبت کی ترجمانی کرنے والی ایک ذات فقط ماں کی ہے۔ ورنگزیب عالمگیرؒ کہتے تھے کہ مجھے ماں کے بغیر اپنا گھر قبرستان کی طرح لگتا ہے۔ حتیٰ کہ کفر کے ماحول میں پلے ہوئے کافر لوگوں نے بھی ماں کی محبت کے بارے میں عجیب و غریب باتیں کہیں، چنانچہ شیکسپیئر نے کہا کہ بچے کے لئے سب سے اچھی جگہ ماں کی گود ہوتی ہے، اگرچہ بچے کی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ ملٹن نے کہا کہ آسمان کا بہترین تحفہ انسان کے لئے ماں ہے۔ نادر شاہ نے کہا کہ مجھے پھول اور ماں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، لہٰذا جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کے ہونٹوں کے جو تبسم اور اس کی آنکھوں میں جو شکر کے آنسو ہوتے ہیں، وہ اس کی عظمت اور تواضع کی دلیل ہوتی ہے۔

(انتخاب:......آمنہ لیاقت علی، کمالیہ)

☆......☆......☆

رحمتوں کی کہکشاں میری ماں

یہ کامیابیاں، عزت، یہ نام تم سے ہے　　خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے
تمہارے دم سے ہیں میرے لہو میں کھلتے گلاب　　میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
کہاں بساط جہاں اور میں کم سن نادان　　یہ میری محبت کا سارا اہتمام تم سے ہے

سب سے بہترین، سب سے عظیم اور سب سے حسین ترین لفظ ماں ہے، ماں سب کچھ ہے غم کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں امید کی کرن درد بھرے لمحات میں تسکین کا مرہم، افلاس کی شب میں آس کی شمع، عظمت کا مینار، سکون وعافیت کی دنیوی جنت کا حسین باب، رحمت وشفقت وعاطفت کا منبع، وہ مقدس ہستی جس کے چہرے پر ایک نگاہ محبت حج بیت اللہ کا درجہ رکھتی ہے، جس کے قدموں تلے جنت، انسانی رشتوں ناطوں میں سب سے ٹھنڈا اور میٹھا رشتہ ہے، ماں یہ ایسا معتبر وخالص رشتہ ہے کہ جو ہر کھوٹ سے پاک سچا اور کھرا ہے، انسان جب دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو جس وجود کو اپنے قریب پاتا ہے، جس ہستی کو اپنی خدمت میں مصروف پاتا ہے، وہ یہی ماں کی ہستی ہے، ماں ہی اپنی اولاد کے لئے مہر و وفا کی تصویر ہے، ماں کی بے قراریاں اس کی جانفشانیاں، اس کی قربانیاں ہر زمانے میں مشہور رہی ہے، ہر ماں اپنے لخت جگر، اپنی اولاد کے لئے ایسے ہی بے قرار و بے چین ہو جاتی ہے، جس طرح ننھے اسماعیل کی ماں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہ ہو گئیں تھیں، ذرا یاد کیجئے مکہ معظمہ کی اس وادی ذی ذرع کو، جہاں ایک ماں اپنے ننھے بچے کے ساتھ بے قرار و بے چین تھی، معصوم بچہ بھوک و پیاس سے بے حال ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور اس کی بھوک پیاس اس کی ماں کو تڑپا رہی

تھی، بے بس ماں، مامتا کے جوش میں دیوانہ وار پانی کی تلاش میں صفا و مروہ پر دوڑ رہی تھی، نگاہیں بار بار جد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر اٹھتی تھیں، جب بچے کو بے قرار پاتی تو تپتے پتھروں اور جھلتی ریت کی پرواہ کیے بغیر اپنے نور نظر اور لخت جگر کے لئے پانی کی تلاش میں اپنی رفتار تیز کر لیتیں اور بالآخر ماں کی بے قراریاں دیکھ کر رب کو رحم آ جاتا ہے اور پانی کا چشمہ ابل پڑتا ہے۔ ماں ہی وہ ہستی ہے جو اپنے پہلو میں اپنی اولاد کے حق میں سب سے پرخلوص دل رکھنے والی ہے، جب صادقہ کی پوری پوری تابانیاں اس کے سینے میں آباد ہیں، اس کے سینے میں عشق و دیوانگی کی وہ شمع روشن ہے کہ جس کی چمک اغراض کے تیل سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کا سرچشمہ دست قدرت کی نور سار ضایاں سے کسب ضیاء کرتا ہے، ماں کا وجود ہر جاندار کی صورت میں صدق و وفا کا محور ہے، ماں چرند کی شکل میں ہو یا درند کی، اس کا بال بال مہر و وفا سے گندھا ہوا ہے، اس کا ہر جذبہ صادق اور اس کا ہر روپ رحمت ہے، سرتاپا اولاد کے لئے یہ محبت کا محور ہے، ننھی منی سی چڑیا جو اپنے ننھے منے سے بچوں کی ماں ہے کس طرح اپنی اولاد کے لئے دانہ کی تلاش میں اپنے گھر سے نکلتی ہے جہاں دانہ پاتی ہے اپنی چونچ میں دبائے اپنے بچوں کے کھلے ہوئے منہ میں ڈال دیتی ہے، کس طرح یہ ننھی سی جان اپنے بچوں کے لئے مشقت برداشت کرتی ہے، پھر وہ مرغی دیکھئے جو اپنے ننھے چوزوں کو اپنے پروں تلے لئے پھرتی ہے سارا دن انہیں ساتھ لئے دانہ تلاش کرتی ہے اور پھر کس طرح ان کی حفاظت کرتی ہے، غرض ماں جس جنس کی بھی ہو، اس کی شفقت و جانثاری بے نظیر ہے، اس کی بے لوث خدمت، اس کی بے ساختہ دعائیں، اس کی بے غرض محبت، بھلا کہاں کسی اور رشتے میں پائی جاتی ہے، قدرت نے ماں اور بچے کے درمیان ایک عجیب سا رابطہ و تعلق قائم کر دیا ہے، ماں کی گود میں اس کے محبت بھرے ہاتھوں کے لمس اس کے چہرے پر سجی میٹھی مسکراہٹ اور اس کے شفقت بھرے قلب میں ہی بچہ کے لئے راحت و آرام کا سامان ہے، بچہ جس طرح اپنی ماں کی تھپکی سے سرور و فرحت حاصل کرتا ہے، وہ غیر ماں کی آغوش میں کہاں ہو سکتا ہے، روتا بلکتا بچہ کس طرح اپنی ماں کی محبت بھری گود میں آ کر مسرور و شاد ماں ہو جاتا ہے، مامتا کا جذبہ ماں کے دل میں خالق کائنات کی طرف سے ایک وہبی عطیہ ہے، جس کے حصول کے بعد ماں کا مرتبہ حقوق العباد میں بہت ہی بلند ہو جاتا ہے اور اسے منصبی شرف نصیب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔“ دنیا میں ہر شخص نے ماں کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا، مختلف الفاظ میں، کسی نے کہا، قدرت نے کائنات کو حسین ترین اور نایاب تحفہ ماں کی شکل میں عنایت کیا، کسی نے کہا، ماں ایک دعا ہے جو سدا سر پر چادر کی طرح تنی رہتی ہے، کسی نے کہا، ماں کا تصور اور اس کی یاد اور اس کا ذکر دکھوں کی تمازت کو کم کر دیتا ہے، کسی نے کہا، ماں اپنے آنچل سے ہمارے اشک پونچھ کر ہمیں مسکرانا سکھاتی ہے، کسی نے کہا، ماں ایک چھاؤں ہے جس کے پاس ستانے سے زندگی بھر کی تھکن اتر جاتی ہے، کسی نے کہا، ماں ایک ایسی لازوال ہستی ہے، جس کے دم سے یہ کائنات آباد ہے، کسی نے کہا، ماں محبت و شفقت کا روشن مینارہ ہے اپنی اولاد کے لئے۔ ذرا اس واقعے کو، اس منظر کو تصور کی آنکھوں سے دیکھئے، جب ایک شخص دربار رسالتؐ میں حاضر ہوتا اور عرض کرتا ہے، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں سب سے زیادہ نیکی کس سے کروں؟ فرمایا، اپنی ماں سے، پھر اس نے دوبارہ پوچھا، میرے نیک سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیری ماں، اس نے پھر پوچھا کہ پھر کون میرے حسن سلوک کا مستحق ہے؟ فرمایا، تیری ماں، اس نے پھر کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ارشاد مبارک کو بار بار سنا، اب تعلیم فرمائیں کہ اس کے بعد کس سے حسن سلوک کروں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، اپنے باپ سے۔ جی ہاں ماں عظمتوں کا نشان، رحمتوں کی کہکشاں، حیات انسانی کا یادگار عنوان، رفعتوں کی پاسبان، امت کی

نگہبان، رونقِ گلستاں، تربیت گاہ مسلماں، عظیم و بلند تراز آسماں، بے کسوں کے لئے جائے اماں، فرمودات قرآن، ارشادات رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم، ماں جس کے بارے میں اپنے احساسات وجذبات کی ترجمانی سے بڑے بڑے دانشور اور ادیب عاجز وحیران۔

جنت یا دوزخ:...... ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی تیری جنت یا دوزخ ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضگی دوزخ میں۔

حج مقبول:...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو خدمت گزار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کرے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ بڑا ہے۔ ماں کے وجود سے ہی کائنات آباد ہے، اس کے سینے میں اولاد کے لئے وہ شمع محبت روشن ہے، جس سے کائنات کی محبتیں اکتساب ضیاء حاصل کرتی ہیں، ماں کا وجود ہی بچے کی تربیتِ جسمانی کا منبع ومبدا ہے، اگر بچہ بیمار ہو جائے تو ممتا کی ماری ماں ساری ساری رات جاگتی ہے، اسے اٹھائے پھرتی ہے اور اس کی صحت وآرام کے لئے ہر ممکن کوشش کرتی ہے اور اس وقت تک سکون نہیں پاتی جب تک وہ صحت یاب نہ ہو جائے، غرض ماں کے دم قدم سے ہی کائنات آباد ہے، انبیاء بھی اس کی آغوش میں پلے۔

انبیاء بھی اس کی آغوش محبت میں پلے — اولیاء بھی اس کے دست شفقت میں پلے
اتقیاء بھی اس کے دامن عطوفت میں پلے — اصفیاء بھی اس کے احسان و مروت میں پلے
اس کی خدمت سب پر لازم ہے بشر کوئی بھی ہو — اس کی خوشنودی مقدم ہے خطر کوئی بھی ہو

ماں بچے کی پرورش میں خطرات سے گھر تو جاتی ہے مگر کسی خطرے کو بھی خاطر میں نہیں لاتی، ماں کسی کٹیا میں ہو یا شاہی محل میں، پرندے کی صورت میں کسی گھونسلے میں ہو یا چوپائے کی صورت میں، کسی بھی جگہ بندھی ہو، وہ اپنے بچوں سے پیار کرتی ہے اور ان کی پروانہ وار حفاظت کرتی ہے، ہر ماں کے لئے اپنے بچے دنیا کی سب سے قیمتی متاع ہوتے ہیں اور خود سے زیادہ اپنی اولاد کو اہم سمجھتی ہے، ماں کی شفقت وجانثاری کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، ماں ایک ایسی شفیق ہستی ہے کہ جس کی شفقت کبھی تہی دامن نہیں ہوتی، اس کی کرم فرمائیاں لاتعداد ہیں، اس کے احسانات بے شمار ہیں، ماں کی ان بے لوث محبتوں، بے غرض جذبوں، ان گنت قربانیوں، بے مثال وفاؤں کے صلہ میں رب نے ماں کو بڑا اونچا رتبہ ومقام عطا فرمایا ہے اور اسے تمام انسانی رشتوں میں بلند درجہ عطا فرمایا ہے اور خود ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ رب ذوالجلال سے عرض کیا، اے رب مجھے وصیت کیجئے، ارشاد ہوا، میں تمہیں تمہاری ماں کی نسبت وصیت کرتا ہوں، انہوں نے پھر عرض کیا، وصیت کیجئے، ارشاد ہوا، میں تمہیں تمہارے ماں کی نسبت وصیت کرتا ہوں، حتیٰ کہ نویں بار ارشاد ہوا، میں تمہیں تمہارے باپ کی نسبت وصیت کرتا ہوں، اے موسیٰ جو اپنی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، دنیا میں اس کا ولی رہتا ہوں اور اس کی قبر میں مونس رہتا ہوں اور حشر میں اس پر مہربان ہوتا ہوں اور پل صراط پر اس کا رہنما بنتا ہوں اور جنت میں اس سے گفتگو کرنے والا بنتا ہوں کہ وہ مجھ سے بلاواسطہ باتیں کرے گا اور میں اس سے باتیں کروں گا۔

دو ماؤں کا جھگڑا:...... دو مائیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں ایک بچہ لئے حاضر ہوئیں، ایک کہتی تھی، یہ بچہ میرا ہے، دوسری کہتی تھی کہ یہ جھوٹ بولتی ہے، یہ بچہ تو میرا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خداداد علم وفضل

سے ان کے سامنے ایک فیصلہ پیش کیا، جس سے حقیقی ماں کا فوراً پتہ چل گیا، آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ ماں اپنے بچے کی محبت میں دیوانی ہوتی ہے اور بچے کے لئے نرم وشفیق دل رکھنے والی ہوتی ہے، چنانچہ آپ نے دونوں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ اس بچے کو دو برابر ٹکڑوں میں کاٹا جائے اور تم دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا جائے، جھوٹی دعوے دار عورت یہ سن کر خاموش ہو گئی، گویا اسے منظور تھا کہ بچے کے دو ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیئے جائیں، لیکن دوسری عورت جو سچی اور حقیقی ماں تھی، یہ بات سن کر اس کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، چلا کر غرض کرنے لگی کہ حضرت میں اپنے دعوے سے باز آئی، بچہ اس عورت کے حوالے کر دیں، میرے پاس نہ رہے گا، نہ سہی زندہ تو رہے گا، یہ سن کر حاضرین عدالت فوراً سمجھ گئے کہ یہی حقیقی ماں ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ:...... ماں کی محبت کی بے لوث ممتا کا کس طرح مظاہرہ ہوتا ہے، کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بہت صالح نیک وپاکباز عبادت گزار خاتون تھی، خدا کی قدرت اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا، اس کا ایک بیٹا تھا، اس عورت نے اپنے بچے کی بہت اچھی طرح پرورش کی، اسے ناز ونعمت سے پالا، اچھی تعلیم دلوائی اور اپنی ممتا اس پر نچھاور کر ڈالی، اس کی زندگی کا محور اس کا یہ بیٹا تھا، وقت گزرتا گیا اور اس کا بیٹا جوان ہو گیا اور اس قدر صالح وپرہیز گار تھا کہ بستی کا ہر شخص اس سے خوش تھا اور ہر شخص کی نظر میں اس کی عزت تھی، حالات کا پانسہ پلٹا اور وہ نوجوان دیہات سے شہر جانے لگا اور برے لوگوں سے دوستی کر بیٹھا اور پھر عریانی وبے حیائی کا مظاہرہ کرنے والی عورتوں سے تعلقات جوڑ لئے اور پھر دیہات میں موجود اپنی بوڑھی ماں اور وہاں کی پرمسرت زندگی کو خیرباد کہہ کر شہر کی مسموم فضا میں اپنا ڈیرہ ڈال دیا اور اس کے اوباش دوستوں نے اسے راہ حق سے ہٹا دیا۔ ماں ہر وقت مصلے پر بیٹھی دعا کرتی، جب کبھی بیٹا گھر آتا تو ماں، جو پیسے مزدوری سے کماتی، ان سے اپنے بیٹے کو گھی لے کر دیتی اور مزے دار چیزیں بنا کر دیتی اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتی جو اولاد والدین کا دل دکھاتے ہیں، اپنی ماں کی بے لوث محبت کو ٹھکراتے ہیں، وہ ازلی بدبختی کا شکار ہو جاتے ہیں، اس نالائق کے ساتھ بھی ایسا ہوا کہ کافی عرصہ ہو گیا، وہ ماں سے ملنے نہ آیا، ماں جو اپنے بچے کے لئے بے قرار وبے چین تھی، اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی، جب بھی کوئی بچہ اس کے دروازے کو کھٹکھٹاتا، وہ دوڑ کر جاتی اور کہتی، میرے بیٹے تم آ گئے، میرے بچے تم نے اتنی دیر لگا دی، جب معلوم ہوتا گلی میں کسی بچے نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا تو پھر مصلے پر جا بیٹھتی اور رونا شروع کر دیتی، روتے روتے اس حرماں نصیب ماں کی بینائی بھی چلی گئی، ادھر جب اس کے بیٹے کے پاس کچھ نہ رہا تو اس کے اوباش دوستوں نے اس سے بچھا نے چھڑانے کا فیصلہ کیا اور اس بے حیا عورت نے اس سے کہا، میرے لئے اپنی ماں کا دل نکال کر لاؤ، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح وہ بیٹا اپنی ماں کا دل نہ لا سکے گا اور اس کی جان اس سے چھوٹ جائے گی، بھلا کبھی اولاد بھی اپنی ماں کو مار سکتی ہے، مگر وہ نوجوان نفس وشیطان کے ہاتھوں اندھا ہو چکا تھا، اس نے خنجر لیا اور گاؤں کی جانب چل دیا، جب یہ بدنصیب اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو آواز دی، ماں فرحت وخوشی سے دوڑتی دروازے پر آئی، بیٹے کو اندر لائی، اس کا منہ، سر چوما اور اسے ممتا کی پیاس بجھانے کے لئے سینے سے لگایا، اس بدبخت نے خنجر نکالا اور ماں کے سینے پر مارا اور ممتا سے بھرا دل نکالے چل دیا، آسمان پر اندھیرا چھا گیا، اللہ کا عرش ہل گیا، فرشتوں نے دہائی دی کہ ظلم کی انتہا ہو گئی، جب یہ اس فاحشہ عورت کے گھر پہنچا اور اس کے سامنے ماں کا دل رکھا تو اس کا دل بھی کانپ اٹھا اور کہنے لگی، جب تو اپنی ماں کے ساتھ ایسا ظلم کر سکتا ہے جو تجھ پر اپنی جان نچھاور کرتی تھی تو نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا، اس لئے اے بدبخت یہاں سے نکل جا، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، وہ گرا اور مر گیا، ماں کا دل اس کے ہاتھ سے چھوٹا، دل اس عورت کے کمرہ میں پڑی

چھڑی پر پڑا، ماں کا دل پھٹا، ماں کے دل سے صدا نکلی، اے میرے بیٹے! کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔ ذرا سوچئے ماں کا دل کس طرح اپنی اولاد کی محبت سے لبالب بھرا ہوتا ہے، کئی دنیا کا ایسا پیمانہ نہیں جو ماں کی ممتا کو تول سکے، جو اس کی محبت کو ناپ سکے، ماں کا دروازہ، وہ دروازہ ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا، ماں کے دل کی صدا اپنی اولاد کے لئے وا رہتی ہے، کیونکہ اولاد اس کی آنکھوں کا تارا، اس کے دل کا سرور ہوتی ہے، یہ وہ ہستی ہے جو کبھی اپنی اولاد سے بے وفائی نہیں کرتی، ماں کی محبت سمندر سے گہری موجوں سے زیادہ جوشیلی ہوتی ہے، ماں کا دل اتنا وسیع ہوتا ہے کہ ساری کائنات اس میں سما جائے، اللہ نے اس پیاری ہستی کی زندگی میں مہربانی ومحبت کا خمیرہ خاص طور پر شامل کر دیا ہے، محبت شفقت، خدمت خلوص، احسان جانثاری بذل وایثار اور جنوں ودیوانگی کا نام ہے ماں، اس پیکر الفت ومحبت صبر ووفا کی عظمت کو سلام پیش کریں اس کا احترام کریں، اس سے محبت کریں، خدمت واطاعت کریں تا کہ ہم پر خدا کی باران رحمت برس پڑے، ہم اس کی دعاؤں کے ثمرات سے مالا مال ہو جائیں، اس نعمت خداوندی کی قدر کریں، خود رب نے بہت لطیف اور باریک انداز میں ہمیں اس کے حقوق سمجھائے ہیں، خالق کے فرمان کو فراموش نہ کریں بلکہ اس کے ہر حکم کو سر آنکھوں پر اٹھائیں، ماں اپنے نافرمان بچوں کے لئے بھی سراپا رحمت ہے، اس نعمت عظمیٰ کا احساس کیجئے، ان شاء اللہ جنت اور ماں باپ کے فرمانبردار کے درمیان ذرہ بھر بھی فاصلہ نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری ماؤں کو اپنے رحمت کے سائے تلے رکھے، ہمارے والدین کو ٹھنڈی میٹھی نعمتوں، راحتوں والی جنت کا ٹھکانا نصیب فرمائے اور ہمیں ان کا فرمانبردار، اطاعت گزار، ان سے محبت وشفقت کرنے والا بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کے احترام اور خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(انتخاب:...... عمارہ جمیل، شادن لنڈ)

☆......☆......☆

اطاعتِ والدین میں اصول

☆...... علامہ شامی نے والدین کی اطاعت کے متعلق ایک اصول بیان کیا ہے کہ اگر والدین فرض یا واجب چیز کو چھوڑنے کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت کرنا جائز نہیں (مگر بدتمیزی بھی نہ کی جائے اور نہ بحث، بلکہ موقع دیکھ کر ان کو محبت سے، پیار سے راضی کر لے اس کام پر) اور اگر والدین سنت مؤکدہ چیز کو ترک کرنے کا حکم دیں تو کبھی ان کی بات مان لی جائے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے فعل پر توبہ واستغفار کرے اور کبھی ان کی بات نہ مانے، اور اگر وہ کسی نفل یا سنت غیر مؤکدہ چیز کو ترک کرنے کا حکم دیں تو ان کی اطاعت کرنا لازم وضروری ہے۔

ماں کی خدمت

☆...... ماں وہ عظیم ہستی ہے جو اپنی اولاد کے لئے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جاتی ہے، اولاد بیمار ہو جائے تو ماں کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے، کبھی دوا پلاتی ہے، کبھی سر دباتی ہے، کبھی اولاد کو بیماری میں مبتلا دیکھ کر خود چھپ چھپ کر آنسو بہاتی ہے اور اس کی صحت یابی کی دعائیں کرتی ہے، بلا وجہ دعائیں دینے والی ہستی ماں ہی تو ہے، مانگتی نہیں کچھ اپنے لئے اللہ سے، اپنے بچوں کے لئے دامن پھیلاتی ہے، اولاد کے واپس گھر آنے میں تھوڑی دیر ہو جائے تو بار بار دروازے کے چکر لگاتی ہے، کبھی سوچا کہ ہم اپنی ماں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ اللہ رب العزت نے تو ماں کے

حقوق کا اتنا خیال رکھا کہ قرآن مجید میں اپنے حق کو بیان کرنے کے بعد ماں کے حق کو بھی بیان فرما دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں تکلیف پہنچانے کے لئے اُف سے چھوٹا کوئی کلمہ نہیں، اگر ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہی بیان کر دیتے اور ہماری حالت یہ ہے کہ اُف تو کیا بڑی بڑی باتیں ماں کو کہہ دیتے ہیں اور معافی مانگنا تو دور کی بات ہے، اپنے فعل پر ندامت بھی محسوس نہیں کرتے، وہی ماں جو گھر کی ملکہ ہونے کے باوجود مخدوم بننے کے ہماری خادمہ بنی رہتی ہے ہم ان کی کتنی خدمت کرتے ہیں؟ کتنی باران کے پاؤں دبائے؟ کتنی باران کے سر میں تیل ڈالا؟ کتنی باران کے لئے دو رکعت پڑھ کر ایصال ثواب کیا؟ کتنی باران سے نرم لہجے میں آہستہ آواز میں بات کی؟ والدین کی خدمت کا صلہ تو ہم نہ دنیا میں دے سکتے ہیں، نہ آخرت میں، لیکن کوشش تو کر سکتے ہیں نا، اور ان کی خدمت کر کے جنت کے راستے تو اپنے لئے آسان کر سکتے ہیں، ماں کے فرمانبردار پر دنیا میں رزق کی فراوانی ہوتی ہے اور عمر میں برکت بھی ہوتی ہے اور جو ماں کی خدمت کرتا ہے، اس کی خدمت کی جاتی ہے، ہر عظیم انسان نے اپنی والدہ کی ضرور خدمت کی ہے، مولانا مفتی اعظم محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ جیسے عظیم انسان اپنی والدہ کے پاؤں دباتے تھے، حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین رحمہ اللہ اپنی والدہ کے ساتھ کھانا نہ کھاتے تھے۔ لوگوں نے کہا، آپ اتنے نیک انسان ہونے کے باوجود اپنی والدہ کے ساتھ ایک برتن میں کھانا نہیں کھاتے، کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ میری ماں کو کوئی چیز اچھی لگے اور میں اس چیز کو کھا کر نافرمان ہو جاؤں، یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ انسان اپنی کوشش سے وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا، جو رفعتیں ماں کی دعاؤں سے اسے حاصل ہو جاتی ہیں، ماں باپ کے چہرے پر محبت کی ایک نظر ڈالنے سے عمرہ اور حج کا ثواب مل جاتا ہے اور ''الجنۃ تحت اقدام الامھات'' جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ ایک مرتبہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی والدہ کے قدم چوم لئے، ماں نے کہا، یہ کیا کیا؟ فرمایا، اپنی جنت کو چوم رہا ہوں، اگر ہم دنیا میں ہی جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو دیر کس بات کی؟ آج ہی سے اپنی ماں کی جانی ومالی خدمت شروع کر دیں، ان کو خوش رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت نکل جائے اور بعد میں پچھتانا پڑے۔ کیونکہ

کوئی ان سے پوچھے جن کی مر جاتی ہے ماں
پیار کہتے ہیں کسے اور ممتا کیا چیز ہے

(انتخاب:...... بنت تنویر حسین، جامعہ بنوریہ عالمیہ للبنات، کراچی)

ماں بڑے لوگوں کی نظر میں

☆...... ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ (حدیث نبویؐ)
☆...... ماں میری دنیا کی عظیم ترین ہستی ہے۔ (ظہیر الدین بابر)
☆...... ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ (مولانا حالی)
☆...... مضبوط ارادے ماں عطا کرتی ہے۔ (شیکسپیئر)
☆...... ماں کی دعا میری کامیابی کا راز ہے۔ (ہٹلر)
☆...... ماں کی آغوش انسان کی پہلی درس گاہ ہے۔ (ارسطو)
☆...... ماں کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (اورنگ زیب عالم گیر)
☆...... ماں اور پھول میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ (نادر شاہ)

(انتخاب:...... روبینہ ناز، کراچی)

والدین کے حقوق، قرآن وحدیث کی نظر میں

☆......والدین کے حقوق ایک ایسا فرض ہے، جو تمام امت مسلمہ پر لازم ہے، اس سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے کہ "تیرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اف بھی مت کہو اور ان پر خفا نہ ہو اور ان کو نہ جھڑکو اور ان سے ادب، عزت اور نرم لہجے میں بات کرو اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے بچھا دو اور کہو، اے پروردگار ان کی کمزوری میں ان پر ایسا ہی رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے مہربانی سے پالا پوسا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

اس وقت معاشرہ جن برائیوں اور خرابیوں میں مبتلا ہے، ہر شخص اس کے مذموم اثرات سے پریشان ہے۔ ہر شخص پرانے وقتوں کی بات کر کے ان کے محاسن اور ان لوگوں کو یاد کر کے خون کے آنسو بہاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ کاش پرانے لوگوں کا وہ اخلاق اور حسن معاشرت پھر سے لوٹ آئے اور موجودہ معاشرہ انہی خوبیوں اور محاسن سے آراستہ پیراستہ ہو جائے، اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معاشرے کی بے راہ روی خود پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس میں معاشرے کا اپنا عمل دخل ہے، اگر مسلمان اپنے بچوں اور بچیوں کو اس تعلیم و تربیت سے آراستہ رکھتے جو ہمارے بڑوں نے اپنی اولاد کو دی تھی تو یقیناً آج ہمارے معاشرے میں وہ برائیاں جڑ نہ پکڑتیں، جنہوں نے آج ہمیں پریشان کر رکھا ہے، میرے خیال میں آج بھی ان تمام امراض کا علاج موجود ہے، بشرطیکہ امت مکمل طور پر قرآن و سنت کے دارالشفاء کی طرف واپس چلی جائے، اگر اس بات پر محنت کی جائے تو قرآنی دارالشفاء میں آج بھی وہ دوا موجود ہے جو تمام برائیوں کو جڑ سے اکھیڑ سکتی ہے، قرآن و سنت کا مطالعہ، بچوں کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت و پیروی کے بعد والدین کی عزت و احترام کی بہت سختی سے تاکید کرتا ہے کیونکہ والدین بچوں کی تعلیم اور تربیت کا پہلا مدرسہ ہوتے ہیں اور وہی دینی اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں، اس آیت کریمہ میں اللہ نے اولاد یعنی معاشرے کے فرزندوں کو چھ باتوں کا حکم دیا ہے:

(۱)......خدا کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
(۲)......ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔
(۳)......اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اف بھی نہ کہو۔
(۴)......اور نہ جھڑکو ان دونوں کو۔
(۵)......اور ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے بچھا دو۔
(۶)......اور کہو دائے پروردگار تو ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور پوسا ہے۔

آداب والدین کو چھ دفعات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱)......یہ کہ والدین سے احسان کرو، یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، جہاں اپنے بیوی، بچوں کے لئے اچھی خوراک و پوشاک کا اہتمام کرو، وہیں والدین کے لئے بھی اسی طرح کا اہتمام کرو، سفر حضر میں، رہن سہن میں، کھانے پینے میں، علاج معالجے میں، تہذیب و تمدن میں، غرضیکہ ہر شعبہ زندگی میں اپنی پسند اور آرائش پر والدین کی پسند اور خوشی کو ترجیح دیں، انہیں ہر حال میں خوش رکھیں۔

دوسری بات یہ کہ والدین کے بڑھاپے میں انہیں اُف تک نہ کہو، کیونکہ والدین کا بڑھاپا اور اولاد کی جوانی کا جوبن اور اس کی اکڑی ہوئی گردن اس وقت کسی کو کام میں نہیں لاتی، قرآن مجید نے اس کڑیل جوان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ کبھی تجھ پر بھی یہ وقت آ سکتا ہے اور والدین سے تیری یہ ترش روی تجھے بھی اس مقام پر پہنچانے والی ہے، اگر تو اپنی اولاد سے احترام کروانا اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچنا چاہتا ہے تو اپنے والدین کو اف بھی نہ کر، کیونکہ بڑھاپے میں ان کا چڑچڑاپن اور کم قوت برداشت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم نے اپنی اولاد کو جو تعلیم، عزت، دولت اور جوانی دی ہے، اس کا ہمیں بہترین صلہ ملنا چاہئے، اگر والدین نے تمہیں سخت، سست بھی کہہ دیا تم انہیں اف کہو نہ ہی اونچی آواز سے بولو، کیونکہ انہوں نے اپنی جوانی کی بہاریں لٹا کر تمہیں پالا پوسا اسی لئے قرآن نے اولاد کو اس ضابطے کا پابند کر دیا ہے۔

تیسری دفعہ میں اولاد کو اس تلخی سے روکا گیا ہے، جب وہ عالم عنفوان شباب مستی میں والدین سے روا رکھتی ہے کیونکہ اولاد کی مرضی کے خلاف کی گئی والدین کی معمولی سے بات پر یہ اکڑی گردن والے فرزند والدین کو وہ جلی کٹی سناتے ہیں کہ الامان والحفیظ، دنیا جہاں کی مغلظات، بیہودہ بکواس اور قلب و جگر کو جلا دینے والی گفتگو کے سامنے اس کے والدین بے بسی کی تصویر بن جاتے ہیں کہ ان کا وجود سراپا التجاء اور بے روح نظر آتا ہے اور ٹوٹے ہوئے دلوں سے بے ساختہ دھواں نکلتا ہے کہ اے اللہ مجھے اس رسوائی سے بہتر ہے کہ موت دے دے، بوڑھے والدین کو اولاد کی ڈانٹ ڈپٹ سے روکنے کے لئے قرآن نے اس دفعہ کو نافذ کیا کہ دیکھنا والدین کے ساتھ بدتمیزی، زبان درازی، ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکنا وغیرہ ان کے دل کو توڑ کر کہیں عرش عظیم کو ہلا کر نہ رکھ دے اور تمہارے تمام غرور خاک میں مل جائیں اور ہر دروازے سے تم پر اوئے توئے ہونے لگے اور تم مارے مارے پھرو، اسی لئے خبردار کیا کہ والدین کو جھڑکنا نہیں۔

چوتھی بات یہ کہ والدین سے عزت، احترام اور ادب سے گفتگو کرنا اس چوتھی دفعہ میں ادب کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، کہیں کوئی تیز بات والدین کے دلوں کو زخمی کر دے، ان سے آداب گفتگو مہذب، بااخلاق اور شیریں ہونا چاہئے، جیسا کہ ابراہیمؑ نے قرآن مجید میں ہر جگہ اپنے مشرک باپ کو "اے میرے پیارے ابا جان" کہہ کر مخاطب کیا۔ پانچویں بات یہ کہ ان کے لئے اطاعت کا بازو محبت سے پھیلا دے، یعنی ان کے احکامات کے سامنے سراپا محبت و اطاعت بن جا، ان کے لئے تیرا ہر عمل خوشی کا باعث بن جائے اور تیرے کسی عمل سے ان کو دکھ اور تکلیف نہ پہنچے۔

چھٹی بات یہ کہ والدین کے لئے دعا کرتے رہنا، اولاد کے حقوق و فرائض کی اس دفعہ میں قرآن مجید اس بات پر زور دے رہا ہے کہ اگر تمہارے والدین دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں تو ان کے لئے مغفرت اور اگر زندہ ہیں، تو حسن خیر کی دعا کرتے رہنا، بعد از مرگ ان کے لئے ایصال و ثواب اور صدقات جاریہ کا اہتمام کرتے رہیں تا کہ ان کی قبر روشن ہو اور آخرت میں سکون اور چین نصیب ہو۔

کما ربیانی صغیرا:......قرآن حکیم کے ان کلمات نے عجیب ہی سماں باندھ دیا، اس میں اولاد کو اس کا بچپن یاد دلایا گیا ہے کہ دیکھ تو پورے کا پورا والدین کا مرہون منت ہے، وہ اس طرح کہ تمہیں بھوک لگتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا۔ تمہیں پیاس لگتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا۔ تمہیں سردی و گرمی لگتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا۔ تمہیں بیماری لاحق ہوتی تھی تو رحم والدین کو آتا تھا اور اب تمہیں والدین کے بڑھاپے کے وقت رحم و شفقت کا رویہ اختیار

کرنا چاہئے کیونکہ والدین تمہارے محسن ہیں اور والدین تمہاری تربیت کے لئے شب و روز زندگی کا قیمتی حصہ صرف کر چکے ہیں۔ خداوند قدوس سے دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ جس طرح انہوں نے بچپن میں ہماری پرورش کی، ہم اس کا صلہ نہیں دے سکتے، اب آپ ہی اپنی ذات کریم سے ان پر رحمت و شفقت کا دروازہ کھول دیں۔ گویا بتایا گیا ہے کہ انسان تو اپنے والدین کی خدمت کا حقیقی صلہ نہیں ادا کر سکتا، بہتر ہے کہ تو اسے اپنے خدا کے سپرد کر دے تاکہ وہ اپنی رحمت کے خزانوں کو تیرے والدین پر نثار کر دے۔ سبحان اللہ

(انتخاب:......سیدہ اقراء صدیقہ)

☆......☆......☆

پیاری ماں

☆......ماں دنیا کی وہ ہستی ہے، اگر وہ ہو تو خوشی اور اگر نہ ہو تو غم، ماں اللہ کا بہت بڑا تحفہ ہے، ماں کی قدر کرنی چاہئے اور ان سے پوچھو، جن کی ماں نہیں ہوتی کہ ماں کی قدر کیا ہے، ماں کے بغیر گھر، گھر نہیں لگتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ کے پاس ایک شخص آیا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا، اس کے معاف کروانے کی کیا صورت ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا کہ تیری ماں ہے، تو اس نے کہا، جی، آپ علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو اس کی خدمت کرے گا تو تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کی بہت اہمیت ہے، لیکن آج ہمارے معاشرے میں ماں کی کوئی اہمیت ہی نہیں، کسی کو کوئی خیال نہیں ہے کہ ہماری ماں کس حال میں ہے، ماں کی قدر ان لوگوں کو زیادہ ہوتی ہے جن کی ماں نہیں ہو، اس طرح جب تک ماں ہوتی ہے تو باپ بھی اپنے بچوں کا خیال کرتا ہے، ان کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے اور جیسے ہی ماں کا انتقال ہو جائے باپ کو کوئی فکر نہیں ہوتی، وہ خود تو دوسری شادی کر لیتا ہے اور پھر اپنی اولاد کی کوئی فکر نہیں اور خاص طور پر سب سے زیادہ ماں کی ضرورت بیٹی کو ہوتی ہے، کیونکہ بیٹی جو باتیں اپنی ماں کو کہہ سکتی ہے وہ باپ کو نہیں کہہ سکتی ہے اور اسی طرح ماں اپنی اولاد کو جو کچھ مرضی کہہ دے اولاد اتنا غصہ نہیں کرتی، اگر کوئی اور کہہ دے تو بہت غصہ آتا ہے اور اس کو بہت دکھ ہوتا ہے، کیونکہ ماں تو ماں ہے کہ ماں کے غصے میں بھی مٹھاس ہے۔

بڑی مدت سے نہیں سوئی میری ماں تابش ‏ اک بار کہا تھا ماں مجھے ڈر لگتا ہے
کون سی چیز ہے جو یہاں نہیں ملتی ‏ سب کچھ مل جاتا ہے لیکن ماں نہیں ملتی

(انتخاب:......بنت لال زرین)

☆......☆......☆

آغوشِ مادر سے محروم

☆......"ماں کی خوبی بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں ماں کی تعریف کن الفاظ میں بیان کروں۔ ماں وہ ہستی ہے کہ جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا: الجنة تحت اقدام الأمهات کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، ماں وہ ہستی ہے کہ جس کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے، جس کے بغیر گھر ویران لگتا ہے، ماں وہ ہستی ہے کہ اگر اولاد کو تکلیف ہو تو اس سے پہلے ماں کے منہ سے آہ نکلتی ہے، ماں وہ ہستی ہے کہ جو اپنی اولاد کے

لئے اور اپنی اولاد کی خوشیوں کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے، لیکن میری زندگی کچھ اس طرح ہے کہ مجھے ماں کی محبت و شفقت نصیب نہیں ہوئی، جب میں چھوٹی بچی تھی تو میری ماں کا انتقال ہو گیا، میری ماں کے انتقال کے وقت ہم چھ بھائی بہن تھے، پانچ بہنیں اور ایک بھائی اور ہماری زندگی کیا ہے، ہم بچپن میں الگ ہو گئے، تین ایک تایا کے گھر اور تین دوسرے تایا کے گھر اور ہمارے والد صاحب نے دوسری شادی کر لی، ہماری ماں اگر زندہ ہوتی تو ہم سب یوں جدا نہ ہوتے، کیونکہ ماں تو ماں ہوتی ہے جبکہ ہمیں تو معلوم ہی نہیں کہ ماں کی محبت کیسی ہوتی ہے، ہمارے والد صاحب کو بھی ہماری فکر نہیں، نہ وہ یہ پوچھتے ہیں کہ تم سب آپس میں ملے ہو یا نہیں، ہماری تمام ضرورتیں تو پوری ہو جاتی ہے مگر ماں جیسی محبت ہمیں کہیں نہیں ملتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ماں کی دعا قبول ہوتی ہے جبکہ ہم تو ماں کی دعا سے محروم ہیں، کہا جاتا ہے کہ ماں کی محبت خالص ہوتی ہے، لیکن جس کی ماں نہ ہو، وہ ماں کی محبت سے ناآشنا ہوتا ہے۔

جب ہمارے کھیلنے کے دن تھے تو ہم نے کام کرنا شروع کر دیا، یہ ہمارا بچپن تھا، اگر ہماری ماں ہوتی ہے تو ہمیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیتی اور یوں بکھرنے نہ دیتی، ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری والدہ کے انتقال کے بعد ہمارے والد صاحب نے شادی کیوں کی، مگر انہیں ہم سب کو اپنے ساتھ تو رکھنا چاہئے تھا، میری سب سے چھوٹی بہن جس کے ابھی کھیلنے کے دن ہیں، مگر وہ سارا سارا دن کام میں لگی رہتی ہے، میں جب اس کو دیکھتی ہوں تو مجھے ماں یاد آ جاتی ہے کہ اگر ماں زندہ ہوتی تو شاید یہ اس طرح سے دوسروں کے کاموں میں الجھی ہوئی نہ ہوتی۔ ماں کے بغیر کیا زندگی ہے۔ ضرورت پوری کرنا کوئی خاص بات نہیں، اصل تو پیار دینا ہے، اس طرح تو ہماری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں مگر بعض اوقات ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں جس سے ہمیں بہت تکلیف ہوتی ہے، پھر ہمیں اپنی ماں بہت یاد آتی ہے اور اس وقت بھی یاد آتی ہے جب میں بیمار ہوتی ہوں، کیونکہ کوئی اتنا پوچھتا ہی نہیں جبکہ ماں پوچھتے پوچھتے تھکتی نہیں، الفاظ ہی نہیں کہ جس کے ذریعے میں اپنے دل کی کیفیت بیان کر سکوں، مگر کچھ بکھرے بکھرے الفاظ سے اظہار مافی الضمیر کر رہی ہوں، جب میں مدرسہ جاتی ہوں تو میں کہتی ہوں کہ کوئی ہو جو مجھے دروازہ تک چھوڑ کر آئے اور کہے بیٹا اپنا خیال رکھنا، مگر افسوس ایسا کہنے والا کوئی نہیں!

آج ہماری ماں نہیں تو ہمیں احساس ہو رہا ہے کہ ماں کیسی عظیم ہستی ہے؟ اگر ہماری ماں ہوتی تو ہم ان کی خدمت کرتے، ان کی دعا لیتے، ہم سب بہن بھائی ایک ساتھ ہوتے، لیکن ہماری ماں نہیں۔ میری آپ سب سے گزارش ہے کہ آپ اپنے والدین خصوصاً ماں کی قدر کریں، کیونکہ ماں کی وجہ سے گھرانہ خوشحال رہتا ہے، ماں کی وجہ سے باپ بھی اپنا ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں ماں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی نافرمانی سے بچائے اور میری والدہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ میری ماں میری جنت ہے۔

کون سی چیز ہے جو یہاں نہیں ملتی ‏ سب کچھ مل جاتا ہے مگر ماں نہیں ملتی
جن کی ماں ہوتی ہے وہ خوش قسمت ہوتے ہیں ‏ جن کی ماں نہیں ہوتی وہ ساری عمر روتے ہیں

(انتخاب:......بنت محمد اشرف، کراچی)

ماں، قدرت کا انمول تحفہ

☆......ماں ایک ایسی عظیم ہستی ہے، جس کے لئے پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث ارشاد

فرمائیں کہ آپ کی والدہ خدمت کی محتاج ہے، آپ کو ان کی خدمت کرنے کی وجہ سے بھی جہاد کا ثواب ملے گا۔ ماں کی فرمانبرداری ایک ضروری اور شرعی امر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے دریافت کیا، میری طرف سے حسن سلوک اور وخدمت گزاری کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، آپ کی ماں، تین بار کے سوال کا جواب آپ نے ماں ہی سے دیا، پھر جب چوتھی بار کے سوال کا جواب آپؐ نے والد سے دیا۔ آپؐ نے ماں کا حق سب سے زیادہ بتایا، اس کے بعد والد کا، پھر عزیز واقارب کا اور ماں ک حق باپ سے تین گنا زیادہ بتایا، کیونکہ بچہ کی پیدائش اور اس کو پالنے میں والدہ کا کردار زیادہ ہوتا ہے، جس کو اللہ نے قرآن کریم میں اس طرح ارشاد فرمایا، پہلے بچہ کی پیدائش، اس کے بعد اس کو دودھ پلانا اور مکمل دیکھ بھال کرنا، یہ تین بڑے مرحلے ہیں جو ماں کو طے کرنا پڑتے ہیں۔

اسی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماں کا حق تین گنا زیادہ بتایا، علماء نے اس حدیث کو مدنظر رکھ کر یہ بات لکھی ہے کہ اگر حقوق کی ادائیگی میں اختلاف ونزاع ہوجائے کہ والد اپنے حقوق کا مطالبہ کرے اور کہے کہ ماں کا حق ادا نہ کرو، میرا ادا کرو تو اولاد پر لازم ہے کہ احترام اور تعظیم میں والد کو مقدم رکھے اور خدمت واطاعت میں ماں کو۔ لیکن آج کل روشن خیالی نے ہمیں اس اندھیرے میں دھکیل دیا ہے کہ ہم ماں کی اطاعت تو کیا ان کو گالیاں دینے سے بھی نہیں کتراتے، حالانکہ ہماری وہ ماں جس نے ہمارے لئے راتوں کو جاگ کر ہماری پرورش کی اور ہماری ہر طرح کی سہولت کا خیال رکھا، ہماری وہ ماں، جس نے ہمارے لئے وہ سب کچھ کیا جو ہمیں اچھا لگے، ہماری ماں جوانی میں دیکھتی تھیں کہ میرا بچہ خوش ہے یا نہیں اور اگر اس کا بچہ خوش ہوتا تو وہ ماں اس سے بھی زیادہ خوش ہوتی۔

لیکن افسوس، آج کل کی نسل ماں کو خوش رکھنا تو دور کی بات ہے بلکہ اسے تکلیف دینے پر تلی ہوئی ہے، کیا یہ نسل ان احادیث مبارکہ کی طرف توجہ نہیں کرتی جس میں یہ بتایا گیا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے، وہ ماں جس نے مشقت برداشت کر کے ہمیں پڑھا لکھایا، صرف اس وجہ سے کہ میری اولاد مستقبل میں اچھی بری چیز کو پہچان سکے اور آج جب ہم پڑھ لکھ چکے، اسی ماں کو جس نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اپنے اچھے یا برے کو جان سکے، اب ہم اسی ماں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جب کہیں اس پیاری ماں کو محفل میں دیکھتے ہیں تو اپنی ماں کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اب آپ ہی بتائیں؟ کہ کیا ہماری عقل اور نظروں پر پردہ نہیں کہ ہم نے جو کچھ پڑھا اور سمجھا، وہ اسی ماں کی بدولت اور انہی کی مرہون منت سے پڑھا، لیکن افسوس! آج کل کی نسل نے ماں کی قدردانی کو چھوڑ دیا۔ بس میں اپنی تحریر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ماں جیسی انمول موتی کی قدر کو نہ چھوڑیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ایک عظیم تحفہ دیا ہے، کہتی ہوں کہ وہ تحفہ میری پیاری ماں ہے۔

(انتخاب:...... بنت مولانا شفیع اللہ)

☆......☆......☆

رحمت کی برسات، ماں

☆......اولاد کے لئے سب سے بہترین چیز والدین ہیں کہ ہم ان کی خدمت واطاعت اور ان کو خوش کر کے جنت اور اس کی دائمی نعمتیں حاصل کر سکتے ہیں اور سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خود والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کو جھڑکنے سے منع فرمایا ہے،
حدیث شریف میں آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والد کی رضا مندی کے ساتھ ہے اور والد کی

ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔

والدین کو راضی کر کے ہم جنت پا سکتے ہیں، جیسا کہ ایک شخص نے آپؐ سے عرض کیا کہ والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ دونوں تیری جنت ہیں یا تیری جہنم ہے۔ (ابن ماجہ)

جنت ماں کے قدموں تلے ہیں:...... آپؐ نے فرمایا ایک صحابی سے، جو جہاد میں جانے کے لئے آپ سے مشورہ لینے آئے تھے، کیا تمہاری ماں موجود ہے، انہوں نے کہا کہ جی ہاں، آپؐ نے فرمایا کہ جنت تمہاری ماں کے قدموں تلے ہیں۔ یہاں آپؐ نے فرمایا، جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہیں لیکن اس جنت کو پانے کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے، دن رات ماں کی خدمت کر کے ماں کے دعا دینے کے بعد یہ جنت حاصل ہوگی۔

ماں کی نافرمانی کا برا انجام:...... جہاں آپؐ نے فرمایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے، دوسری طرف دیکھیں تو پر جس نے ماں کی نافرمانی کی، اسے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں مل رہی تھی۔

جیسا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریمؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان موت کی کشمکش میں مبتلا ہے، اسے کلمہ پڑھنے کو کہا جارہا ہے، لیکن وہ کلمہ کہنے کی طاقت نہیں پارہا ہے، نبی کریمؐ اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے کہا، کہو لا الہ الا اللہ، اس نے کہا، میں طاقت نہیں رکھتا، آپؐ نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا کہ میرے دل پر قفل لگ گیا ہے، میں جونہی کلمہ پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں، تو میرے دل پر قفل لگ جاتا ہے، آپؐ نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ اپنی والدہ کی نافرمانی کیا کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ماں کو بلا بھیجا، آپؐ نے اس سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر ایک بہت بڑی آگ بھڑکائی جائے، پھر تم سے کہا جائے کہ یا تو اپنے اس بیٹے کے لئے مغفرت کی دعا مانگ لو یا اس کو آگ میں ڈال دو؟ تو تم کیا کرو گی؟ اس نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تب میں اس کے لئے سفارش کروں گی۔ آپؐ نے فرمایا کہ پس تم اللہ کو اور مجھ کو اس بات پر گواہ بناؤ کہ تم اپنے بیٹے سے راضی ہو۔ اس نے کہا کہ اے اللہ! میں تجھے گواہ بناتی ہوں اور تیرے رسول کو کہ میں اس سے راضی ہوں، اس کے بعد آپؐ نے اس نوجوان سے فرمایا: اے نوجوان، لا الہ الا اللہ پڑھو، اس نے پڑھا، لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، آپؐ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے، جس نے تمہیں آتش دوزخ سے نجات دی۔ (الترغیب والترہیب)

ماں اپنی اولاد پر بہت شفیق ہوتی ہے، اولاد کی تھوڑی خدمت کرنے پر وہ خوش ہو جاتی ہے اور ڈھیروں دعائیں دیتی ہے اور ماں کی دعا قبول بھی ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ ماں کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے کو نبی کی رفاقت نصیب فرمائی۔

والدہ کی دعا سے جنت میں نبی کی رفاقت الٰہی:...... سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ بارگاہ الٰہیہ میں درخواست کی کہ میرا جو جنت میں رفیق ہوگا، اگر وہ اس وقت اس دنیا میں موجود ہو تو مجھے اس پر مطلع فرما دیں، تاکہ میں دنیا ہی میں اس سے ملاقات کر سکوں، آپ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ فلاں شہر میں فلاں قصاب ہے، آپ یہ حکم سنتے ہی اس قصاب کے پاس پہنچے تو دیکھتے ہی حیران ہو گئے کہ یہ تو ایک عام آدمی ہے، لیکن اس کا درجہ اتنا بلند کیا گیا ہے کہ جنت میں اس کو میرا رفیق بنایا گیا، نامعلوم اللہ کو اس کا کون سا عمل اتنا پسند آیا، اس کا عمل معلوم کرنے کی خاطر آپ نے اس قصاب سے جو دکان بند کر کے گوشت کا ایک ٹکڑا ساتھ لے کر جارہا تھا، دریافت فرمایا، فلاں شخص تو ہی ہے، اس نے کہا، میں ہی ہوں، آپؐ نے فرمایا، کیا تو کسی کو مہمان بھی ٹھہرلیا

کرتا ہے؟ جواب ملا ہاں اگر آپ میرے غریب خانے پر تشریف لے جانا چاہے تو سرآنکھوں پر، چنانچہ اس قصاب کا عمل معلوم کرنے کے لئے آپ اس کے ساتھ ہولئے۔ گھر پہنچ کر اس نے نہایت بوڑھی والدہ جو چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی، اس کے لئے لذیذ شوربا تیار کیا اور خود والدہ کا منہ صاف کیا اور روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگو کر خود اس کے منہ میں ڈالنے لگا، جب روٹی کھلا چکا تو والدہ کا منہ صاف کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، کھانا کھانے کے بعد وہ بوڑھی عورت کچھ بولنے لگی، حضرت موسیٰ نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، یہ جو آپ نے ہونٹ ہلائے ہیں، اس میں کیا کہا ہے۔ تو اس بوڑھی عورت نے آہستہ سے عرض کیا، یہ میرا بیٹا ہے، ہر روز اسی طرح میری خدمت کرتا ہے، اس کے لئے میں نے پہلے بھی اور ابھی بھی یہ دعا کی کہ اے اللہ! اس کو جنت میں حضرت موسیٰ کی رفاقت نصیب فرما۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں موسیٰ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی مجھے بتادیا ہے کہ آپ کا یہ بیٹا جنت میں میرا رفیق ہوگا، اس لئے میں آپ کے بیٹے کا عمل دیکھنے یہاں آیا ہوں، آپ کو مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی ہے۔

دنیا میں اپنی ماں کی خدمت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قصاب کو نبی کا رفیق بنادیا اور دنیا میں ہی اعلان کردیا۔ نبی کی رفاقت یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے، جسے نبی کی رفاقت مل جائے، اس سے زیادہ خوش نصیب کون ہوسکتا ہے۔ والدہ کی دعا میں بہت تاثیر ہے، والدہ جو دعا کرتی ہے، اللہ اسے قبول فرماتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ کی سوانح حیات میں اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ بچپن میں امام بخاری رحمہ اللہ کی بینائی چلی گئی تھی، ان کی ماں ان کے لئے دعا کرتی رہتی تھی کہ اے اللہ میرے بیٹے کی آنکھوں کی روشنی لوٹادے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کی والدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، وہ فرمارہے تھے کہ اللہ نے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹادی۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹادی تھی۔ سچ بات ہے کہ ماں کی دعا سے کسی کو نبی کی رفاقت ملتی ہے تو کسی کی بینائی لوٹ آتی ہے۔ یہ ماں کی دعائیں ہیں جو بچوں کو سعادت مند بنادیتی ہے، یہ ماں ہی ہے جو جب بھی ہاتھ اٹھادیا کرتی ہے تو اس کی دعا سیدھی عرش پر جاتی ہے، آسمان کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس دعا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا اور رب کے حضور دعا پہنچادی جاتی ہے۔

ماں کی بددعا کا اثر:...... جہاں والدہ کی دعا سے اللہ تعالیٰ کسی کو نبی کی رفاقت نصیب فرماتے ہیں اور کسی کی بینائی واپس لوٹاتے ہیں، وہی ماں کی بددعا سے کسی کا پاؤں کٹ جاتا ہے۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ بہت بڑے عالم دین گزرے ہیں، عربی زبان کے ماہرین کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کی عربی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے والے دنیا میں دو شخص گزرے ہیں، ان میں سے ایک علامہ زمخشری اور ایک علامہ جرجانی رحمہما اللہ ہیں اور یہ دونوں لنگڑے تھے۔ علامہ زمخشری کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا، ان سے پاؤں کے کٹ جانے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ میری ماں کی بددعا کا نتیجہ ہے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے بچپن میں ایک چڑیا پکڑی اور اس کے پاؤں میں دھاگہ باندھ دیا، جس کی وجہ سے چڑیا کا نازک پاؤں کٹ گیا یہ دیکھ کر میری والدہ بہت رنجیدہ ہوئیں اور ان کی زبان سے یہ بددعا نکل گئی، قطع اللہ رجلک کما قطعت رجلہ، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا پاؤں کاٹے، جس طرح تم نے اس کا پاؤں کاٹا۔ فرماتے ہیں، اس بددعا کا اثر یہ ہوا کہ مجھے ایسی بیماری لاحق ہوگئی کہ طبیبوں نے اس کا علاج پاؤں کاٹنا تجویز کیا اور میرا پاؤں

کاٹ دیا گیا، اس دن سے میں لنگڑا ہوں۔ ہمیں اپنی والدہ کی خدمت کرنی چاہئے اور اس کی نافرمانی سے بچنا چاہئے اور ان کی بددعا سے بچنا چاہئے۔

گر ہے جنت میں گھر لینا — ماں کو دکھ کبھی نہ دینا

(انتخاب:...... بنت نور الہدیٰ)

☆......☆......☆

ماں......!

☆......انسانی کتاب کا سب سے شیریں لفظ "ماں" ہے، سب سے عظیم اور سب سے حسین لفظ "ماں" ہے۔ "ماں" کا لفظ امید اور محبت کا ایک رشتہ ہے، دنیا کا وہ عظیم رشتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ماں کے رشتہ جیسا کوئی رشتہ نہیں بنایا۔ "ماں" دل کی گہرائیوں سے پھوٹنے والا شیریں و مشفق لفظ کبھی کچھ ہے۔ "ماں" فقروں فاقہ کی شب میں امید کی شمع محبت رحمت و شفقت کا چشمہ ہے جو ماں سے محروم ہے وہ ہر خوشی سے محروم ہے۔ "ماں" ایک مقدس روح ہے جو ہم پر ہمیشہ محبت و شفقت کے پھول برساتی رہتی ہے۔ "ماں" ایک ایسی ہستی ہے اس کی طرح چاہت کوئی بھی نہیں دے سکتا، یہاں تک والد بھی نہیں، اولاد کتنی ہی نافرمان کیوں نہ ہو، ماں اس کو چاہتی ہی رہے گی۔ اس لئے کہتے ہیں۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ جس شخص کے ساتھ ماں کی دعا ہوں گی وہ کبھی بھی ناکام نہیں۔ "ماں" اولاد کے لئے اپنے منہ کا نوالہ بھی آدھا کرتی ہے۔ "ماں" خود ہر تکلیف مصیبت، غم برداشت کرلے گی مگر وہ یہ نہیں چاہے گی کہ اس کے بچے پر کوئی تکلیف ہو، دنیا میں وہ انسان کامیاب ہے، جس کا پل پل لمحہ لمحہ ماں کی دعاؤں میں گزرتا ہے اسی لئے کہتے ہیں۔ ماں کی دعا جنت کی ہوا جو شخص "ماں" کا نافرمان ہوتا ہے وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوتا اور آخرت بھی اس کی برباد ہوجاتی ہے،

(انتخاب:...... بنت سمیع اللہ)

☆......☆......☆

ماں کا قصور

ایک بہت بڑے ڈاکو کو جرائم کے باعث تختہ دار پر چڑھنے سے چند لمحات قبل کہا گیا کہ کوئی وصیت ہو تو بیان کر؟ اس نے کہا: میری والدہ کو کہہ دینا کہ تیری وجہ سے آج تیرا بیٹا پھانسی پر لٹک رہا ہے، لوگوں نے حیرانی سے دریافت کیا کہ جرم کا ارتکاب خود کیا ہے، الزام والدہ کے سر کیوں کر تھوپ رہا ہے؟

ڈاکو نے کہا: مجھ سے جرائم سرزد ہونے میں میری والدہ کا بہت دخل ہے، میرے بچپن کے زمانے میں میرے والد نے نہانے کے لئے قمیص اتاری، میں نے ان کی جیب سے چپکے سے پانچ روپے نکال لئے، میری والدہ نے میری اس حرکت کو دیکھ لیا، لیکن میری اس غلط کاری پر بجائے تنبیہ کرنے کے ہنس پڑی۔ میں نے اس خطرناک جرم کو فخر محسوس کیا اور دو قدم آگے بڑھ کر دوسروں کی جیبیں صاف کرنے کا عادی ہوگیا۔ یہاں تک کہ چوری قتل وغارت گری کا ارتکاب کرکے اس سزا کا مستحق ٹھہرا۔ اگر شروع ہی سے میری والدہ میری غلط حرکت پر مجھے ٹوک دیتی تو میں یقیناً اگلا اقدام کرنے کی جرأت نہ کرتا۔

(مراسلہ: ام حسنہ فاروقی)



محترم قارئین......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ تمام قارئین خیروعافیت سے ہوں گے اور جون کا "حیا" پڑھ کر جولائی کے شمارے، وہ بھی "ماں نمبر" کے انتظار میں ہوں گے۔ "ماں" ایک ایسا موضوع ہے کہ اس پر لکھنا بہت مشکل ہے۔ "ماں" کہنے کو تو ایک فرد ہے لیکن اپنی ذات میں انجمن سے کم نہیں۔ "ماں" کے تصور کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمتوں، رفعتوں اور رحمتوں کا خیال آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوتِ تخلیق کا کچھ حصہ ماں کو بخش دیا ہے، خطا پر عطا کی صفت دی، اخلاص وایثار دیا، صبر وتحمل عطا فرمایا، محبت کے جذبے سے سرفراز کیا اور ایسا جذبۂ خدمت کہ نہ اس کی حد ہے نہ حساب!...... کتنی ایسی صفات ہیں جو بیان کرتے جائیں، پھر بھی ماں کا تصور تشنہ ہی رہتا ہے...... ممتا کیا ہے؟؟...... اسے ہم محسوس تو کر سکتے ہیں، بیان نہیں کر سکتے، ہاں کچھ ٹوٹی پھوٹی باتیں کہہ سکتے ہیں......

ماہنامہ "حیا" کا "ماں نمبر" پیش خدمت ہے، رسالہ کیسا لگا، اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریئے گا۔ ہمیں انتظار رہے گا۔

مہرافروز مہر

قرۃ العین خالد، جامعہ عربیہ نعمانیہ، کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! میں امید کرتی ہوں کہ پیارے "حیا" کو ہمارے ہاتھوں میں پہنچانے والے تمام لوگ خیریت سے ہوں گے، اللہ عزوجل آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔" (آمین)...... پہلی بار قلم اٹھانے کا حوصلہ بھی مجھے "حیا" نے بخشا ہے، امید ہے کہ حوصلہ افزائی ہوگی تو آئندہ بھی خط لکھتی رہوں گی۔ جمادی الثانی کا "حیا" ہاتھوں میں آیا، ہمیشہ کی طرح منفرد، ٹائٹل بھی زبردست تھا، ہلکے پھلکے پھولوں کے ساتھ۔ نسیم حجازی کا ناول "داستانِ مجاہد" اپنی مثال آپ ہے۔ "گھر کہانی" سہیلہ خاتون کی پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ "کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں" کی آخری قسط بہت اچھی تھی، آخری حصہ پڑھ کر بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ "ختم بخاری" بھی بہت اچھی کہانی تھی۔ ہمارے جامعہ عربیہ نعمانیہ میں بھی دس جون 2012ء کو ختم بخاری کی تقریب تھی، آپ سے اور تمام بہنوں سے التجا ہے کہ ہمارے جامعہ اور اساتذہ کو دعاؤں میں یاد رکھئے گا، میں ثانویہ عامہ میں پڑھتی ہوں اور ماں نمبر کا سن کر خط لکھنے کا دل چاہا، کیونکہ ماں ہمارے پاس قدرت کا حسین تحفہ ہے۔ "گلدستہ حیا" کے لئے کچھ پیش خدمت ہے اور سب سے اچھی کہانی کا ذکر آخر میں "درد آشنا" حمیرا بنت حافظ محمد اکبر راشد بہت اچھی لگی، مگر دکھی۔ اللہ تعالیٰ "حیا" کو مزید ترقی دے اور آپ سب لوگوں کو صحت اور اس نیکی کا اجر دے۔

قرۃ العین بیٹا، حیا کی پسندیدگی کا شکریہ، آپ کا خط شائع ہوگیا، آئندہ ضرور لکھتی رہیے گا۔

☆......☆......☆

شیریں گل، پشاور سے لکھتی ہیں: عزیزی مہرافروز، بہت دعائیں، السلام علیکم! آپ کی اور سب اراکین "حیا"

کی خیریت کے لئے دعا گو ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ شکایت کروں تو کس کی۔ محکمہ ڈاک کی یا "حیا" کے آفس کی؟ مارچ کے "حیا" میں میرا ایک خط چھپا تھا۔ میں ہر ماہ خط لکھتی ہوں بلکہ کچھ نہ کچھ ضرور "حیا" کی نذر کرتی ہوں۔ مگر رسالہ دیکھ کر انتہائی مایوسی ہوئی ہے۔ اس لئے نہیں کہ میرا خط نہیں چھپا بلکہ اپنی اس ساری محنت پر افسوس ہوتا ہے جو میں ایک ایک چیز پر تبصرہ کرتی ہوں۔ اپریل کے شروع میں پورے دو صفحات کا خط لکھا تھا۔ ساتھ میں دو چار چیزیں بھی بھیجی تھیں، اب تو یاد بھی نہیں۔ وہ نہیں چھپا، اس کے بعد ایک خط لکھا اور اس میں ایک "حمد کعبے کی رونق" جلدی میں بھیج دی۔ اب مئی کا "حیا" 10 تاریخ کو ملا، مگر اس میں خط تو نہیں، البتہ وہ حمد جس کے اوپر "نعت" لکھا ہے، چھپ گئی ہے، اب یہ پتہ چل گیا کہ خط تو مل گیا ہے، مگر چھپا نہیں۔ وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ والا خط میں نے صدر جی پی او سے خود پوسٹ کرایا تھا۔ اب جلدی میں یہ خط لکھ رہی ہوں۔ دیکھتی ہوں جون میں چھپتا ہے یا نہیں۔ "حیا" میں دو دن میں ہی شروع سے آخر تک پڑھ لیتی ہوں۔ سرورق سے لے کر آخر تک ماشاء اللہ خوب سے خوب تر ہوتا جارہا ہے۔ بنت مولانا عبدالمجید نے بہت اچھے انداز میں کہانی ختم کی۔ "بہترین ساتھی"، "کرلے جو کرنا ہے" حمیرا شیخ کا "محسن انسانیت" بہترین تحریریں تھیں۔ ممتاز احمد کا قبر کا واقعہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ "فردوس بریں" اختتام پذیر ہوگئی، ان لعنتی قادیانیوں نے کس منظم طریقے سے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہے۔ اب اس وقت ختم نبوت کی تحریکیں چلانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ملت پر رحم فرمائے۔ آمین...... صبا یونس کی "تربیت یا غفلت" بہترین تحریر ہے۔ سودہ کا انداز گفتگو کس قدر نرم اور دلنشین ہے کہ خود بخود دل اس کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ آمنہ بنت لیاقت علی کی "تین باتوں کی قسم" بھی بہت اچھی تحریر ہے۔ مگر ان سب میں ایک چیز جو کھٹکتی ہے، میں اس کی نشاندہی کرتی ہوں۔ بہت اچھا لکھنے والیاں ہیں، میں ان پر تنقید نہیں کررہی، بس چاہتی ہوں کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صرف واحد کا صیغہ استعمال کریں۔ جمع کا نہیں، جیسے صبا یونس نے صفحہ 173 پر "اللہ پاک میری مدد کریں"، صفحہ 168 پر "اللہ پاک تو دیکھ رہے تھے۔" 174 پر "اللہ پاک ناراض ہوجائیں گے۔" اسی طرح صفحہ 179 اللہ مال کی زیادتی فرماتے ہیں۔ "غربت کا دروازہ کھول دیا کرتے ہیں۔" بلکہ کئی جگہوں میں اسی طرح لکھا ہوتا ہے۔ معذرت کے ساتھ یہ کہہ رہی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہم کبھی "تو" کا لفظ استعمال نہیں کرتے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی تو ساری عظمت وتقدیس اس کی وحدانیت کے اقرار میں ہے۔ وہ واحد ہے، احد ہے، وتر ہے۔ ہم اپنی دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کو اس طرح پکارتے ہیں، یا اللہ تو مدد کر، تو ہمارے گناہ معاف کردے۔ آمین۔ امید ہے ان بیٹیوں نے مائنڈ نہیں کیا ہوگا۔ میں تو ایک بوڑھی گھریلو عورت ہوں۔ میرے پاس تو اتنا علم نہیں، نہ میں ان جیسا لکھ سکتی ہوں۔ "حیا" کی تو ساری زینت اپنی لکھنے والوں کے دم سے ہے۔ میں بہت جلدی میں ہوں۔ سب کو میرا پرخلوص سلام۔

شیریں بہن، وعلیکم السلام، آپ کے خط کا ہمیں بھی بھرپور انتظار رہتا ہے، مگر کیا کیا جائے کہ اکثر آپ کا خط ہمیں ایسے وقت ملتا ہے جب رسالہ تیار ہوکر پریس جانے کی تیاری کررہا ہوتا ہے...... امید ہے کہ مائنڈ نہیں کریں گی اور آئندہ جلد خط بھیجنے کی کوشش کریں گی...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ "اللہ تعالیٰ" کے لئے واحد کا لفظ استعمال کیا جائے، جمع کا نہیں، تو پیاری بہن! یہ سب الفاظ، جو آپ نے ذکر کئے، یہ الفاظ جمع کے نہیں، بل کہ ادب کے ہیں اور اس میں کوئی حرج کی بات بھی نہیں۔

☆......☆......☆

محمد یعقوب قریشی، کراچی سے لکھتے ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد ہم عرض کرتے ہیں کہ اللہ

رب العزت اس رسالے کو ترقی کی منازل کی طرف گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین...... پہلی بات یہ بتائیں کہ چند رسائل قبل کے ''حیا'' رسالے میں شیخ اسامہ پر نظم شائع کی گئی، وہ والا ''حیا'' تو مجھے نہیں مل سکا...... پر مہربانی فرما کر یہ بتادیں کہ وہ نظم کن کی تحریر کردہ تھی؟ کیونکہ ہم نے بھی شیخ اسامہ پر نظم آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ دوسری بات یہ کہ اب ہم نے آپ کی خدمت اقدس میں ''دختر پاکستان'' کے عنوان سے مظلوم و بے قصور ڈاکٹر عافیہ صدیقی...... اللہ رب العزت اوران کو حق پر، سچ پر، دین پر اسی طرح استقامت کا پہاڑ بنا کر قائم ودائم رکھے، آمین۔ ان پر نظم ارسال کی ہے، کیا اس کو اس رسالے میں جگہ ملے گی؟ تیسری اور آخری بات یہ کہ ہم نے کافی مرتبہ خاموشی سے کام لیا اور خاموش رہے۔ لیکن آخر بندہ کب تک خاموش رہے۔ اس لئے آج ہمیں اپنی خاموشی کو توڑنا ہی پڑ رہا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ ہر بار میں حیران رہ جاتا ہوں اپنی تحریر کردہ نظموں کے ساتھ ''انتخاب'' کا لفظ لکھا دیکھ کر، آپ ہماری محنتوں پر پانی پھیر دیتے ہیں، صرف ایک ہی لفظ لکھ کر آخر وجہ کیا ہے؟ کیا اس رسالے کو کمپیوٹرائز کرنے والوں کو ''لفظ انتخاب'' بہت ہی اچھا لگتا ہے اور وہ بھی صرف ہم پر ہی تجاد یکھ کر؟؟

محترم یعقوب قریشی صاحب، نظموں اور اشعار کی اشاعت کے لئے ماہنامہ ''حیا'' کا مستقل سلسلہ ''میری پسند'' کے نام سے تھا، جو فی الحال روک دیا گیا ہے، جب تک یہ سلسلہ بحال نہیں ہو جاتا، اشعار اور نظمیں شائع کرنا ممکن نہیں...... جہاں تک آپ کے اشعار کے ساتھ انتخاب کا لفظ لکھنے کا تعلق ہے تو اس پر ہم معذرت خواہ ہیں...... اس غلط فہمی کی وجہ دراصل یہ بنی کہ آنجناب نے اپنے اشعار ایک عام سادہ سے انداز میں لکھ بھیجے، جس طرح دیگر قارئین لکھتے ہیں...... ہمیں کیا معلوم کہ آپ شاعر ہیں یا شاعری کے باذوق قاری...... اگر آپ اپنی تحریروں میں وضاحت کر دیتے تو اس غلطی کی نوبت نہ آتی۔

☆......☆......☆

اہلیہ اظہار الحق، جامعہ ام کلثوم للبنات، فیصل آباد سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہٗ! میں ''حیا'' کی مستقل قاریہ ہوں اور ان شاءاللہ تاحیات رہوں گی، مارچ 2012ء کا شمارہ پڑھا۔ ''ٹائٹل'' اتنا خاص نہیں لگا، آپی جان! اگر ٹائٹل پر خاص خاص مضامین وکہانیاں کے عنوانات مختلف ڈیزائنوں میں لگا دیئے جائیں تو اس کے حسن میں اور اضافہ ہو جائے۔ کیا خیال ہے؟...... ''فرمان الٰہی'' اور ''نور نبوت'' سے مستفید ہو کر ''آواز حیا'' میں پہنچے۔ کاش! ہمارے حکمران بھی ایسا ہی درد دل رکھیں۔ بالکل بجا فرمایا آپ نے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہر کسی کو اپنے حصے کا بوجھ اٹھانا ہے، دنیا کے اندر ہر انسان کے ذمہ کوئی نہ کوئی کام لگا ہوا ہے، اب اگر ہر انسان اپنا کام پوری ذمہ داری وخلوص دل سے کرے تو حالات کا رخ موڑا جا سکتا ہے، آج پوری قوم کا یہ مزاج بن چکا ہے کہ اپنے بجائے دوسرے کی طرف دیکھنا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے، آیئے! آج سے عہد کرتے ہیں کہ سب سے پہلے باطن کو سنواریں گے۔ (ان شاءاللہ)...... مولانا تنویر الحق کا ''رحمۃ للعالمین'' بہت پر اثر تھا۔ مولانا مفتی نعیم کا ''والدین کے حقوق'' اور مولانا عبدالستار کا ''اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا'' بہترین مضامین تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ (آمین)...... ''رسول اعظمؐ'' بھی اپنا سفر خوشگوار ماحول میں طے کر رہا ہے۔ آج اگر ہر استاد پروفیسر صاحب جیسا خلوص دل رکھے اور ہر شاگرد حیان جیسا علمی ذوق رکھے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بلال حبشیؓ جیسا جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ نسیم حجازی کا ناول ''داستان مجاہد'' کی پچھلی کئی قسطیں چھوٹ گئیں، جس کی بنا پر اس پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ ام حیات ہنگورا کی تحریر ''ایک زندگی ایک کہانی'' پر کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، ان کا انداز بیان نہایت دل موہ لینے والا ہے، اللہ

کرے زور قلم اور زیادہ۔ بنت مولانا عبدالمجید کا ناول ''کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں'' اور مولانا عبدالحلیم شرر کا ناول ''فردوس بریں'' کی کچھ قسطیں چھوٹ گئی ہیں، جب مکمل ہوں گی، ان شاءاللہ پھر تبصرہ کروں گی۔ ''جب پو پھٹی'' نہایت دلچسپ داستان تھی، بار بار پڑھنے کو جی چاہ رہا تھا، تبسم محسن علوی آپی میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ ان کے بات سمجھانے کا انداز اتنا پیارا ہے کہ چھوٹی سی تحریر میں اتنی بڑی بات سمجھا جاتی ہیں۔ آپی جان! ایک عرض ہے کہ آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیے، اگر برا نہ محسوس کریں تو کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ اسے اپنے پسندیدہ لوگوں کے بارے میں جاننے کا شوق ہوتا ہے۔ فائزہ صدیقی کی ''انجان مجرم'' پڑھ کر انتہائی افسوس ہوا، آج کل تقریباً ہر گھر میں ایسے انجان مجرم دکھائی دیتے ہیں۔ سکینہ عائشہ کی ''حسین یادیں'' کوئی خاص نہیں لگی، عطاء الحق قاسمی کا مضمون ''نشہ اس موبائل کا'' حقیقت پر مبنی تحریر ہے۔ سچ ہے کہ موبائل فون ضرورت کے علاوہ ہمارے رگ و پے میں نشے کی طرح سرایت کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ تمام سلسلے بہترین انداز میں جاری وساری ہیں۔ آپی جان! آپ نے ''میری پسند'' والا سلسلہ کیوں ختم کر دیا، ضرور جواب دیجئے گا، آخر میں تمام قاریات بہنوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام! اللہ رب العزت آپ کا حامی وناصر ہو!

اہلیہ اظہار الحق صاحبہ! حیا پسند کرنے اور بھرپور انداز میں تبصرہ کرنے کا بہت بہت شکریہ، ''میری پسند'' سلسلہ بھی عنقریب شروع ہو جائے گا۔

☆......☆......☆

بنت قاری زبیر عابد، جامعہ ام کلثوم للبنات، فیصل آباد سے لکھتی ہیں: آپی جان کیا حال ہیں؟ طبیعت و صحت کیسی ہے! یقیناً اللہ کے فضل وکرم سے خیر وعافیت سے ہوں گی اور لوڈشیڈنگ سے خوب مستفید ہو رہی ہوں گی، اللہ رب العزت ہمارے وطن عزیز کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ہمارے حکمرانوں کو ہدایت کاملہ عطا فرمائے۔ (آمین)...... آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ہر وقت حکمرانوں کو ہی کوستے رہتے ہیں، اپنے اعمال پر توجہ نہیں دیتے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کا مفہوم کچھ یوں ہے: ''جیسے تمہارے اعمال ہوں گے، ویسے ہی حکمران تمہارے سروں پر مسلط کئے جائیں گے۔'' اللہ رب العزت ہمیں اپنے اعمال سنوارنے کی توفیق دے۔ (آمین)...... مارچ اور اپریل 2012ء کے شمارے ملے۔ اس سے پہلے دسمبر 2011ء سے فروری 2012ء تک ''حیا'' سے رابطہ منقطع رہا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ انسانی زندگی کے دوران جہاں خوشی کے لمحات میسر آتے ہیں، وہیں غموں کے بادل بھی چھائے رہتے ہیں۔ لیکن انسان وہی ہے جو دونوں حالتوں میں رب کریم کا شکر گزار رہے۔ 12 نومبر 2011ء کو میں نے اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کیا، وہی سفر جو ازل سے ہی حوا کی بیٹیاں کرتی آرہی ہیں۔ یعنی شادی! کچھ دن تو نئے گھر میں ایڈجسٹ ہونے میں لگ گئے، آخر نیا گھر، نئے لوگ، نیا ماحول مشکل سے ہی دل لگتا ہے۔ اب تو اللہ کا شکر ہے کہ یہاں ''رچ بس'' گئے ہیں۔ ماشاءاللہ میرے سسرال کا ماحول بھی بہت دیندار ہے، میرے سسر مشہور عالم دین ہیں، میاں جی بھی حافظ قرآن ہیں، تمام قاریات بہنوں سے اپنی ازدواجی زندگی کے لئے دعاؤں کی درخواست ہے۔ یکم جنوری 2012ء میری دادی اماں کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا، جس کے باعث انہیں سر میں شدید چوٹیں آئیں، اللہ کا شکر ہے کہ تاحال اب وہ صحت یاب ہیں۔ پھر 9 فروری کو میرے اکلوتے چاچو کو راستے میں جاتے ہوئے ڈاکوؤں نے فائر مارا، جو کہ ان کی دائیں ٹانگ پر لگا، کچھ دن نشتر اسپتال میں رہ کر بعد ازاں ان کی ٹانگ کاٹ دی گئی، ہمارے خاندان کے لئے یہ ناقابل فراموش واقعہ ہے، لیکن ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں، وہی ہمارا مالک

ہے، وہ جو چاہے کرے، اس کے کاموں میں کسی کو عمل دخل نہیں، اللہ کریم میرے چاچو کو صحت و تندرستی عطا فرمائے اور کسی کا محتاج نہ کرے۔ (آمین)......تو بہنوں! یہ تھیں چند وجوہات جس کی وجہ سے ہم اپنے پیارے رسالے "حیا" کے دیدار سے محروم رہے! لیکن یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کی یاد بہت ستاتی تھی، اس کے گواہ میرے میاں ہیں، جو کہتے تھے، آخر "حیا" میں لکھا کیا ہوتا ہے، جو تم یوں ہر وقت بے تاب رہتی ہو، ہمارے پاس مسکرانے کے سوا اور کوئی جواب نہیں تھا، اللہ اللہ کر کے مارچ 2012ء کا شمارہ مل ہی گیا، 3، 4 ماہ بعد "حیا" دیکھ کر ہماری خوشی قابل دید تھی۔ "حیا" میں دو نئے سلسلوں کا اعلان پڑھ کر از حد خوشی ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ خط کافی لمبا ہو گیا ہے، یہ نہ ہو کہ اس بے چارے کوردی کی ٹوکری کا دیدار نصیب ہو جائے۔ اس سے پہلے ہی ہم اپنی بات کو سمیٹ لیتے ہیں۔ شماروں پر تبصرہ ان شاء اللہ اگلے خط میں کروں گی۔ اللہ رب العزت "حیا" کو ترقی و کامرانی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

بنت قاری زبیر صاحبہ! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے اور جو غم اور پریشانیاں آئی ہیں ان پر صبر کر کے ڈھیروں ثواب کمانے کی توفیق عطا فرمائے......سسرال جا کر ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں......اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے حیا کے ساتھ تعلق برقرار رکھئے گا۔

☆......☆......☆

ساجدہ بتول، ملتان سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے خیریت سے ہوں گی اور خط کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی ہوں گی۔ اس کے بعد عرض ہے کہ خیریت کی طالبہ خیریت سے ہے۔ "حیا" ہمارے ہاں اب باقاعدگی سے آرہا ہے۔ ویسے آج تک ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ "حیا" آتا ہے یا آتی ہے! اصولاً تو "حیا" آنی چاہئے۔ کیونکہ دراصل تو یہ مونث ہے، مگر یہ ہر مہینے "آجاتا" ہے۔ بہر حال بوجہ مصروفیت کافی عرصہ صفحہ ہستی......اوہ نہیں......صفحہ حیا سے غائب رہنے کے بعد آج آخر پچھلے آٹھ ماہ کے شمارے ایک ساتھ دیکھے اور سب کی محفلیں (حیا کی محفل) پڑھ ڈالیں، جہاں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ "حیا کی محفل" میں بہت سی نئی بہنوں کا اضافہ ہو چکا ہے، وہیں اس بات پر نری پریشانی ہوئی کہ ہماری بہت سی پرانی بہنیں غائب ہیں۔ لہٰذا پرانی بہنو! سامنے آؤ، اپنا لوہا منواؤ، بلکہ تانبا اور پیتل بھی منواؤ، نئی بہنوں سے آنکھیں ملاؤ اور زندہ جاوید ہو جاؤ۔ ام عمر مجاہد، صائمہ یاسمین شوکت، ہمشیرہ حافظ محمد ادریس، مسکان خان، شہناز ابراہیم، زویا ملک، حنا ملک، حلیمہ سعدیہ، ساجدہ غازی، ساجدہ عزیز اور ساجدہ بتول آپ سب کہاں ہیں؟ غائب ہونے میں تو آپ سب نے بجلی کو بھی مات دے دی، ایک ہم ہیں......لوڈشیڈنگ کی طرح بار بار آدھمکتے ہیں جبکہ ہماری بہت سی بہنیں اتنی ست ہیں کہ پورے تیس دن بعد "حیا کی محفل" میں خط ارسال کرتی ہیں مگر ہماری چستی، پھرتی اور تیزی و طراری دیکھئے کہ صرف اور صرف آٹھ ماہ بعد خط لکھ رہے ہیں، بہر حال "حیا کی محفل" دیکھیں تو معلوم ہوا کہ اس میں نت نئی، بے شمار اور کئی، موٹی تازی، مجاہدات اور غازی، تتلی پتنگ، "حیا" سے ہم آہنگ، دھان پان، قلم کی جان، ہٹی کٹی، میٹھی اور کھٹی، سیدھی سادی، لکھنے کی عادی، ہر کوالٹی، ہر رنگ اور ہر سائز کی قاریات کا دن بدن اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہم نے سوچا، اتنی اچھی اچھی قاریات کے تبصروں سے "حیا کی محفل" کو نظر نہ لگ جائے، لہٰذا نظر بٹوہ (خوبصورت چیز پر ہلکی پھلکی سی بدصورتی جو اسے نظر بد سے بچا سکے) لگانے کو ایک آدھ بھدا سا خط بھی ہونا چاہئے، سو ہم نے بھی ایک عدد بیوقوف سا خط لکھ مارا ہے۔ اگرچہ ہمارا تبصرہ "حیا" میں چھپنے والے دیگر تبصروں کے آگے پانی بھرتا نظر آرہا ہے۔ مگر چلو اچھا ہی ہے۔ آپ کے ہاں یعنی کراچی میں یوں بھی تو پانی کی قلت ہے، شاید ہمارے اس پانی بھرے خط سے کچھ افاقہ ہو سکے۔ سوکھتے کو قطرے کا سہارا سہی......علاوہ ازیں کچھ عدد بہنوں کو شکوہ

ہے کہ ان کی تحریریں "حیا" میں جگہ نہیں پاتیں......ان کی خدمت میں عرض بے عرض ہے۔ پیاری بہنو! ہماری ساری بہنو! ہم نے تو جب بھی اور جیسی بھی تحریر "حیا" میں بھیجی، وہ گدھے کے سر پہ کان کی طرح سیدھی "حیا" کے صفحات پہ جا لگی۔ یقین کیجئے، ایک ماہ پہلے ہم نے کہانی بھیجی "قابلیت کا راز" ارسال کرنے کے پندرہ دن بعد "حیا" کی انتظامیہ کو فون کھڑکایا، تو معلوم ہوا، حالات خراب ہونے کی وجہ سے ابھی تک نہیں پہنچی۔ اس کے پانچ دن بعد دوبارہ فون کیا تو معلوم ہوا، تحریر محترمہ منزل مقصود پہ پہنچ چکی ہیں۔ اس کے ٹھیک دس دن بعد یعنی آج مئی کا شمارہ ملا تو یہ دیکھ کر آنکھیں پھٹ گئیں کہ اس میں ہماری وہی ناقابل اشاعت کہانی "قابلیت کا راز" موجود ہے۔ خط بہت لمبا ہو گیا، لہٰذا اب اجازت دیتی ہوں۔ اپنا خیال رکھئے گا، کیونکہ ہر کسی کو اپنا خیال خود ہی رکھنا چاہئے۔

ساجدہ بتول صاحبہ! ہم ادارہ حیا سمیت اپنے تمام ست قارئین کی طرف سے آپ جیسی چست اور تیز طرار بہن کو حیا کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ آپ بھی دیگر بہنوں کی طرح ست بن جائیں اور ہر ماہ خط ارسال فرمائیں......ہم دیگر پرانی قاریات سے بھی گزارش کریں گے کہ وہ ساجدہ بتول کی طرح چست بننے کے بجائے، دیگر نئی بہنوں کی طرح ست بنیں۔

☆......☆......☆

مریم حسن، پپلاں ضلع میانوالی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! محترمہ آنٹی مہر افروز مہر صاحبہ، تمام اسٹاف رائٹر اینڈ ریڈرز! السلام علیکم! آپ سب ان شاء اللہ خیرت سے ہوں گے۔ میرا یہ خط ہے اور میں نے دو کہانیاں بھیجی ہیں، ایک "ماں کے بارے میں" اور دوسری "قرآن کی برکت سے ایمان کی دولت ملی" تحریریں بھیجی ہیں، برائے مہربانی پہلی مرتبہ لکھی ہے، میری حوصلہ افزائی کیجئے گا اور یہ بتائیں کہ میرے اندر لکھنے کی صلاحیت ہے یا نہیں، پلیز میری ماں والی لازمی شائع کیجئے، بہت محبت سے لکھی ہے اور میری کہانی اشاعت کے قابل ہے یا نہیں، لازمی بتایئے گا......ہم غریبوں کا شمار بڑے لوگوں میں کر دینا۔

مریم بیٹا! آپ کی کہانیاں اور ارسال کردہ تحریریں ہم تک پہنچی نہیں، بغیر پڑھے ہم اس کی اشاعت یا عدم اشاعت سے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔

☆......☆......☆

نازش کنول، ربال سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ سب یقیناً خیر و عافیت سے ہوں گے، کافی ماہ کی غیر حاضری کے بعد آپ کی مجلس میں شرکت کرنے کی جسارت کر رہی ہوں، "حیا" رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے، اس کی ہر کہانی انوکھا انداز لئے اور سبق آموز ہوتی ہے، اس ماہ کا رسالہ مہینے کی گیارہ تاریخ کو ہاتھ لگا، سارا ایک ہی دن میں پڑھ ڈالا اور خط لکھنے بیٹھ گئے، بنت عبدالمجید کی کہانی "کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں" بہت زبردست تھی اور "داستان مجاہد" نے تو رسالے کو چار چاند لگا دیئے۔ "درد آشنا" بھی اچھی کہانی تھی، آپی میں کچھ تحریریں بھیج رہی ہوں، اگر قابل اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع کیجئے گا، اب اجازت چاہتی ہوں اور آخر میں سب پڑھنے والوں کو سلام۔

نازش بہن! حیا کی پسندیدگی کا شکریہ، آپ اپنی تحریر بھیج دیں مناسب ہوئی تو ضرور شائع ہوں گی۔

☆......☆......☆

طیبہ طاہرہ عروف خولہ لکھتی ہیں: مدیرہ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عرض یہ ہے کہ ہم خیریت سے ہیں، آپ کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ سب سے پہلے ہم اللہ کا

شکر ادا کرتے ہیں اور پھر آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہماری کہانیاں شائع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہاں میں خوش رکھے اور اس طرح دین کی باتیں آگے پھیلنے والا بنائے۔ آمین...... ہاں آپ ہماری بھیجی گئی ساری کہانیاں ضرور شائع کریئے گا کیونکہ سب گھر والے رسالے کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں، جب سے ہماری ایک کہانی شائع ہوئی، گھر کا ہر فرد یہ ہی کہتا ہے کہ میں بھی لکھوں گا، لیکن شائع ہونے میں دیر ہوتی ہے، اس کا بھی انتظار رہتا ہے، اگر آپ ہماری کہانی شائع کر دیں تو ہم پھر آپ کو اور کہانیاں بھیجیں گے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہماری کہانیاں باری باری سب کی کہانیاں اور مختلف چیز بھیجی ہوئی ضرور شائع کیا کریں۔ آپ نے جو رسالے میں "داستان مجاہد" ناول شروع کیا، بہت پسند آیا تو اس کے پورا ہونے کے بعد اس طرح کی کوئی اور کہانی ضرور شائع کریئے گا۔ میں نے اپنے بھتیجے کا سہانا بچپن لکھ کر بھیجا ہے، سب بہت خوش ہوئے اور بھتیجا سب کو کہتا ہے کہ یہ میری کہانی آئی ہے خوشی سے سب کو بتاتا ہے۔ اور میرے ابو کی صحت کے لئے دعا کرتے رہئے گا، پوری ٹیم سے درخواست ہے۔ باجی کلثوم پوری ٹیم کو سلام دے رہی ہے وراب، ہم دو کہانیاں اور بھیج رہے ہیں، پلیز وہ بھی شائع کر دیئے گا ور روحانی ڈاک والا سلسلہ بھی شروع کر دیں، وہ بھی اچھا سلسلہ تھا اور آپ سے درخواست یہ بھی ہے کہ آپ جامعات کے بارے میں بھی زیادہ سے زیادہ توجہ کروائیں کہ اسکول کی تعلیم اپنی جگہ لیکن جامعہ کی تعلیم زیادہ ضروری ہے، بالخصوص خواتین کے لئے جن کو کسی بھی مسئلے کا کوئی بھی علم نہیں ہوتا اور نہ نماز کی فکر اور نہ ہی قرآن کی، کہتی کہ اسکول کی تعلیم آج کے دور میں زیادہ ضروری ہے۔ جامعہ کی تعلیم سے، مجھے اس بات سے زیادہ غصہ آتا ہے اور اسکول کی تعلیم سے نفرت ہوگئی ہے۔ آپ بھی دعا کریں ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی اچھا سا حکمران بھیج دیں اور اسلامی قانون نافذ ہو جائے، اللہ کرے ایسا ہی ہو جائے۔ آمین ثم آمین...... لیکن 2012ء کے بارے میں سنتے آرہے ہیں اور احادیث میں بھی موجود ہے کہ 2012ء میں جنگ کے آثار نظر آرہے ہیں اور رمضان کے بارے میں بھی آیا ہے کہ 15 رمضان کو دھماکہ ہوگا یہ سب سن کر بہت ڈر لگتا ہے نہ تو ہم نے ایسے اعمال کئے ہیں جو جواب دے سکیں گے اور نہ ہی ہم نے کوئی توبہ استغفار کی ہے دعا کریں کہ اللہ ہم کو توبہ کی توفیق دے۔ آمین......

کچھ لوگ ہواؤں سے بھی شکوہ نہیں رکھتے — کرتے ہیں ہر ایک شام نئی شمع فروزاں

طیبہ طاہرہ صاحبہ! آپ کی بھیجی گئی کہانیاں اگر قابل اشاعت ہوئیں تو وقت آنے پر ضرور شائع ہوں گی...... محترمہ!...... ذرا یہ تو بتائیے کہ کون سی حدیث میں ہے کہ 2012ء کو جنگ ہوگی اور 15 رمضان کو دھماکہ ہوگا...... برائے مہربانی احتیاط کریں، ہر بات کو حدیث کا نام نہ دیا کریں، کلثوم بہن کو ہماری طرف سے سلام۔

☆......☆......☆

جویریہ مجاہدہ لکھتی ہیں: محترمہ جناب مدیرہ ماہنامہ حیا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بحکم تعالیٰ آپ اور آپ کی معاون ٹیم خیریت سے ہوں گی، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے معاونین کو اپنے حفظ وامان میں رکھے حادثات زمانہ سے، گردش ایام سخت واذیت طلب اوقات سے، ہر ماہ کی طرح اس دفعہ بھی ماہنامہ پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے، خدا کرے کہ یہ صدا یونہی ہی چمکتا رہے، پرنور راہوں پر روشنی بکھیرتا رہے، ہمیں ہر ماہ اچھے اچھے مضامین، کہانیاں اور بہت کچھ پڑھنے کو ملتا رہے، اس کی رہنمائی میں ہم اپنی عاقبت کو سنوارتے رہیں، اب بات ہو جائے کچھ کہانیوں کے بارے میں، اس دفعہ پھر "فداک امی وابی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" شامل اشاعت نہیں تھا، بہت انتظار ہوتا ہے اس کا، مہربانی فرما کر مدیرہ صاحبہ اس کو ہر ماہ رسالے کی زینت ضرور بنایا

کریں، مولانا عبدالقیوم ندوی صاحب کا مضمون "مسلمان عورت کے فرائض منزلی" ایک چشم کشا تحریر تھی، جو کچھ ہم مسلم خواتین کو بہت کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ہم نے ایک حقیقت سے آنکھیں پھیری تو معاشرے کا سکون لمحوں میں برباد ہوگیا، امن وآتشی کے بجائے ظلم وجور کا گہوارا بن گیا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت فاطمہ وعائشہ رضی اللہ عنہما کا حقیقی جانشین بنائے۔ صبا یونس کی تحریر "تربیت یا غفلت؟" نئی نسل کو راہ راست پر لانے کے لئے ان کے والدین کو جگانے کے لئے ایک اچھی کاوش ہے، لکھنے کا انداز بہت اچھا ہے، بات جلد سمجھ میں آجاتی ہے۔ "گھر کہانی" سہیلہ خاتون کی یہ کہانی پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ والدین بعض اوقات دین سے دوری کی وجہ سے ایسے کام سرانجام دے دیتے ہیں، جس کا خمیازہ بھگتنا زندگی پر ایک بوجھ بن جاتا ہے، پچھتاوے کی آگ بھی چین نہیں لینے دیتی۔ ضرورت ہی اسی امر کی ہے، ہم دین کو اپنا لے جو عقبیٰ کے ساتھ ہماری دنیا کو بھی سنوارے گا۔ بنت مولانا عبدالمجید کی کہانی "کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں" کی آخری قسط زبردست تھی، عجیب سے انداز سے آپانی کی ملاقات اپنے بھائی سے کروائی۔ ویسے اختتام اچھا ہوا۔ ان کا سفرنامہ پڑھا، اچھا لگا، معلوماتی ہیں، علم میں اضافہ ہی ہوگا۔ ساجدہ بتول کی کہانی "قابلیت کا راز" اپنے اندر بہت سے موتی سموئے ہوئے تھی۔ تحریر پڑھ کر میں کافی دیر سوچتی رہی کہ...... چلئے چھوڑیں یہ میں آپ کو نہیں بتاتی بنت حافظ محمد قریشی کا مضمون "کرلے جو ہے کرنا، آخر موت ہے" واقعی موت کا تو کوئی وقت مقرر نہیں، لیکن ہم غافل، ہمارے اکابر تو موت کا انتظار کرتے تھے اور چالیس سال کا زمانہ بیت جاتا اور جب موت آتی تو مرحبا کہتے۔ لیکن ہم بہت دور ہوگئے اپنے اکابر کی سنتوں سے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وجیہ کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور اپنے سرتاج کا صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین...... حمیرا ساجدہ آپ کی کہانی "درد آشنا" یہ واحد کہانی ہے کہ جس کو پڑھتے ہوئے ہمارے آنسو نکل آئے۔ نہ جانے آپ کی کہانی میں کیا درد وکرب تھا، کیونکہ ہمیشہ عورت ہی روایات کی بھینٹ چڑھتی ہے، باقی تمام سلسلہ جات اپنی بہاریں بکھیر رہے تھے۔ "حیا" میں سب کچھ پڑھ کر اچھا لگا کہ اس مادہ پرستی کے دور میں عورتوں کو دین داری سکھانے کے لئے بہت کوشش کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ادارہ "حیا" کو یونہی صدا بہار رکھیں۔ "گلدستہ حیا" میں پھول جو تیزی سے خوشبو بکھیرا ہے۔ کافی باتیں میری رہنما بنی۔ اس گلدستے میں تو مزید نکھار آتا جارہا ہے۔ مختصر نسخہ معافی واصلاح یہ تحریر مجھے بہت زیادہ اچھی لگی۔ تقریباً اس پر تو میں نے عمل بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا جزائے خیر دیں۔ میں نے ایک کہانی "دعاؤں کا ثمرہ" ارسال کی تھی۔ قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع کریں۔ ساتھ کچھ منتخب نظمیں بھیج رہی ہوں۔ ضرور شکریہ کا موقع دیجئے گا۔ "حیا کی محفل" تمام خطوط کی تحریریں بہت زبردست تھی۔ اچھا تبصرہ کیا ہوا تھا۔ آپ کا جواب چار چاند لگا رہا ہے۔

جویریہ مجاہدہ صاحبہ! حیا پسند کرنے اور دعاؤں کا بہت شکریہ، آپ قارئین کی دعائیں ہی ہماری ترقی اور کامیابی کا راز ہیں...... آپ کی تحریریں اپنے مقررہ وقت پر رسالہ کی زینت بن جائیں گی۔

☆......☆......☆

بنت محمد نجم حسین، ناظم آباد، کراچی سے لکھتی ہیں: محترمہ ومکرمہ مدیرہ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پیاری باجی امید ہے خیریت سے ہوں گی، ماہنامہ "حیا" ہمارے گھر کے تقریباً سبھی افراد بہت شوق سے پڑھتے ہیں، اپریل کے شمارے میں تمام تحریریں بے حد اچھی تھیں، اللہ تعالیٰ "حیا" کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اس خط کے ساتھ میری اور میری بہن کی کہانیاں ہیں، پلیز اس خط کا جواب کہانی پڑھ کر ہی دیئے گا کہ

شائع ہوگی یا نہیں۔

بنت محمد نجم حسین، دعاؤں کا شکریہ، آپ کی تحریریں عن قریب حیا کی زینت بن جائیں گی۔

اخت رضوان اللہ، ناگڑیاں سے لکھتی ہیں: محترمہ ومکرمہ مدیرہ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اللہ سے امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی، آپ کی محنتوں اور کوششوں سے یہ ایک خوبصورت رسالہ رنگ برنگے پھولوں والے گلدستہ کی صورت میں ہمارے ہاتھوں میں آتا ہے اور اس پرفتن دور میں یہ رسالہ اپنے معاونین کے سچے عاشق رسول ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اس کی تمام کہانیاں پرلطف اور ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں، لیکن ہمیں سب سے زیادہ بنت عبدالمجید اور بنت مسعود کی کہانیاں پسند ہیں، لکھتی تو سب ہی اچھا ہیں لیکن پسند اپنی اپنی۔ ہم بنت عبدالمجید کو ان کی کہانی ''کٹھن ہیں راہیں ویران تو نہیں'' کے اتنے خوبصورت اختتام پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اس دفعہ ''فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی نہیں آئی، مہربانی فرما کر اس کا ناغہ نہ کیا کریں، یہ تو ختم نبوت کے بارے میں ہے اور مرزائیت کے تاروپود بکھیر رہی ہے اور ہمیں ختم نبوت سے عشق ہے، یہ کہانی ہر دفعہ لازمی شامل کیا کریں اور باجی جان ام محمد احمد سے گزارش ہے کہ وہ ضرور لکھیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ ردی کی ٹوکری کا منہ بند کر دیا ہے اس لئے برائے مہربانی میرا یہ خط اور ساتھ جو مضمون ہے، وہ نوک پلک سنوار کر شائع کر دیجئے گا، تمام قارئین کو سلام قبول ہو، میرے مضمون کے بارے میں بتایئے گا قابل اشاعت ہے یا نہیں۔

اخت رضوان اللہ! بنت مولانا عبدالمجید اور بنت مسعود، دونوں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔ ''فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ان شاء اللہ آئندہ ہر ماہ شائع ہوگی اور ناغہ کی شکایت نہیں ملے گی۔

☆......☆......☆

اخت جوادعلی، ناگڑیاں سے لکھتی ہیں: محترمہ باجی جان راحت ارشد، مہرافروز مہر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ! عرض ہے کہ ہم خیریت سے ہیں، امید ہے آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ ہم تقریباً شروع شمارہ سے ''حیا'' کی قاریہ ہیں، اس کا معیار دن بدن بڑھ رہا ہے، تمام رائٹرز اپنے قلم کاغذ کے ساتھ میدان میں آکودی ہیں، سب قسط وار کہانی اچھی جا رہی ہیں، ہماری طرف سے محترمہ بنت مسعود صاحبہ کو اتنی اچھی کہانی لکھنے پر دلی مبارکباد قبول ہو اور ان سے درخواست ہے کہ مستقل لکھا کریں، اخت بنین اسلام یعنی امام زینب کو اتنی اچھی کہانی لکھنے پر مبارک ہو، اہلیہ شاکر صاحبہ اب نہیں لکھ رہی، شاید ان کو سسرال میں فرصت نہیں مل رہی۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رسالہ سارا مضامین سے بھرا ہوتا ہے، ایسا مت کیجئے گا، کہانی میں زیادہ اور دیرپا اثر ہوتا ہے اور لوگ اس شوق سے بھی پڑھتے ہیں۔ اس کے ٹائٹل کی طرف تھوڑی سی توجہ ضرور دیجئے گا، ایک خوبصورت ٹائٹل دل کو فرحت بخشتا ہے۔ اس کے ٹائٹل کا ورک بھی اچھا اور مضبوط بنا دیں۔ ہماری طرف سے ''حیا'' کی تمام ٹیم اور تمام قاریات کو سلام قبول ہو، اگر خط آپ کو پسند آئے تو شائع کر دیں ورنہ خوشی سے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں۔

اخت جوادعلی، بنت مسعود آپ کا شکریہ ادا کرتی ہیں، عنقریب وہ ایک نئی کہانی کے ساتھ تشریف لا رہی ہیں...... ردی کی ٹوکری کا منہ بند ہے، لہٰذا اس سے نہ گھبرائیں۔

☆......☆......☆